بہ فیض حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مؤسس : الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی

رضا اکیڈمی ممبئی کا دینی، علمی، اصلاحی وادبی مجلّہ

سال نامہ

یادگارِ رضا

۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء

مرتب: غلام مصطفیٰ رضوی

ناشر: رضا اکیڈمی

۵۲/ڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک، ممبئی ۴۰۰۰۰۹

Ph.: (022) 66342156 www.razaacademy.com

e-mail : yadgarereza@gmail.com

مشمولات یادگار رضا بہ یک نظر

۱	فکر رضا، حمایت دین اور صحافت (اداریہ)	غلام مصطفیٰ رضوی	۴
	دعوت فکر		
۲	تصانیف رضا کی تقسیم	مولانا محمد احمد مصباحی	۸
۳	فکر رضا کے نئے زاویے	ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی	۱۳
	ادبیات		
۴	امام احمد رضا کی ردیفیں	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی	۱۹
	نظریات		
۵	امام احمد رضا اور خانقاہی نظام	مفتی محمد شمشاد حسین رضوی	۳۲
۶	دارالعلوم منظر اسلام اور تحریکات	محمد الیاس کشمیری	۵۸
۷	امام احمد رضا اور عصری تعلیم	مفتی علاؤالدین رضوی	۶۳
	ضیاے حرم		
۸	امام احمد رضا اور امام حرم علامہ شیخ صالح کمال مکی	غلام مصطفیٰ رضوی	۷۰
	پیش رفت		
۹	ہواؤں میں فکر رضا کی توسیع کا اہتمام	محمد افروز قادری چریاکوٹی	۸۶
	منظومات		
۱۰	ان کے بلبل کی خموشی بھی لب اظہار ہے (نعت)	امام احمد رضؔا قدس سرہٗ	۹۳
۱۱	واصف سلطان عرب (نعت)	طارقؔ سلطان پوری	۹۴
۱۲	ظلِ علم مرتضیٰ احمد رضا (منقبت)	حضرت احسن العلما حسؔن مارہروی	۹۵
	تحقیقات		
۱۳	سمت قبلہ پر تحقیق رضا کا تجزیہ	خواجہ مظفر حسین رضوی	۹۶
	آئینۂ صداقت		
۱۴	تعارفِ حسام الحرمین	مولانا عبدالسلام رضوی	۱۰۲
	ضیاے نوریؔ		
۱۵	مفتی اعظم بہ حیثیت شیخ طریقت	خواجہ مظفر حسین رضوی	۱۳۴
	ضیاے شرف		
۱۶	امام احمد رضا اور علامہ عبدالحکیم شرف قادری	ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری	۱۳۸
	تعارف و تجزیہ		
۱۷	اکابر مارہرہ-حصہ دوم: ایک طائرانہ نظر	اختر حسین فیضی مصباحی	۱۵۱

اجالوں کے سفیر

۱۸	خلیفۂ رضا، علامہ ظفرالدین قادری رضوی	مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری	۱۶۰
۱۹	خلیفۂ رضا، مولانا شمس الدین احمد قادری	محمد اسلم رضا ثقافی	۱۶۵
۲۰	خلیفۂ رضا، مولانا عبدالعلیم میرٹھی	محمد اسلم رضا قادری	۱۷۳
۲۱	ڈاکٹر مختار الدین احمد اور رضویات	غلام مصطفیٰ رضوی	۱۷۶

آئینۂ خدمات

۲۲	رضا اکیڈمی سے رسائل اعلیٰ حضرت کی اشاعت	ادارہ	۱۸۰
۲۳	۲۰۱۰ء میں رضا اکیڈمی کی خدمات	محمد زبیر قادری	۱۸۶

منزل بہ منزل

۲۴	تعارف ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی	وسیم احمد رضوی	۱۹۵

یاد رفتگاں

۲۵	شاید یہی تھے گردشِ ایام کے چراغ!	عتیق الرحمٰن رضوی	۱۹۸

انجمن ثنائیہ کے تعلیمی اجلاس میں غلام مصطفیٰ رضوی کو ’’کلک رضا ایوارڈ‘‘ دیا گیا

ممبئی ۴؍دسمبر ۲۰۱۰ء۔ انجمن ثنائیہ دارالیتمیٰ سنی دارالافتا والقضا میرا روڈ کے تعلیمی اجلاس میں نوری مشن مالیگاؤں کے غلام مصطفیٰ رضوی کو ۲۵۰؍ سے زائد علمی و تحقیقی مقالات تحریر کر کے ملکی و بین الاقوامی میڈیا میں اشاعت کروانے پر ’’کلک رضا ایوارڈ‘‘ سے نوازا گیا، یہ ایوارڈ شیخ طریقت مولانا سید محمد علی احمد، مفتی سید شاکر حسین سیفی اور ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کے ہاتھوں پیش کیا گیا۔ اس موقع پر دارالیتمیٰ کے فارغ طلبا کی دستار بندی عمل میں آئی، بانی ادارہ مفتی علاؤ الدین رضوی نے انجمن ثنائیہ دارالیتمیٰ اور محکمۂ شرعیہ دارالافتاء والقضا کے قیام کے مقاصد بیان کیے۔ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے کہا کہ ایوارڈ یافتہ غلام مصطفیٰ رضوی کی تحریر تحقیق کے جدید تقاضوں کو پورا کرتی ہے، ان کی نثر میں بڑی پختگی پائی جاتی ہے۔ سیکڑوں مقالات کے ذریعے انھوں نے عالمی سطح پر اپنی انفرادی شناخت قائم کی ہے۔

غلام مصطفیٰ رضوی کو کلک رضا ایوارڈ ملنے پر ملک و بیرون ملک کے سیکڑوں ارباب قلم، علما و مشائخ اور محققین و مصنفین نے مبارک باد پیش کی اور دعاؤں کی سوغات سے نوازا، اس سلسلے میں مہاراشٹر بھر کے اخبارات نے بھی مبارک بادی کے مراسلے اور آرٹیکلز کی اشاعت کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

اداریہ

فکر رضا، حمایت دین اور صحافت

بیسویں صدی میں میڈیا کی بڑھتی قوت و اہمیت نے دنیا پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ انفارمیشن ٹکنالوجی کی مسلسل ترقی اور نئے آفاق کی تلاش نے میڈیا پر بھی نمایاں اثر ڈالا۔ اکیسویں صدی میں حال یہ ہے کہ اس کی دست رس سے دنیا کا کوئی خطہ باہر نہیں، ہر جگہ میڈیا کی چھاپ ہے، ہر شعبۂ حیات اس کی بندش میں جکڑا ہوا ہے۔ ابلاغ اور میڈیا درج ذیل امور کے ذریعے ترقی کی منزل پر پہنچا:

(۱) پریس (امور طباعت و اشاعت)

(۲) کمپیوٹر

(۳) سٹیلائٹ

(۴) انٹرنیٹ

(۵) ٹیلی ویژن

(۶) ایف ایم، ریڈیو......وغیرہ

الیکٹرانک میڈیا بڑا برق رفتار واقع ہوا لیکن پرنٹ میڈیا نے بھی اپنی اہمیت برقرار رکھی اور اس سلسلے میں اخبارات و جرائد کی اشاعت ہر روز بڑھ رہی ہے۔ ان کے توسط سے جہاں لادینی نظریات، صہیونی افکار و خیالات عام ہو رہے ہیں، یہودی سازشیں اپنا دائرہ وسیع کر رہی ہیں وہیں بہ نام اسلام وجود میں آنے والے باطل اور گستاخ فرقوں کے گم راہ کن نظریات آن کی آن میں مسلم معاشرے میں پھیلتے جا رہے ہیں، ان کے جرثومے میڈیا اور صحافت کے ذریعے پنپ رہے ہیں اور فضا مسموم ہوئی جاتی ہے۔ ایک صدی پیش تر (۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء میں) جب کہ میڈیا اور صحافت کی اہمیت اجاگر نہیں ہوئی تھی مفکر اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی (م ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) نے اشاعت دین، ابلاغ حق اور دین متین کے فروغ کی غرض سے اسلامی صحافت کے قیام و استحکام پر زور دیا تھا، آپ کے افکار کا اہم نکتہ یہ تھا:

’’آپ کے مذہبی اخبار شایع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بہ قیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔‘‘ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، ص ۱۳۴)

پریس کی قوت کو آغاز ہی میں سمجھ لینا بڑی بات ہے، بندۂ مومن کی یہ شان ہے کہ وہ بے پناہ بصیرت سے مالا مال ہوتا ہے۔اس کی دانش نورانی مستقبل کے خطرات محسوس کر لیتی ہے، اس کی تجاویز میں قوم کے عروج و اقبال کا فلسفہ مستور ہوتا ہے:

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبار جہاں
نگاہ شوق اگر ہو شریک بینائی

قوم کی بے توجہی و بے پروائی کہ صحافت کے تئیں مسلسل اور مستقل بے داری نہیں رہی جب کہ یہود و نصاریٰ اس کی اہمیت بھانپ گئے تھے اور اسی وقت کام شروع کر دیا تھا۔ یہودی خفیہ دستاویز کا نکتہ ہے:

’’آج کی دنیا میں پریس (Press) ایک عظیم طاقت ہے، پریس کے حقیقی رول کو دراصل بہت کم سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے، ریاستیں اس بے پناہ طاقت کا صحیح استعمال نہیں جانتیں اور اب یہ طاقت ہمارے قبضہ میں ہے، پریس کی قوت سے پس پردہ رہتے ہوئے سارے عالم پر اثر انداز ہونے کی قوت حاصل ہوگئی ہے۔‘‘ (یہودی پروٹوکول، بہ حوالہ ماہ نامہ ضیاے حرم لاہور جولائی ۱۹۷۲ء)

میڈیا کا منفی کردار: ایک صدی قبل امام احمد رضا نے قوم کو باخبر کر دیا تھا، جاگنے کا پیغام دیا تھا، اسلام کی اشاعت کے لیے صحافت اور جدید ذرایع ابلاغ (جو شریعت کے دائرے میں ہوں) کے استعمال کی دعوت دی تھی۔قوم کی بے خبری کا یہ حال کہ آج صحافت کے تقریباً ہر شعبے پر اسلام دشمن لابی حاوی ہے۔ ہمارے ملک کا میڈیا زعفرانی فکر کا شکار ہے۔ دو سال پیش تر کی ہی مثال سامنے ہے۔ ہیمنت کرکرے نے تشدد اور دہشت گردی کے جن چہروں سے پردہ اٹھایا، دلائل کے باوجود تنگ نظر میڈیا نے مجرم کی حمایت کی اور صداقت کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی حالاں کہ مکروہ چہرے یکے بعد دیگرے بے نقاب ہوتے چلے جا رہے ہیں، دنیا دیکھ رہی ہے دہشت گرد کون ہے؟ اور دوسری سمت حال یہ کہ بھول سے کسی واردات میں کسی مسلم کا نام آجائے تو اسے اسلام سے جوڑ کر پروپے گنڈے کا بازار گرم کر دیا جاتا ہے۔انصاف و دیانت کے تمام اصول بالاے طاق رکھ دیے جاتے ہیں۔اسلام دشمنی کا مظاہرہ کھل کر دیکھنے کو ملتا ہے۔

صحافت کی عمومی تعبیر: میڈیا رفتہ رفتہ ایک مستقل فن کی صورت میں سامنے آیا۔اس کے کینوس میں جو وسعت ہے اس کا اندازا Exploring Journalism کے مرتبین کی راے میں اس طرح ہے:

’’صحافت جدید وسائل ابلاغ کے ذریعے عوامی معلومات، راے عامہ اور عوامی تفریحات کی باضابطہ اور مستند اشاعت کا فریضہ ادا کرتی ہے۔‘‘

جب کہ موجودہ صحافت کا معاملہ اجاگر ہے کہ وہ اس تعبیر سے کس قدر دور ہے اور اس کی غیر متوازن پالیسی بھی واضح ہے۔

متوسلین رضا کا صحافتی پس منظر: فکر رضا کے صحافتی نکتے پر عہد رضا میں متوسلین رضا نے کسی قدر توجہ مرکوز کی اور عملاً کام بھی کیا۔امام احمد رضا نے اسلامی صحافت کی آبیاری خود بھی کی اور اس کی رگوں کو تازہ خون بھی فراہم کیا۔متوسلین رضا جنھوں نے صحافت کی وادی کو زرخیز بنایا اور اپنے اخبارات و رسائل کے توسط سے اشاعت دین و اصلاحِ مسلمین کا کام لیا، ان کی ایک مختصر فہرست اس طرح ہے:

(۱) ہفت روزہ دبدبۂ سکندری، رام پور (۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء میں جاری ہوا، کام یابی کے ساتھ قریب ایک صدی جاری رہا۔)

(۲) اخبار روز افزوں، بریلی (برادرِ رضا مولانا حسن رضا خاں کی سرپرستی میں جاری ہوا۔)

(۳) اخبار الاسلام افریقا (۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۸ء میں خلیفۂ رضا مولانا احمد مختار میرٹھی نے جاری کیا، اخبار کا مزاج داعیانہ تھا۔)

(۴) ہفت روزہ الفقیہ امرت سر (۱۹۱۸ء میں خلیفۂ رضا مولانا محمد شریف کوٹلوی نے جاری فرمایا۔)

(۵) ہفت روزہ اہل فقہ امرت سر (۱۳۲۴ھ میں جاری ہوا۔)

(۶) ماہ نامہ الرضا بریلی (صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کے زیر اہتمام اور مولانا حسنین رضا کی ادارت میں ۱۳۳۸ھ میں جاری ہوا۔)

(۷) ماہ نامہ انجمن نعمانیہ لاہور (انجمن نعمانیہ کے صدر ثانی مولانا شاہ محرم علی چشتی، امام احمد رضا سے قلبی وابستگی رکھتے تھے، دینی و قومی اور فکری معاملات میں رہ نمائی لیتے تھے۔)

(۸) ماہ نامہ السواد الاعظم مراد آباد (۱۳۳۸ھ میں خلیفۂ رضا مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے جاری فرمایا، اسلامی اصولوں پر سیاسی رہ نمائی کی اور حمایت دین میں نگارشات کی اشاعت کا فریضہ انجام دیا ساتھ ہی دیابنہ اور آریاؤں کے اعتراضات کے بروقت جوابات شایع کیے۔)

(۹) ماہ نامہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ (اس کا اجرا خلیفۂ رضا مولانا قاضی عبد الوحید فردوسی نے ۱۳۱۵ھ میں فرمایا، ادارت کے فرایض مولانا ابو المساکین محمد ضیاء الدین نے انجام دیے، اس رسالے نے عقائد اہل سنت کی حمایت میں موثر کردار ادا کیا، امام احمد رضا کی درجنوں علمی و تحقیقی تصانیف کی باضابطہ اشاعت کی۔)

(یہ فہرست مولانا عبد السلام رضوی کے تحقیقی مقالہ ’’عہد رضا میں وابستگان رضا کی صحافتی خدمات‘‘، مشمولہ یادگار رضا ممبئ ۲۰۰۹ء سے لی گئی ہے تفصیل مقالہ میں دیکھیں۔)

ان رسائل و اخبارات نے اسلامی صحافت کو فروغ دیا، برصغیر میں انگریز کے زیر اثر وجود

پانے والے لادینی نظریات کا دنداں شکن جواب دیا۔لیکن افسوس کہ اپنوں کی بے اعتنائی نے ان کی رگوں کو خونِ تازہ فراہم نہیں کیا، ان میں کچھ تو کم مدت میں دم توڑ گئے اور بعض کافی آگے تک پہنچے اور ہندوستان میں اسلامی صحافت کی ایک مثال قائم کر گئے۔اخبار دبدبۂ سکندری میں شایع ایک تحریر میں امام احمد رضا فرماتے ہیں:

’’عوام میں اشاعت خیالات کا سہل تر ذریعہ اخبارات ہیں، بہ استثنا بعض وہ خود آزادی کے دل دادہ ہیں۔ بد مذہبی بلکہ لامذہبی کے خیالات آئے دن شایع ہوں وہ نہ جھگڑا ہے نہ نفسانیت مگر حق کی تائید اور اس کے لیے اپنا کوئی صفحہ دینا جھگڑے میں پڑنا اور نفسانیت پر اڑنا ہے۔‘‘ (کلیات مکاتیب رضا، دوم، ص ۳۴۵)

پیش منظر: کیا آج ہم نہیں دیکھ رہے ہے کہ اخبارات الا ماشاء اللہ کس طرح سے بے راہ روی کا شکار ہیں، اشاعت حق میں بعض ہی مخلص ہیں، اکثر مغربیت، جدیدت، لادینیت اور ماڈرنائزیشن سے مرعوب ہیں، اب تو اردو صحافت بھی شفافیت سے عاری ہوتی جا رہی ہے۔

ضرورت ہے کہ: صحافت کے تمام ذرائع اشاعت حق کی نیت سے بروے کار لائے جائیں، مشہور مقولہ ہے: شراب کہن در جام نو......شراب وہی رہے جو ہمیں اسلاف سے ملی لیکن پیمانے جدید تقاضوں کے اعتبار سے بدلے جاتے رہیں، دائرۂ شرع میں رہ کر صحافت کے میڈیم اشاعت دین و سنیت کے لیے استعمال میں لائیں۔ آج جنگیں میزائل و بم سے لڑی جا رہی ہیں ہم شمشیر و سناں سے اپنا دفاع کریں گے تو مٹا دیے جائیں گے، اس لیے ضروری ہے کہ فروغ اہل سنت کے لیے فکر رضا کی رہ نمائی میں انٹرنیٹ، سٹیلائٹ اور پرنٹ میڈیا کے استعمال سے صالح انقلاب برپا کریں ؏

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا

ضرورت اس بات کی ہے کہ امام احمد رضا کے افکار پر عمل کر کے قوم کی صحیح رہ نمائی اور فکری تربیت کی جائے، ذرائع ابلاغ کا استعمال اسلام کی اشاعت کے لیے کیا جائے تو فکر کے گلستاں میں بہار آ جائے گی اور عقیدہ و ایمان تازہ ہو اٹھیں گے:

رکھتا ہے اب تک مے خانۂ مشرق
وہ مے کہ جس سے روشن ہو ادراک

☆☆☆

تصانیف رضا کی تقسیم

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی
رکن المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

امام احمد رضا کی تصانیف میں جو گہرائی و گیرائی پائی جاتی ہے وہ منفرد ہے، آپ کی ہر ہر تحریر علم و فن کا مرقع اور دلائل و براہین کا گنجینہ ہے۔ اصلاحِ عقائد و اعمال کے سلسلے میں آپ کی کد و کاوش بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ مولانا محمد احمد مصباحی ملک کی عظیم درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ کے پرنسپل ہیں، المجمع الاسلامی کے رکن ہیں، تدبر و حکمت کے ساتھ کام کرنے کے قائل ہیں، خاموش مزاج ہیں لیکن متحرک و فعال ہیں۔ آپ نے پیش نظر تحریر میں تصانیف رضا کا تعارف موضوعات اور اصلاح عقائد و اعمال کے رُخ سے پیش کیا ہے، اور کام کے لیے اہم نکات دیے ہیں جن پر عمل کی ضرورت ہے۔ علامہ مصباحی لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں، آپ کی تحریر بامقصد ہوتی ہے، اور جامع و نتیجہ خیز بھی۔ اس تحریر میں بڑی کام کی باتیں درج کی ہیں ضرورت عمل کی ہے اور توجہ والتفات کی۔ (مرتب)

چودھویں صدی کے مجدد امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ (۱۲۷۲ھ/۱۳۴۰ھ) کی تصنیفات تین اہم حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں جس کی روشنی میں ان کی تجدیدی، اصلاحی اور علمی خدمات کا اجمالی نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔

(۱)..................اصلاح عقائد اور تصحیح نظریات
(۲)............اصلاح اعمال اور تصحیح عادات
(۳)..........علمی افادات اور فنی تحقیقات

قسم اوّل: ظاہر ہے کہ ان میں اول الذکر زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ اسی لیے جب اہل باطل کی طرف سے خلاف اسلام نظریات (مثلاً آریوں، عیسائیوں کے اعتراضات اور قادیانی خیالات) اور گستاخانہ تصورات (مثلاً علماے دیوبند کی طرف سے خداوند قدوس، سید الانبیا و انبیا علیہ وعلیہم التحیۃ والثنا اور اولیاے کرام کی بارگاہوں میں تنقیص و توہین پر مشتمل مواد[۱]) سامنے آئے تو مجدد دین و ملت علیہ

الرحمہ نے انھیں دعوتِ حق پیش کی۔ باطل کو باطل اور حق کو حق ثابت کیا۔ مدعیان اسلام کو توبہ ورجوع کی ترغیب دی اور جب صورت رجوع نہ دیکھی تو ان پر اسلامی فتویٰ جاری کیا۔ جس نے کفر کیا اور توبہ نہ کی اس پر کفر کا فتویٰ لگایا، جو بد مذہبی وگم راہی تک رہا اسے بد مذہب وگم راہ کہا۔ ان مخالف اسلام خیالات و نظریات کے رد اور اسلامی عقائد وافکار کے اثبات میں مفصل ومدلل کتابیں تصنیف کیں۔

اس طرح کی بیش تر کتابیں مجدد اعظم قدس سرہ نے اپنے اہتمام سے اپنی زندگی ہی میں شایع کرائیں تاکہ عام مسلمانوں کا دین وایمان محفوظ رہے۔ اور بلاشبہہ امام احمد رضا کی بروقت تنبیہ وہدایت اور کوشش ومحنت بارآور ہوئی۔ اور اہل اسلام متنبہ ہوئے اور اپنے عقائد وایمان کی حفاظت کر سکے ورنہ بے دینی وبد مذہبی کا تیز وتند سیلاب نہیں معلوم کہاں تک پہنچ جاتا اور کون کون اس کی رو میں بہ نکلتا۔

اس موضوع کی کتابیں بعد میں بھی طبع ہوئی ہیں اور بہت سی اب بھی دست یاب ہیں۔ جنھوں نے نہ دیکھا ہو انھیں چاہیے کہ حاصل کر کے مطالعہ کریں اور اہل باطل کے شر وفساد سے ہوشیار رہیں۔ چند کتابوں کے نام یہاں لکھے جاتے ہیں۔

(۱) اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفیٰ والآل والاصحاب ۱۲۹۸ھ (۲) کیفر کردار آریہ ۱۳۱۶ھ (۳) ببیل مژدہ آرا وکیفر کفرِ ان نصاریٰ ۱۳۲۰ھ (۴) الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم الارحام (۵) السوء والعقاب علی المسیح الکذاب ۱۳۲۰ھ (۶) قہر الدیان علیٰ مرتد بقادیان ۱۳۲۳ھ (۷) قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار ۱۳۱۸ھ (۸) جزاء اللہ عدوہ بِاِبَائِہٖ ختم النبوۃ (۹) سل السیوف الہندیہ علیٰ کفریات بابا النجدیہ (۱۰) تمہید ایمان بآیات قرآن (۱۱) فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین (۱۲) رد الرفضۃ (۱۳) مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید۔

قسم دوم : اس سے متعلق وہ کتابیں ہیں جو مسلمانوں میں پھیلی ہوئی بدعات، ناجائز رسوم، احکام شریعت کی خلاف ورزی اور دین وملت کی طرف سے بے توجہی پر گرفت اور مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت پر مشتمل ہیں۔ اس طرح کی تحریروں کے چند نمونے یہ ہیں:

(۱) اَعالی الافادہ فی تعزیۃ الہند وبیان الشہادۃ...... تعزیہ داری کی خرافات وجہالات کا رد بلیغ۔

(۲) الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیۃ...... سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر مدلل رسالہ۔

(۳) عطایا القدیر فی حکم التصویر...... فوٹو کھنچانے کی حرمت، یوں ہی بزرگوں کی تصویریں بنانے اور گھروں میں لٹکانے کی ممانعت اور اس کی خرابیوں کا مدلل ومفصل بیان۔

(۴) ہادی الناس فی رسومِ الاعراس...... شادیوں کی رسوم بد کا رد اور اہل اسلام کی اصلاح۔

(۵) مروج النجا لخروج النساء...... عورتوں کی بے پردگی اور مردوں کی بے توجہی پر تنبیہ۔ عورتوں کے لیے باہر نکلنے کے جائز مواقع کی تفصیل اور خلاف شرع نکلنے پر ہدایت وموعظت۔

(۶) جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور...... مزارات پر عورتوں کی حاضری سے ممانعت اور دیگر افادات

(۷) لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللُّحیٰ ...... داڑھی رکھنے کے وجوب اور منڈانے یا حد شرع سے کم کرانے کی حرمت پر عبرت انگیز رسالہ۔

(۸) جلی الصوت لنہی الدعوۃ امام الموت...... سوم، چہلم وغیرہ میں فاتحہ کر کے فقرا کو کھلانا صحیح ہے مگر عام دعوت اور اغنیا کی شرکت ممنوع۔

(۹) مشعلۃ الارشاد الیٰ حقوق الاولاد...... اولاد کے حقوق جن سے لوگ عموماً غافل ہیں۔

(۱۰) شرح الحقوق لطرح العقوق...... والدین اور استاذ کے حقوق جن کی خلاف ورزی بلاے عام ہے۔

(۱۱) المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ...... مسلمانوں کی سیاسی کج روی پر تنبیہ اور اسلامی احکام کی توضیح۔

(۱۲) تدبیر فلاح ونجات واصلاح...... مسلمانوں کی معاشی واقتصادی خوش حالی کی تدابیر۔

(۱۳) اعزّ الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکوٰۃ...... زکوٰۃ روک کر نفل صدقات وخیرات کرنے والوں کو سخت تنبیہ

(۱۴) یوں ہی فتاویٰ رضویہ جلد چہارم کتاب الصوم کا وہ فتویٰ جو تراویح کے لیے حفظ قرآن کی تیاری میں مشغول رہ کر روزۂ رمضان چھوڑنے سے متعلق سوال پر لکھا گیا۔

اس میں مجدد اعظم قدس سرہ نے فرمایا: قرآن شفا ہے اور روزہ بہ حکم حدیث باعث صحت۔ نہ تلاوت قرآن روزہ سے مانع ہوسکتی ہے نہ روزہ تلاوت قرآن سے...... پھر بھی اگر کوئی نہ مانے تو تراویح سنت مؤکدہ ہے اور ''خاص اس شخص'' کے لیے ختم قرآن صرف مستحب۔ ایک مستحب کے لیے فرض قطعی چھوڑنا کیوں کر روا ہوگا؟

یہ فتویٰ مفصل ہے اور فرائض وواجبات چھوڑ کر، نفل خیرات یا نفل روزوں اور وظائف واوراد میں مشغول رہنے والوں کے لیے تازیانۂ عبرت اور خزینۂ ہدایت ونصیحت۔

(۱۵) فتاویٰ رضویہ جلد سوم ''القلادۃ المرصعۃ فی نحر الاجوبۃ الاربعۃ'' کا مسئلۂ دوم وسوم۔ کسی نے نماز ظہر کی جماعت چھوڑنے کی ترکیب یہ نکالی تھی کہ مجھے رات کو تہجد کے لیے بیدار ہونا پڑتا ہے اس لیے دوپہر میں قیلولہ ضروری ہے اور قیلولہ چھوڑ کر جماعت ظہر میں شرکت سے فوت تہجد کا خطرہ...... مجدد ملّت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔ جماعت وتہجد دونوں کی بجا آوری ہوسکتی ہے جس کی سات تدبیریں بتائیں۔ پھر فرمایا: اگر کوئی نہ مانے تو تہجد کے لیے جو صرف مستحب یا صرف سنت غیر مؤکدہ ہے جماعت چھوڑنے کی اجازت کیوں کر ہوگی؟ جو بقول اصح واجب اور بقول دیگر سنت مؤکدہ اہم السنن۔ حتیٰ کہ سنت فجر سے بھی اہم اور قریب تر بواجب ہے۔

اس رسالہ میں ہدایت وموعظت کا عجیب انداز ہے جسے دیکھ کر سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوح الغیب اور ان کی خطابت کا زوردار، پُرشکوہ اور دل نشیں اسلوب یاد آتا

ہے۔تارکین جماعت کے لیے یہ رسالہ سامان ہدایت وبصیرت اور درس عبرت ونصیحت ہے۔

(۱۶) موسیقی کی حرمت اور قوالی مع مزامیر کی آفت پر کئی فتوے (جو بنام مسائل سماع مطبوع ہیں)۔

یہ چند تحریریں میں نے بہ طور نمونہ اور اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے بہ طور اشارہ ذکر کردی ہیں۔سب کا تفصیلی ذکر ہوتو ایک کتاب ہوجائے اور تذکرہ نامکمل ہی رہے۔چوں کہ اصلاح عقائد کے بعد اہم کام اصلاح اعمال ہی ہے اس لیے مجدد اسلام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس موضوع کی بھی بہت سی کتابیں اپنی زندگی ہی میں طبع کرائیں جو مسلمانوں کی اصلاح میں بڑی حد تک کارگر ثابت ہوئیں۔ بہت سے اپنے لوگ اس سلسلے کے بعض مواخذوں پر ناراض بھی ہوئے ہوں گے مگر جو صرف خدا اور سول کی خوش نودی کے لیے لکھتا اور بولتا ہو اسے اپنوں اور غیروں کی ناراضی کی کیا فکر؟ وہ تو بلا خوف لومۃ لائم کلمۂ حق بہ آواز بلند اور بہ انداز حسن کہہ سناتا ہے۔کوئی ہدایت پذیر نہ ہوتو یہ اس کی سمجھ کا قصور، اس کے نفس کا فتور اور اس کی عاقبت کا نقصان ہے۔رہ نمائے برحق کا دامن اس کے داغ گناہ سے بری ہے۔ وَاللّٰہُ الھَادِیُ الیٰ سَوَاءِ السَّبِیُل.

قسم سوم: امام احمد رضا قدس سرہ کی فنی تحقیقات ابداع وایجاد تک پہنچی ہوئی ہیں۔آج کے تحقیقی مقالات پر ان کی تمام تحقیقات کو قیاس نہ کرلینا چاہیے۔انھوں نے پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں نادر علمی تحقیقات کے موتی لٹائے ہیں۔علاوہ ازیں تمام کتب متداولہ مثلاً بخاری شریف، مسلم شریف اور دیگر کتب حدیث وتفسیر، کتب فقہ، کتب تاریخ وسیر پر حواشی لکھے ہیں ان کے حواشی بھی ذاتی تحقیقات اور بے مثال شرح کا درجہ رکھتے ہیں جیسا کہ ان کے مطالعہ کرنے والوں کا تجرباتی بیان ہے۔

ضمنی تحقیقات سے اگر صرف نظر کرلیا جائے تو میرے خیال میں اس نوع کی صرف ایک کتاب ''فتاویٰ رضویہ جلد اول'' فاضل بریلوی قدس سرہ کی زندگی میں طبع ہوئی ہے۔اسے صرف فتاویٰ کا مجموعہ نہ سمجھنا چاہیے۔اس میں جو علمی افادات، مسائل کا حل، حسن ترتیب پھر ذیلی مسائل کی جوشان دار فہرست ہے ان سب کو دیکھ کر نگاہ ودل عش عش کرنے پر مجبور ہیں۔آج کے محققین ومصنفین کتاب کے آخر میں ایک فہرست ان شخصیات، بلاد، کتب ورسائل وغیرہ کے ناموں کی دیتے ہیں جو کتاب میں کہیں آئے ہیں۔ان کی خوبی سے مجھے انکار نہیں لیکن یہ کوئی زبردست علمی وفنی کام نہیں۔ معمولی صلاحیت کا شخص بھی کتاب کے آخر میں ایسی فہرست شامل کرسکتا ہے۔لیکن علمی مسائل کی تعیین ایک ایک جملے میں جو جو مسائل ضمناً آجاتے ہیں ان کا انتخاب پھر ابواب وفصول پر ان کی تقسیم، ہر ایک کا فہرست میں الگ الگ بیان بلاشبہہ ایک نادر علمی خدمت ہے۔ میں نے مختلف فنون کی سیکڑوں کتابیں دیکھیں، اعلیٰ مصنفین واصحاب کمال کے کمالات نظر سے گزرے مگر یہ دقیق وعمیق وجلیل کمال پوری وسعت وہمہ گیری کے ساتھ صرف ''فتاویٰ رضویہ جلد اول'' میں نظر آتا ہے۔ یہ صرف فہرست کا کمال ہے جو بے مثال ہے۔

پوری کتاب کے کمالات کا اگر بہت مختصر تذکرہ ہو تو بھی ایک ضخیم کتاب میں بیان ہوسکے گا جس کا یہاں موقع نہیں۔

اہل سنت کا فریضہ ہے کہ تینوں قسم کی تصنیفات کو تحقیق وتزیین کے ساتھ منظر عام پر لائیں اور عقائد واعمال کی اصلاحی خدمت کے ساتھ اہل تحقیق کے دیدہ ودل کی ضیافت کا بھی سامان فراہم کریں۔

اس سلسلے میں پیش رفت ہوچکی ہے مگر کام ابھی بہت باقی ہے۔اخلاص ومحنت اور ایثار وقربانی کے بغیر کسی مقصد کی تکمیل آسان نہیں۔اہل علم اور اہل ثروت دونوں کی مشترکہ توجہ اور جدوجہد سے یہ مسئلہ کسی حد تک حل ہوسکتا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ بہت سے طلبۂ علوم دینیہ خصوصاً طلبۂ اشرفیہ مبارک پور اور دوسرے حوصلہ مندوں نے اپنی بساط کے مطابق خدمات سرانجام دی ہیں۔انہیں اگر اہل ثروت کا حوصلہ افزا تعاون حاصل رہے تو انفرادی طور پر بھی بہت سا کام ہوسکتا ہے۔اگرچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک وسیع و مضبوط علمی ادارہ قائم ہو جو اپنے کثیر افراد کے ذریعہ اس مقصد کی بہ خوبی تکمیل کرسکے۔ جذبات بیدار ہوں اور انسان عمل کے لیے تیار ہو تو راہیں خود بہ خود پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ وہ حضرات جو قوم میں اعتماد حاصل کرچکے ہیں اور معمولی تحریک سے بھی بڑے سے بڑا کام کرسکتے ہیں وہ اگر اس کار اہم کی طرف توجہ دیں تو بہت جلد یہ خلا پورا ہوسکتا ہے۔البتہ اخلاص وایثار اور نفعِ عاجل پر نفعِ آجل کی ترجیح کا جذبہ ضروری ہے۔اور وَاِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہ پر یقین کامل شرط ہے۔ساری باتیں تحریر میں سمیٹنا مشکل ہے۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لِلْخَیْرِ وَھُوَالْمُسْتَعَان وَ عَلَیْہِ التُّکْلَانَ.

حاشیہ: [۱] تفصیل کے لیے ''خون کے آنسو'' از علامہ مشتاق احمد نظامی، ''دعوت فکر'' از مولانا محمد منشا تابش قصوری اور ''المصباح الجدید'' از حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان ملاحظہ ہوں۔(محمد عبدالمبین نعمانی)

سواد اعظم

''سنی وہ ہے جو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اصحابِ کبار اور ائمۂ مجتہدین کے متبع ہیں، یہی سواد اعظم یہی ظاہرین علی الحق یہ ہر بے دین کے کید سے محفوظ رکھنے کے لیے مستعد رہتے ہیں۔انبیا واولیا کی محبت وتوقیر ذکر الٰہی کی کثرت ان کی ایک ظاہر علامت ہے۔''

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی

(فتاویٰ صدرالافاضل، ص ۱۱۷)

فکر رضا کے نئے زاویے، نئے آفاق

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، میرا روڈ ممبئی

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی متحرک وفعال محقق ہیں، وہ لکھتے ہیں، خوب لکھتے ہیں، جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں، ان کی نثر سادہ، سلیس اور رواں دواں ہے، انداز عام فہم ہے، بات دل میں اترتی ہے اور فکر کو اپیل کرتی ہے، اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کے مکاتیب کی علمی حیثیت پر پی ایچ ڈی کیا، اس مسافرت کے درمیان کئی آشیانے تعمیر کیے، کئی روشنی کے مینار نصب کیے، لکھنے والوں کی رہ نمائی کی، کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی...... ۷؍فروری ۲۰۱۰ء کو ممبئی میں امام احمد رضا سیمی نارو کانفرنس کا انعقاد کیا، پروگرام تاریخی رہا، موثر رہا، امین ملت ڈاکٹر سید امین میاں مارہروی نے سرپرستی کی، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ اعظمی نے صدارت فرمائی، دانش وروں نے شرکت کی۔ مقالے پڑھے گئے، سنجیدہ تقریریں ہوئیں، عمدہ مواد پیش کیے گئے، سبھی متاثر ہوئے یوں ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی فکری کاوش، علمی جدوجہد کامیاب ہوئی۔ اور ڈاکٹر موصوف کی شخصیت کا ایک نیا رُخ سامنے آیا...... موصوف کا پیش نظر مقالہ ذہن وفکر کو اپیل کرتا ہے، دعوت غور وخوض دیتا ہے...... ملاحظہ کریں۔ (مرتب)

ہشت پہل شخصیت: علم، عمل، عشق لکھا گیا ہے۔ اس مثلث کا نام امام احمد رضا ہے۔ یہاں علم، عمل، عشق سے جو مراد ہے، اس سے ہٹ کر ایک مثلث اور ہے وہ ہے شخصی گہرائی، فنی گیرائی، فکری رسائی، اب ان کی شخصیت شش جہت بن جاتی ہے۔ اٹھارہویں صدی کیا، انیسویں صدی اور بیسویں صدی کیا، اٹھارہویں صدی سے دو تین صدیوں پہلے تک ایسی شش جہت، ہشت پہل شخصیت کوئی اور نظر نہیں آتی۔ یہ محض ادعا نہیں، حقیقت ہے، ابھی یہ حقیقت، عقیدت کے پردۂ زرنگار میں لپٹی ہوئی ہے۔ یہ پردے اٹھنے چاہئیں، پرتیں نکلنی چاہئیں تب وہ ماہ رو، ماہ وش مکمل رونما ہوگی۔ اس کی آنکھوں کو خیرہ کرنے والی تابشوں کا دنیا جلوہ دیکھے گی۔

پسندیدہ موضوع: لیکن چلمن کی اوٹ سے جو شعائیں پھوٹی ہیں، انصاف والی زبانیں، بے ساختہ وہی باتیں کہتی ہیں جو تمہیدی سطور میں کہی گئی ہیں۔ شواہد کا پیش کرنا طول مبحث کا باعث ہوگا۔ جنھیں دیکھنا ہو وہ ان سات سو کتابوں کو دیکھیں، جو ان کی سیرت کے زاویوں اور افکار کے آفاق پر لکھی گئی ہیں۔ زیادہ نہیں تو کم از کم وہ پچاس پچپن مقالات ضرور مطالعہ کرلیں، جو ایم فل، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ کے تھیسس کے طور پر لکھے گئے ہیں۔ جن پر دنیا بھر کی یونی ورسٹیوں نے ڈگریاں ایوارڈ کی ہیں۔ یہ تحقیقات پچھلے پچیس برسوں کی ہیں۔ اب تو یہ رفتار، رفتار بصر سے بھی زیادہ تیز ہوتی جارہی ہے۔ کیوں کہ عالمی جامعات میں یہی موضوع سب سے زیادہ پسندیدہ موضوع سمجھا جارہا ہے۔

شخصی گہرائی: اسلامی ہند، برطانوی ہند میں جس کے پاس ایک گاؤں ہوتا تھا۔ وہ زمین دار کہلاتا تھا۔ امام احمد رضا کے آبا واجداد کوئی چودہ گاؤں رکھتے تھے۔ مگر امام احمد رضا کی سیرت زمین دارانہ خوبو اور تعیش سے پاک دکھائی دیتی ہے بلکہ وہ زمین داری ہی ترک کرچکے تھے۔ یہی نہیں، ان کے گھریلو، خانگی انتظام بھی ان کے بھائی دیکھا کرتے تھے۔ وہ تارک سلطنت تو نہ تھے کہ سلطنت نہ رکھتے تھے۔ مگر دنیا سے بے نیاز، تارک دنیا ضرور تھے۔ ان کا سارا وقت علمی کام، دینی خدمت، عبادت الٰہی، یادِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں گزرتا تھا۔ خیر خواہ امت اسلامیہ تھے وہ، بہی خواہ ملت مرحومہ تھے وہ۔

زندگی کے شروع حصہ میں اسلامی حکومت تھی، آخر حصہ میں ریاستیں قائم تھیں، نوابین موجود تھے۔ رہی سہی زمین داریاں بھی بہت تھیں۔ کوئی یہ کہہ نہیں سکتا، کسی بادشاہ، کسی نواب، کسی زمین دار سے امام احمد رضا کا دنیاوی رابطہ رہا ہو۔ غوث پاک، غریب نواز، محبوب الٰہی، قطب الدین کاکی، فرید الدین عطار، فرید الدین گنج شکر کی شفاف سیرت میں جو ہمیں استغنا نظر آتا ہے، اقتدار، شاہانِ اقتدار کے تئیں جو للکار سنائی دیتی ہے وہی استغنا امام احمد رضا کی سیرت میں نظر آتا۔ وہی للکار زبانِ رضا سے سنائی دیتی ہے۔ عباسی خلفا نے منصب قضا کی پیشکش کی تھی۔ امام اعظم نے ٹھکرا دی تھی۔ اس کی تازہ مثال دیکھنی ہے تو امام احمد رضا کے یہاں دیکھیے۔ نوابوں کے یہاں جاتے یہ تو دور کی بات ہے۔ وہ آنا چاہتے تو آنے تک نہ دیا۔ نہ صاحب زادوں، شاگردوں کو بھیجا۔ ریاست حیدر آباد کے قاضی القضاۃ کا عہدہ نامنظور کردیا تھا۔ ذرا ان کی سیرت، سوانح کا مطالعہ تو کیجیے۔

کوئی چودہ برس کی عمر میں نماز فرض ہوئی، پھر وقت وصال تک نہ چھوٹی، فرائض تو پڑھتے ہی تھے، تمام نوافل، تمام مستحب نمازیں پڑھ ڈالتے تھے۔ گرمی، بارش، جاڑا، کوئی موسم اثر انداز نہیں ہوتا تھا۔ تمام سنن، مستحبات کی ادائیگی کے ساتھ، ہر نماز اپنے وقت پر پڑھ لی جاتی تھی۔ امام کو مرض بھی خوب لگتا تھا۔ حالتِ مرض میں بھی جماعت سے نماز پڑھتے، تکبیر اولیٰ تک فوت نہ ہو پاتی۔ جب ضعف، نقاہت بڑھ جاتی، چلنے کی سکت باقی نہ رہتی، تو کبھی دو، کبھی چار آدمی کے سہارے مسجد پہنچتے، پھر فرض ادا

کرتے۔فرض کھڑے ہوکر، سنن، نوافل بیٹھ کر پڑھتے۔ اوراد و وظائف بہر صورت پڑھ لیتے۔ درود کا وردتو حرز جاں ہی تھا۔فرض روزے جب سے عائد ہوئے، سفر، حضر بیماری کبھی نہ چھوٹے۔اخیر عمر میں کم زوری زیادہ تھی۔ دن بڑے تھے، شدید گرمی ہوتی، بریلی میں روزہ رکھنا مشکل معلوم ہوتا تو کوہ بھوالی نینی تال چلے جاتے۔ جہاں فضا ٹھنڈ ہوتی، ماحول خوش گوار ہوتا، روزے کے لیے یہ اہتمام ضرور کرتے مگر روزہ چھوڑنا گوارا نہ تھا۔ حج فرض والد کریم کے ہم راہ ادا ہو چکا تھا۔ دوسرا حج اخوان، اولاد، احباب کے ساتھ کیا۔تمام مناسک شرعاً ادا کیے۔

آٹھ برس کی عمر میں قلم پکڑا، نعتیں کہیں، مضامین لکھے، کتابیں تصنیف کیں۔۱۴ ؍برس کی سن ہی میں باقاعدہ فتویٰ دیا وہ بھی علم میراث پر۔ جو علومِ دین میں سخت شعبۂ علم ہے۔ پھر کبھی ان کا قلم رکا نہ تھکا، کوئی شاخِ علم ایسی نہیں جس پر ان کا طائر قلم نہ چہکا ہو، جو موضوع بھی زیرِ بحث آیا پامال تو نہ کہوں گا ''نہال'' ہوکر رہ گیا، ان کا طرۂ امتیاز تو علومِ دینی تھا مگر دنیاوی علوم کو کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں ایجاد و ابداع کی حد تک ان کے جواہر پارے گوہرِ آب دار کی طرح نہ چمکتے ہوں، افتا سے خصوصی شغف تھا۔ لوگ پوچھتے تھے، فتویٰ کی فیس کیا ہے، یہ پوچھنا ان کے تن بدن میں آگ لگا دیتا تھا۔ فرماتے تھے: کمائی کا یہ صیغہ کن کوتاہ لوگوں نے نکالا ہے، خدا کی پناہ، یہاں فتویٰ فیس لے کر نہیں دیا جاتا، آئندہ ایسی بات پوچھنے کی جرأت ہرگز کوئی نہ کرے، یہ تو خدمت دین، خدمت خلق ہے۔ اجر اللہ عطا فرمائے گا۔ ڈاک خرچ بھی خود ہی لگاتے تھے۔ ایسا نہیں کہ دو چار فتوے ہوتے ہوں، اقطار ہند ہی نہیں، اکنافِ عالم سے سوالات کا ہجوم رہتا تھا، یہ تعداد کبھی کبھی چار چار سو، کبھی پانچ پانچ سو تک پہنچ جاتی تھی، اندازا کیجیے، جوابات میں کتنا وقت، ڈاک ٹکٹ پر کتنا پیسہ خرچ ہوتا ہوگا، ایسا پیکر اخلاص مفتی، بے لوث دینی دانش ور، بے مفاد خادمِ شرع چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی شاید ملے۔

عرفانِ ذات کا اتنا گہرا شعور تھا، لگتا ہے شکم مادر سے ہی لے کر پیدا ہوا ہو، ننھی عمر میں روزہ رکھا، یہ روزہ تادیبی تھا، تشریعی نہیں۔ دن ڈھلے کہا گیا، چھپ کر کچھ کھا پی لو، کوئی نہیں دیکھتا، جواب دیا، کوئی نہیں دیکھتا ٹھیک ہے۔ مگر خدا تو دیکھ رہا ہے۔ ارشاد حدیث میں عمل کے جس خلوص کو 'احسان' سے تعبیر کیا ہے، اس احسان کا ادراک ان کو اسی ننھی عمر میں حاصل ہو چکا تھا، بائیس برس کی عمر جو عین شباب کی ہوتی ہے، اس عمر میں رحمت الٰہی کی ورود گاہ، معرفت الٰہی کی آماج گاہ، خانقاہِ عالم پناہ، مارہرہ مطہرہ پہنچے، والدِ کریم ہم راہ تھے، بیعت ہوتے ہی خلافت بھی پائے، خانقاہ کے حاضر باش ذرا چیں بہ جبیں ہوئے تو خادم الاکابر سید شاہ آل رسول نے جواب دیا: یہ وہ طالب و سالک نہیں جسے عبادت و ریاضت، مجاہدہ و مراقبہ کی بھٹی میں تپایا جائے، بسط و قبض کا درس دیا جائے۔ اس کا دل پہلے ہی سے مجلیٰ و مصفیٰ ہے۔ اس کی ذات تپ تپا کر کندن بن چکی ہے، یہ شہادت کسی ایسے ویسے کی نہیں، سراج الہند شاہ عبدالعزیز دہلوی

کے شاگرد ارشد ''خاتم الاکابر'' کی ہے۔ بچپن، جوانی میں، تصوف و سلوک، جذب و کیف، لذت و سرشاری کا جب یہ عالَم تھا تو پھر کہولت، ادھیڑ عمر، ضعف و پیری میں کس عالَم بالا کی وہ سیر کرتے رہے ہوں گے۔ مثل مشہور ہے ''**من عرف نفسه فقد عرف ربه**'' یہ ہے ان کی شخصی گہرائی کی ایک جھلک۔

فنی گیرائی: تقسیم در تقسیم ہوتے ہوئے علوم فنون کی آج جتنی قسمیں بن گئی ہیں، پہلے اتنی قسمیں نہ تھیں، یہ تخصصات کا دور ہے۔ جو ایک شاخِ علم کا شہ سوار ہوتا ہے، دوسری شاخ اس کی دست رس سے باہر ہوتی ہے، پہلے آدمی ہمہ داں، ہفت خواں، ہر فن مولا ہوتا تھا، کثیر علوم و فنون، شاخوں سمیت، تمام جڑیں مٹھی میں ہوتی تھیں، مابعد کے زمانہ میں یہ خصوصیات آپ اپنے رخصت ہو گئیں، اس علمی کساد بازاری میں امام احمد رضا نے آنکھیں کھولیں، علوم و فنون کے میدان میں وہ فنی گیرائی حاصل کی کہ علوم و فنون کی ساری دنیا تماشائی بن کر رہ گئی، اس خداداد امتیاز کا اعتراف ان کے ''حلیف'' اور ''حریف'' دونوں کو ہے۔ زیادہ نہیں صرف تین ہی کتاب پڑھ لیجیے، صداقت کی آنکھ سے محسوس کیجیے، حقیقت کے رخِ تاباں کا نظارہ کیجیے، نام ہے ''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں''، ''گویا دبستاں کھل گیا''، ''امام احمد رضا: ارباب علم و دانش کی نظر میں'' (تینوں کتابیں مطبوع ہیں پہلی و دوسری پروفیسر محمد مسعود احمد کی ہے اور آخر الذکر مولانا یٰسٓ اختر مصباحی کی-مرتب)

علوم قرآن، علوم تفسیر، اصول تفسیر میں ایک تو ان کا ترجمۂ قرآن کنز الایمان ہے، دوسرے کئی رسالہ جات کئی دراسات اور بھی ہیں۔ کوئی رسالہ، کوئی دراسہ، اٹھا کر دیکھ لیجیے، پرانے علوم، پرانے افکار، پرانی اسالیب، پرانی مناہج و مناہیل، پرانی مطالب و مفاہم کا وہ شافی چشمہ ملے گا جو کہیں اور نہیں ملے گا، اگر صحرا سر کرنے کی ہمت نہیں تو ایک ہی دفعہ صحیح ''کنز الایمان'' دیکھ لیجیے، ایمان ہی تازہ ہو جائے گا۔ بہار آشنا ہو جائے گا۔ کنز الایمان کے معاصر دیگر تراجم بھی ہیں، یہ سب بھی دیکھیے، مثلاً مولانا محمود حسن نے کیا ہے، مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا ہے، ڈپٹی نذیر احمد نے کیا ہے، اخیر میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے کیا ہے۔ ان کے تراجم پڑھیے، پھر کنز الایمان سے موازنہ کیجیے، مگر جذبات سے نہیں ٹھنڈے دل اور نگاہِ انصاف سے کیجیے، تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ یہ نہ کہیں ''رحمتِ الٰہی کی برسات میں بھیگ کر خاص توفیق خدا کی چھاؤں میں بیٹھ کر امام احمد رضا نے ترجمہ کیا ہے۔'' شرعی اصول و آداب کا لحاظ، مقامِ توحید و رسالت کا پاس، زبان و بیان کی نفاست، اسالیب و مناہج کی لطافت جو کنز الایمان میں ہے مذکورہ معاصر تراجم اس وصف سے خالی ہیں، ازہر یونی ورسٹی مصر کے استاذ اہلِ حدیث کے نام ور عالم ڈاکٹر حسین الوائی؛ جماعت اسلامی پاکستان کے سابق صدر مولانا کوثر نیازی نے جب مطالعہ کیا تو یہی ری مارک دیا جو چھپ چکا ہے۔

علومِ حدیث، اصولِ حدیث میں ان کی پچاسوں کتابیں ہیں، پچاسوں رسالے ہیں۔ صحاح سنن، مسانید، معاجم، اطراف، ہمالی، مستدرکات، شروحات احادیث میں ارشاد حدیث کے جو مباحث، تشریحات، نکات متفرق طور پر نظر آئیں گے، یہ تمام کچھ آپ ان کے یہاں یک جا پالیں گے۔ ارض الحدیث، حجاز مقدس کے علما، مشائخ، محدثین نے جب دیکھا تو یہی کہا، اور تڑپ کر لکھ دیا ''امام احمد رضا رئس المحدثین'' ہیں۔ جامع الاحادیث کی دس جلدیں (از مولانا حنیف خاں رضوی بریلوی) امام احمد رضا اور علم حدیث (از مولانا محمد عیسیٰ رضوی) کی تین جلدیں پڑھنے میں زحمت ہو، تو آپ براہ راست ان کی کتاب ''الفضل الموہبی، منیر العین، الہاد الکاف فی حکم الضعاف، شمائم العنبر کا مطالعہ کر لیجیے، یقین ہو جائے گا، آنکھیں کھل جائیں گی، پھر آپ علماے حرمین کے ہم زبان ہو جائیں گے۔ یارانِ حسد پیشہ کی باتوں پر دھیان نہ دیجیے، کتابیں مارکیٹ میں دست یاب ہیں، وقت نکال کر پڑھیے تو صحیح، حقیقت کیا ہے، سراب کیا ہے، ذرا چھان پھٹک تو کیجیے۔ علوم فقہِ، اصولِ فقہ یہ ان کا خاص میدان تھا۔ فتاویٰ کا مجموعہ ''العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ'' جدید تیس جلدوں میں ہے۔ یہ ایک کتاب ہی نہیں، یہ ایک فقہی انسائیکلو پیڈیا ہی نہیں، تمام قدیم وجدید انسائیکلو پیڈیا کا جامع بھی ہے، جس میں تمام نئے پرانے، مجموعۂ فتاویٰ کا رس تو ہے ہی، بہت کچھ وہ ہے جو فتاویٰ رضویہ ہی کا خاصہ ہے۔ جس نے بھی دیکھا دانتوں تلے انگلی دبا کر بیٹھا رہا۔ آج یہ تمام مکاتبِ فکر کے دارالافتا، تمام فقہی سیمی نار کی ضرورت ہے۔ شدید مخالف کی جب گاڑی پھنستی ہے تو برملا کہتے ہیں۔ اب 'خان صاحب' کو لاؤ یعنی فتاویٰ رضویہ دیکھو، یہاں ایک مثال بس ہوگی۔ خان پور بہاول پور پاکستان کے مفتی سراج احمد خاں گروہ دیوبند کے جید عالم وفقیہ مانے جاتے تھے، مسئلہ میراث پر کتاب لکھ رہے تھے، باب المناسخہ میں اٹک گئے، تمام دنیاے دیوبندیت کو چھان مارا، کہیں بھی حل نہ نکل سکا۔ امام احمد رضا سے رجوع کیا ذہن کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ یہ دیکھ کر مفتی سراج احمد نہ صرف علماً گرویدہ ہو گئے، دیوبندیت سے تائب ہو کر اعتقاداً بھی فریفتہ ہو گئے۔

فقہی روشن ضمیری اس کا تو کئی صدیوں میں جواب ہی نہیں، چند نظائر ملاحظہ کیجیے: ۱۸۸۴ء میں علماے دیوبند نے گائے کی قربانی ناجائز کہا تھا، امام احمد رضا نے جائز کہا تھا، شاہ اسماعیل دہلوی نے خدا کا جھوٹ بولنا ممکن لکھا تھا، جس کی تائید علماے دیوبند نے ۱۸۹۰ء میں کی تھی۔ علامہ فضل حق خیر آبادی اور امام احمد رضا نے ناممکن بتایا تھا۔ ۱۸۹۴ء میں حلقۂ دیوبند کے سرحلقہ، مولانا رشید احمد گنگوہی نے ڈاک خانہ کے نظام کو ناجائز لکھا تھا، امام احمد رضا نے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں مولانا گنگوہی نے عید میں معانقہ کو ناجائز بتایا تھا۔ امام احمد رضا نے جائز کہا تھا۔ ۱۹۰۲ء میں مولانا (گنگوہی) نے کوّا کھانا حلال لکھا تھا، امام احمد رضا نے حرام کہا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں مولانا گنگوہی نے نوٹ کو چیک بتایا تھا،

امام احمد رضا نے ثمن اصطلاحی، مالِ متقوم کہا تھا۔ ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی نے چیک ہی کہا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں علماے فرنگی محل، علماے دیوبند نے مسجد کی وقف زمین پر، سڑک بنانے کا فتویٰ دیا تھا، امام احمد رضا نے نہ بنانے کا فتویٰ دیا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں حلقۂ دیوبند کے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے شاگرد مولانا حسن نظامی ثانی نے مشائخ کے لیے سجدۂ تعظیمی جائز کہا تھا، امام احمد رضا نے ناجائز لکھا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں علماے دیوبند نے ہندوستان کو دارالحرب کہا تھا، دیوبند کے شیخ الہند مولانا محمود حسن اور بہ قول بعض امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد دارالحرب پر دھڑا دھڑ فتوے دے رہے تھے۔ دھواں دھار تقریریں کر رہے تھے، مگر اس طوفانی، ہیجانی حالات میں امام احمد رضا نے ہندوستان کو دارالاسلام کہا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں تمام علماے دیوبند، زعماے ملت مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں ڈیرا ڈالے بھوک ہڑتال پر بیٹھے تھے۔ یونی ورسٹی بند کرنے کے لیے شدید احتجاج کر رہے تھے۔ یہ امام احمد رضا کی ذات تھی جو اس شدید احتجاج کے خلاف فیصلہ صادر کر رہی تھی۔

اب یہاں دعوت فکر دینے کی اجازت چاہوں گا۔ معذرت کے ساتھ گزارش ہے، کیا آج پیروانِ گنگوہ ودیوبند نظامِ ڈاک خانہ کی مخالفت کر سکتے ہیں۔ عید کے موقع پر کیا وہ معانقہ نہیں کرتے، کیا وہ برسرِ عام کوّا کھا کر بتا سکتے ہیں، چھپ کر کھائیں تو الگ بات ہے۔ کیا وہ آج کرنسی نوٹ کو چیک کہنے کی جرأت کر سکیں گے، کیا ان کو بل بوتا ہے جو آج ہندوستان کو دارالحرب کہہ دیں، کیا وہ علی گڑھ کے معاملے میں اپنے اکابر کے فتوے پر اٹل رہ سکے، کیا وہ آج گائے کی قربانی نہیں کرتے، کیا آج بھی وہ خدا کے جھوٹ کو ممکن بتاتے ہیں، ان تمام امور ومعاملات میں پیروانِ دیوبند وگنگوہ، ندوہ وعلی گڑھ امام احمد رضا کے شرعی فیصلوں پر خاموش عمل کر رہے ہیں، اگر نہ کریں تو ہندوستان میں ان کا جینا دوبھر ہو جائے۔ تو جب بات وہی سچ ہے جو امام احمد رضا نے کہی تھی تو اب ہر انصاف پسند مسلمان کو ان سے مطالبہ کرنا چاہیے، جب وہ ان ساری باتوں کو مان ہی رہے ہیں تو اس اعتراض کو بھی مان لیجیے، جو انھوں نے علماے دیوبند کی شرعاً، فقہً، کلاماً قابل گرفت عبارتوں پر کیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا ہے، تو اسلامی ہند کے درمیان اتفاق کی راہ آنِ واحد میں ہموار ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

امام احمد رضا کی ردیفیں

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، بریلی شریف

پابند نظم کے علاوہ اردو کے مروجہ اصناف سخن میں قافیہ لازمی ہے لیکن ردیف کا لانا لازمی نہیں تاہم ردیف کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اردو کے بڑے شعرا مثلاً میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ وغیرہ نے اپنی ردیفوں کے ذریعے اپنے شعری اسلوب کے متنوع پہلوؤں کا نظارہ کرایا ہے اور ردیفوں ہی کے توسط سے اشعار کو جہانِ معنی کا سیر کرایا ہے اور خود ردیفوں کو بھی معنی کی نئی جہات دی ہیں۔

ردیف کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جس نظم میں اس کا التزام ہوتا ہے، اس نظم کے ہر شعر میں پنہاں مضمون کی ادائیگی ردیف پر ہی منحصر ہوتی ہے اور ایسے ہی موقع پر شاعر کی صلاحیت اور اس کے اسلوب کی خوبی کا پتا چلتا ہے۔ ردیفیں مختصر اور طویل دونوں طرح کی ہوتی ہیں اور یہ شاعر کی شعری حرکیت پر منحصر ہے کہ وہ کب ایک لفظی ردیف سے شعر کو بلاغت اور نزاکت فکر کا نمونہ بنا دیتا ہے یا طویل ردیف کا سہارا لے کر معنویت کی تہ داری کا نمونہ پیش کرتا ہے۔

امام احمد رضا نے جہاں مشکل اور تنگ قوافی کے باوجود شعری زمین کو پانی کر دیا ہے، وہیں مشکل اور آسان نیز مختصر اور طویل ہر طرح کی ردیفوں کو برت کر سخت زمینوں میں اشعار کے رنگا رنگ پھول کھلائے ہیں۔

امام احمد رضا کے ردیفوں کی الگ الگ خوبیاں ہیں۔ کوئی کوئی ردیف بجائے خود موضوع بن گئی ہے۔ مثلاً ''نور کا، عرب، عارض، گیسو، ہاتھ میں، ایڑیاں، تم پہ کروروں درود، پہ لاکھوں سلام، ہمارا نبی'' وغیرہ کی ردیفیں۔

ردیف ''نور کا'' کی وجہ سے پوری غزل ''قصیدۂ نور'' کے نام سے موسوم ہوگئی ہے۔ اسی طرح ردیف ''تم پہ کروروں درود''، ردیف ''پہ لاکھوں سلام'' کی وجہ سے یہ دونوں منظومات ''قصیدۂ درودیہ'' اور ''قصیدۂ سلامیہ'' کے نام سے شہرت پاگئے۔ ردیف ''عرب، گیسو، عارض'' وغیرہ کو موضوع بنا کر انھیں پر امام احمد رضا نے بھانت بھانت کے حسین وبلیغ شعر نکالے ہیں اور ہر شعر کے ساتھ ہر ردیف کو بھی معنویت کا پیکر بنا دیا ہے۔

قصیدۂ سلامیہ اور قصیدۂ درودیہ پر تو علما، ناقدین ادب اور شارحین کلام رضاؔ نے بہت کچھ لکھا ہے لہٰذا ان منظومات کی ردیفوں پر نیز ردیف ''ہمارا نبی'' پر کسی جائزے یا مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں

البتہ دیگر موضوعاتی ردیفوں اور ان کے علاوہ چند دوسری ردیفوں کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے گا۔

(۱) ردیف ''عرب'': اس ردیف پر امام احمد رضا کی دو نعتیں ہیں۔

پہلی نعت کا مطلع ہے:

تاب مرأت سحر گرد بیابان عرب
غازہ روئے قمر دودِ چراغان عرب

زیر نظر نعت میں عرب کے بیاباں کے گرد، چراغوں کے دھوئیں، چمنستاں کی بہار، گل وریحان، خار، برسات وغیرہ کا بہت ہی والہانہ انداز میں حسین بیان کیا گیا ہے۔

اس نعت کے مندرجہ ذیل دو اشعار خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہیں:

عرش سے مژدۂ بلقیس شفاعت لایا
طائر سدرہ نشیں، مرغ سلیمان عرب
کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یاں بوئے قمیص
یوسفستاں ہے ہر اک گوشۂ کنعان عرب

دونوں اشعار میں تراکیب کی ندرت وجمال، استعارہ سازی کا کمال اور تلمیح کی رعنائی قابل دید ہیں، ''یوسفستان'' کی ترکیب تو آپ اپنی مثال ہے۔ اس ردیف ''عرب'' سے دوسری نعت کا مطلع ہے:

پھر اٹھا ولولۂ یاد مغیلان عرب
پھر کھنچا دامن دل سوئے بیابان عرب

زیر نظر نعت میں امام احمد رضا نے عرب کی مقدس ومحترم زمین کی یاد میں اپنی بے قراری اور وہاں سے دوری پر اپنے دکھ درد کا بہت ہی والہانہ انداز میں بیان پیش کیا ہے اور یہ محض شاعری نہیں بلکہ وارداتِ قلبی کو شعری پیکر میں ڈھالا گیا ہے۔

اس نعت میں عرب کی شان اور عظمت وتقدیس بلکہ جانِ جہان وجانِ ایمان حضور نبی ذی شان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جس وارفتگی کے ساتھ امام احمد رضا نے وابستگی کا اظہار کیا ہے اس میں ردیف ''عرب'' نے حسن بھر دیا ہے اور ہر ہر شعر کو معانی کے امصارِ حسین کی سیر کرائی ہے۔

(۲) ردیف ''عارض'': یہ ردیف بہ ذات خود نعت کا موضوع ہے۔ عارض ہی کی مناسبت سے امام احمد رضا نے ایک سے بڑھ کر ایک نازک، حسین، لطیف، پرفکر اور بلیغ شعر نکالے ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عارض مبارک کے حسین وتابناک جلوے دکھائے ہیں۔ مطلع ہے:

نارِ دوزخ کو چمن کردے بہار عارض
ظلمت حشر کو دن کردے نہار عارض

نزاکت فکر پر مبنی یہ شعر دیکھیے:

جیسے قرآں ہے ورد اس گل محبوبی کا
یوں ہی قرآں کا وظیفہ ہے وقارِ عارض

اب مندرجہ ذیل شعر میں تشبیہ کی تازہ کاری، صنعت لف ونشر غیر مرتب کا حسن، رنگ و روشنی کا تصور اور امیجری کا کمال دیکھیے:

مشک بو زلف سے رخ، چہرہ سے بالوں میں شعاع
معجزہ ہے حلب زلف و تارِ عارض

(۳) ردیف ''گیسو'': یہ ردیف بھی بہ ذات خود نعت پاک کا موضوع ہے۔ زیر نظر نعت ایک شاہ کار نعتیہ غزل ہے۔ جان جاناں و جانِ جہاناں شہ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گیسوئے واللیل کی جناب رضا نے نزاکت خیالات و معانی اور والہانہ محبت سے متنوع انداز میں توصیف کی ہے:

چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکن ناز پہ وارے گیسو
ہم سیاہ کاروں پہ یا رب تپش محشر میں
سایہ افگن ہوں ترے پیارے کے پیارے گیسو
سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمھارے گیسو

یہ زمین ردیف کی ثقالت کی وجہ سے ایسی بنجر ہے کہ اس میں رنگ برنگ کے اشعار کے پھول کھلانا ممکن نہیں! اس کے باوجود بھی حضرت رضا نے اپنی شعری حرکیت اور جذبہ کے التہاب سے اس زمین میں بھی اشعار کے شگفتہ پھول کھلائے ہیں:

دیکھو قرآں میں شب قدر ہے تا مطلع فجر
یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو
بھینی خوش بو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ
کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمھارے گیسو

(۴) ردیف ''ایڑیاں'': یہ ردیف بھی خود بہ خود نعت کا موضوع بن گئی ہے۔ رب عظیم کے حبیب اکبر اور اپنے نام دار آقا علیہ الصلاۃ والسلام کی ایڑیوں کی تعریف امام احمد رضا نے متنوع انداز میں کی ہے۔ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایڑیوں کو بھی آپ نے شمس و قمر کی عارض سے تشبیہ دی ہے۔ ایڑیوں میں شامل تلووں، پنجوں اور ناخنوں کو چاند، سورج اور ہلال سے تشبیہ دی ہے اور ایڑیوں کو دو ستارے کہا

ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

دو قمر، دو پنجۂ خور، دو ستارے، دس ہلال
ان کے تلوے، پنجے، ناخن، پائے اطہر ایڑیاں

حسن تلمیح کے ساتھ دو بلیغ اشعار اور بھی دیکھیے:

ہائے اس پتھر سے اس سینے کی قسمت پھوڑیے
بے تکلف جس کے دل میں کریں گھر ایڑیاں
چرخ پر چڑھتے ہی چاندی میں سیاہی آ گئی
کر چکی ہیں بدر کو ٹکسال باہر ایڑیاں

دل میں گھر کرنا اور ٹکسال باہر ہونا محاورے ہیں۔ پہلے شعر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس معجزہ کی جانب اشارہ ہے کہ پتھر پر آپ پائے اقدس رکھتے تھے تو وہ موم ہو جاتا تھا۔

(۵) ردیف ''ہاتھ میں'': اب تک پیش کی گئی تمام ردیفوں سے یہ ردیف زیادہ مشکل ہے لیکن اسے بھی امام احمد رضا نے اپنی شعری حرکیت اور جذبے کے التہاب سے پانی کر دیا ہے۔ مطلع ملاحظہ کیجیے:

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

ردیف ''ہاتھ میں'' شیریں مقالی باندھنا جناب رضا کا کمال فن ہے۔ ایسی مثال اردو کی کسی بھی نوع کی شاعری میں نہیں ملتی ہے۔ اس مطلع میں امام احمد رضا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ معجزہ پیش کیا ہے جب کنکروں نے ابوجہل کے ہاتھ میں آپ کا کلمہ پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

اس ردیف کے حوالے سے امام احمد رضا نے مختار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سخاوت، کریمی، جمالی و جلالی شان، شفاعت وغیرہ کے حقیقت پسندانہ بیان کے ساتھ اور پھر اس حوالے سے سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحابۂ کرام کے والہانہ عشق و عقیدت اور وفا کیشی، حسنین کریمین کی دست گیری نیز اپنی وارفتگی محبت کا بھی اظہار کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے اور دیکھیے کہ حضرت رضا نے اس ردیف کے توسط سے رمزیت میں وضاحت، وضاحت میں رمزیت اور تیقن و استدلال کے جلوے دکھائے ہیں اور اس طرح اپنے پیرایۂ بیان کے متنوع زاویے بھی اجاگر کیے ہیں:

کیا لکیروں میں ید اللہ خط سرو آسا لکھا
راہ یوں راز لکھنے کی نکالی ہاتھ میں
ابر نیساں مومنوں کو، تیغ عریاں کفر پر
جمع ہیں شانِ جمالی و جلالی ہاتھ میں

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

ردیف ''ہاتھ میں'' کے ساتھ لایزالی، نکالی، جمالی، جلالی، بے مثالی، مقالی وغیرہ قوافی باندھ کر حسین و بلیغ اور صداقت سے پر اشعار پیش کرنا خامۂ رضؔا کا کمال ہے۔

(۶) ردیف ''واہ واہ'': یعنی سبحان اللہ، الحمد للہ کے تحسینی الفاظ اور جب ''واہ واہ'' کے ساتھ مدح وثنا کی جائے تو ظاہر ہے کہ ممدوح کی عظمت اور بے مثالی وغیرہ کا بیان کیا جائے گا اور جب ممدوح ایسا عظیم و بے نظیر ہو کہ بس ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' تو ظاہر ہے واہ واہ کے ساتھ ہر ادائے بے مثالی پر سبحان اللہ کہہ کر لوٹ جانے، فدا ہو جانے کا وہ حسین انداز سامنے آئے گا جو شاعر کے طرزِ ادا کی طرح داری کا اعلیٰ نمونہ ہوگا۔

واہ واہ بہت ہی شگفتہ ردیف ہے اور ''ہ'' کی ہکاریت والے لفظ سے خود صوتی آہنگ نمایاں ہے اور اگر اس کے ساتھ مسلسل اور سفیری آوازوں والے یا دوسرے مصوتوں والے قوافی بھی پیوست ہو جاتے ہیں تو آہنگ کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ مطلع ملاحظہ ہو:

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمھاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیز گاری واہ واہ

زیر نظر نعت میں حضرت رضؔا نے سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت، حسن بے مثال، امت سے محبت، سخاوت، مدینہ امینہ کی بہار، روضۂ اقدس کے نور وغیرہ کا بہت ہی والہانہ اور شاعرانہ بیان کیا ہے۔ آپ نے نفس کا محاسبا بھی کیا ہے۔ زیر نظر نعت کے ہر شعر کے حسن و خوبی پر قاری واہ واہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

خامۂ قدرت کا حسن دست کاری واہ واہ
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ واہ
انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ
نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ
اٹھتی ہے کس شان سے گرد سواری واہ واہ
کیا مدینہ سے صبا آئی کہ پھولوں میں ہے آج
کچھ نئی بو بھینی بھینی پیاری پیاری واہ واہ
اس طرف روضہ کا نور، اس سمت منبر کی بہار
بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ

مندرجہ بالا اشعار میں صوتی آہنگ، شگفتگی، طراوت وغیرہ ظاہر ہیں اور محاکات، استعارہ بالکنایہ، اور تلمیح وغیرہ کی خوب صورتی بھی عیاں ہے۔

(۷) ردیف ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'': ردیف طویل ہے۔ امام احمد رضا نے اور بھی طویل ردیفوں جیسے ''تم پہ کروروں درود''، ''پہ لاکھوں سلام'' وغیرہ کو برتا ہے۔ آپ نے طویل ردیفوں کو نئی معنویت دی ہے۔ زیر نظر ردیف نے نعت پاک کو ایک مکمل تجربے میں بدل دیا ہے۔ یہ نعت الگ الگ شعروں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک وحدت ایک اکائی بن گئی ہے۔ یہ ردیف استفہام کے پیراہن میں ملبوس استفہام کی مختلف نوعیتوں، تشکیک، تجسس، تیقن اور استدلال وغیرہ کے جلوے پیش کرتی ہے۔ امام احمد رضا کے لب ولہجہ کا یہ انداز اس ردیف کے برتاؤ سے ان کی انفرادیت کا اظہار کرتا ہے، اور اس سے ان کی شعری عظمت واضح ہو جاتی ہے۔ نعت پاک کا مطلع ہے:

رخ دن ہے یا مہر سما، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف ہے یا مشک ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

حضرت امام احمد رضا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخ پاک کی توصیف کرتے ہوئے سوچتے ہیں کہ اسے دن کہیں یا مہر سما۔ اسی طرح زلف معنبر کی مدح میں غور کرتے ہیں کہ اسے شب کہیں یا مشک ختا۔ اس طرح تشکیک میں مبتلا ہو کر خود کو لاجواب کر دیتے ہیں کہ جانِ جہاں علیہ السلام کے لاجواب رخ و زلف کے لیے کوئی بھی تشبیہ درست ہی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ان کا جواب ہے۔

رفعنا لک ذکرک والے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان عظمت کے اظہار کا انداز مندرجہ ذیل اشعار میں دیکھیے:

ممکن میں یہ قدرت کہاں، واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبد الٰہ اور عالم امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سرِّ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

پہلے شعر میں رضؔا خود سے سوال کرتے ہیں اور گرداب تجسس سے نکل کر ساحل تیقن پر آن کھڑے ہوتے ہیں جو دوسرے سے واضح ہے اور ردیف ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کا جو سلسلہ شعر اول سے شروع ہوتا ہے وہ شعر دوم میں پہنچ کر خود ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کو ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کر کے تیقن کا جلوہ پیش کر دیتا ہے۔

اب ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کے پردۂ تشکیک میں حضرت رضؔا ردیف کو جہانِ معنی کی سیر کراتے ہوئے استدلال اور تیقن کے روپ میں پیش فرماتے ہیں:

خورشید تھا کس زور پر، کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
ڈر تھا کہ عصیاں کی سزا اب ہوگی یا روز جزا
دی ان کی رحمت نے صدا یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں

(۸) ردیف ''یوں'': یوں سے یہ مطلب بہ دیہی ہے کہ یہ کیوں کا جواب ہے۔ کیوں میں استفہام ہے اور یوں میں تیقن اور اس کے لیے استدلال ضروری ہے۔ امام احمد رضاؔ نے ''یوں'' کی ردیف میں جو نعت پاک کہی ہے اسی ردیف میں غالبؔ کی ایک غزل ہے۔ یہاں غالبؔ اور رضا کا کوئی موازنہ مقصود نہیں بلکہ بتلانا صرف یہ ہے کہ جس ردیف یا جن ردیفوں کو برت کر غالبؔ یا اور دوسرے شعرا نے اپنے طرز ادا کے نئے جلوے دکھائے ہیں اور اپنی شاعرانہ عظمت تسلیم کرائی ہے، حضرت رضاؔ نے بھی انھیں ردیفوں کو برت کر اپنے اسلوب کی انفرادیت ظاہر کی ہے:

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

اس مطلع میں امام احمد رضاؔ نے معنی آفرینی کی انتہا کر دی ہے۔ مصرع اولیٰ میں استفہامیہ انداز نیز یوں کی تکرار سے رمزیت میں وضاحت اور وضاحت میں رمزیت کی جو حسین اور شعری فضا قائم کی ہے اس نے بلا کی معنی آفرینی برقرار رکھی ہے اور یہی شعری حسن ہے جس کا کمال ردیف یوں کے ساتھ جناب رضاؔ نے پیش فرمایا ہے۔ اسی زمین میں غالبؔ کا یہ شعر دیکھیے:

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

غالبؔ کی مضمون آفرینی میں کوئی کلام نہیں لیکن فحش بیانی بہر حال موجود ہے حالاں کہ غزل میں اس کو مستحسن قرار دیا جاتا ہے۔ اب تطہیر کے پیراہن حریری میں ملبوس امام احمد رضاؔ کا یہ شعر دیکھیے اور معیار ومنہاج کے پیش نظر فیصلہ دیجیے:

میں نے کہا کہ جلوۂ اصل میں کس طرح گمیں
صبح نے نور مہر میں مٹ کے دکھا دیا کہ یوں

تلمیح کے وقار، مضمون آفرینی کی بہار، والہانہ بیانی اور شگفتگی کی جلوہ سامانی کے ساتھ ردیف ''یوں'' کو بخشی ہوئی معنویت مندرجہ ذیل اشعار میں ملاحظہ کیجیے:

قصر دنیٰ کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں
روح قدس سے پوچھیے تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں

دل کو دے نور و داغ عشق پھر میں فدا دو نیم کر
مانا ہے سن کے شق ماہ آنکھوں سے اب دکھا کہ یوں
دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور
اے میں فدا لگا کر ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

استفہامیہ انداز والی ردیفیں

(۹) (الف) ردیف ''کیوں'': اس ردیف میں امام احمد رضا کی دو نعتیہ غزلیں ہیں۔ دونوں کے قوافی الگ الگ ہیں۔ غالبؔ اور داغؔ کی بھی اسی زمین میں ردیف ''کیوں'' کے ساتھ غزلیں ہیں۔ حضرت رضاؔ کی پہلی نعت کا مطلع ہے:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

کالی داس گپتا رضاؔ نے غالبؔ اور رضاؔ کے موازنہ میں دونوں کے اشعار پیش کیے ہیں:

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں (غالبؔ)
پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں (رضاؔ)

اس موازنہ میں کالی داس گپتا لکھتے ہیں: نعت اور غزل کو یک جا کرنا اس کو کہتے ہیں۔ (سہو وسراغ)

کالی داس گپتا کی تحریر اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ معانی کے ساتھ طرز ادا کا بانک پن رضا کے ہاں بہ درجۂ اتم موجود ہے۔ اس لیے کہ نعت میں ایسا غزلیہ انداز پیش کرنا کہ تقدیس نعت متاثر نہ ہو فن کاری کا کمال ہے۔

علامہ شمسؔ بریلوی نے بھی اسی زمین کے غالبؔ اور رضاؔ کے ایک شعر کا موازنہ کیا ہے۔ علامہ موصوف رضاؔ کا یہ شعر:

یاد حضور کی قسم، غفلت عیش ہے ستم
خوب ہیں قید غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں

لکھ کر کہتے ہیں کہ اس رجائیت کے مقابل ذرا غالبؔ کی قنوطیت ملاحظہ ہو:

اصل حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

علامہ شمسؔ ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ اللہ! حضرت رضا قدس سرہٗ نے قید غم کو کس طرح عزیز

ثابت کیا ہے اور کیا ہی لطیف معنی پیدا کیے ہیں۔''

امام احمد رضا نے استفہام کی مختلف نوعیتوں ''تجسس، تشکیک، تیقن'' وغیرہ کے انداز پیش فرما کر ردیف ''کیوں'' کو کئی معنویت سے ہم کنار کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

گرد ملال اگر دھلے ، دل کی کلی اگر کھلے
برق سے آنکھ کیوں جلے، رونے پہ مسکرائے کیوں
جانِ سفر نصیب کو کس نے کہا مزے سے سو
کھٹکا اگر سحر کا ہو، شام سے موت آئے کیوں
جان ہے عشق مصطفیٰ ، روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ، ناز دوا اٹھائے کیوں
یادِ وطن ستم کیا ، دشت حرم سے لائی کیوں
بیٹھے بٹھائے بدنصیب سر پہ بلا اٹھائی کیوں

مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے کہ جناب رضا نے ردیف کو کس طرح نئی معنویت سے ہم کنار کیا ہے اور فدائیت کے شباب کو ضم کر دیا ہے:

نام مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم خلد
سوزش غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں
کس کی نگاہ کی حیا پھرتی ہے میری آنکھ میں
نرگس مست ناز نے مجھ سے نظر چرائی کیوں
ہو نہ ہو آج کچھ مرا ذکر حضور میں ہوا
ورنہ مری طرف خوشی دیکھ کے مسکرائی کیوں

(ب) ردیف ''کیا ہے'': تحیر و استعجاب شاعر کے غور و فکر کا نتیجہ ہے لیکن امام احمد رضا کا تحیر و استعجاب اپنے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے کسی تشکیک میں مبتلا نہیں کرتا، بلکہ تیقن عطا کرتا ہے اور یہ دھوپ چھاؤں رمزیت میں وضاحت اور وضاحت میں رمزیت کے جلوے دکھاتا ہے۔ نعت کا مطلع دیکھیے:

کس کے جلوے کی جھلک ہے، یہ اجالا کیا ہے
ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے

یہ مطلع آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثالی کا حسین اظہار ہے۔

ساری مخلوق خداوندی کو معلوم ہے کہ یہ اجالا کس کا برپا کیا ہوا ہے۔ رضا اس استعجاب سے آقا کی بے نظیری دیکھ کر واہ واہ کر رہے ہیں اور دنیا والوں کو ان کی یکتائی دکھا رہے ہیں۔

مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ کیجیے۔ استفہام کے پردے میں تیقن کا بھرپور نظارہ کراتے ہیں:

مانگ من مانتی منھ مانگی مرادیں لے گا
نہ یہاں ''نا'' ہے نہ منگتا سے یہ کہنا ''کیا ہے''

حضرت رضا کے ہاں قنوطیت کا گزر ہی نہیں۔ یہاں استفہامیہ کلمات یاس و تاسف کی غمازی نہیں کرتے بلکہ ان سے رجائیت اور سرخوشی کا اظہار ہوتا ہے۔ اشعار دیکھیے:

زاہد ان کا میں گنہ گار ، وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے ، تو سمجھا کیا ہے
لو وہ آیا مِرا حامی مِرا غم خوار امم
آ گئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے

(ج) ردیف ''کیا ہونا ہے'': اس ردیف کے تحت حضرت رضا نے ۳۸/اشعار پر مشتمل ایک نعت پاک کہی ہے اور ردیف کو معانی کی نئی نئی جہتوں سے آشنا کیا ہے۔ یہ نعت بندش کی چستی، زبان کی گھلاوٹ اور فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

جناب رضا نے اپنی بے عملی، نفس کی سرکشی، قلبی اضطرابات و کیفیات وغیرہ کو عنوان بنا کر ردیف کو اس انداز میں برتا ہے کہ وہ معنویت کے پرت کھولتی چلی جاتی ہے۔ اس طرح ہر شعر بلندیِ فکر کا پیکر بنتا چلا جاتا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

ہم کو بد کر وہی کرنا جس سے
دوست بے زار ہے کیا ہونا ہے
میٹھے شربت دے مسیحا جب بھی
ضد ہے ، انکار ہے ، کیا ہونا ہے
ارے او مجرم بے پروا دیکھ
سر پہ تلوار ہے کیا ہونا ہے
پار جانا ہے نہیں ملتی ناؤ
زور پر دھار ہے کیا ہونا ہے

ہر شعر میں ایک سوال ہے۔ چند اشعار علامتی رنگ بھی لیے ہوئے ہیں۔ مثلاً شعر نمبر ۴ میں ''ناؤ'' کو بہ طور علامت پیش کیا گیا ہے۔ ایک شعر اور دیکھیے جس میں ''آگ'' کو عشق کی علامت بنایا ہے:

بیچ میں آگ کا دریا حائل
قصد اس پار ہے کیا ہونا ہے

ردیف ''کیا ہونا ہے'' سے پیدا ہر بے چینی اور پریشانی کا جواب حضرت رضاؔ مقطع میں اس طرح دیتے ہیں:

کیوں رضاؔ کڑھتے ہو، ہنستے اٹھو
جب وہ غفّار ہے کیا ہونا ہے

(۱۰) ردیف ''نور کا'': اس ردیف میں نور نے ''قصیدۂ نور'' کو معنی کا جہانِ نور بنا دیا ہے اور نور ایک علامتی نشان کے ساتھ اس قصیدہ (نعت پاک) میں جلوہ گر ہوا ہے۔ قرآن و حدیث اور لغت و زبان و محاورہ کی روشنی میں نور کے مندرجہ ذیل معانی سامنے آتے ہیں:

''روشنی، پاکیزگی، طمانیت، حسن، سچائی، ایمان، علم و معرفت، طاقت و توانائی، جلال و عظمت، اصل و مادہ، خوشی و محبت، نعمت و رحمت اور وسیلہ و فیض'' وغیرہ۔

اب مندرجہ ذیل اشعار میں مندرجہ بالا معانی کا جائزہ لیجیے اور حضرت رضاؔ کے ردیف کے برتاؤ کے کمال اور ان کی شعری عظمت ملاحظہ کیجیے:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا (روشنی، نور)
میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا (پاکیزگی)
ناریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا
تم کو دیکھا ہو گیا ٹھنڈا کلیجا نور کا (سکون، طمانیت)
شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا (حسن و جمال)
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی، بول بالا نور کا (جلال و ہیبت)
صبح کر دی کفر کی سچا تھا مژدہ نور کا
سر جھکا اے کشت کفر، آتا ہے اہلا نور کا (اسلام و صداقت)
یہ کتاب کُن میں آیا طرفہ آیہ نور کا
غیر قائل کچھ نہ سمجھا کوئی معنٰے نور کا (علم و معرفت)
دیکھ ان کے ہوتے نا زیبا ہے دعویٰ نور کا
مہر لکھ دے یاں کے ذروں کو مچلکا نور کا (قدرت و قوت)

تابِ حسن گرم سے کھل جائیں گے دل کے کنول
نو بہاریں لائے گا گرمی کا جھلکا نور کا (سرخوشی، محبت)
وصف رخ میں گاتی ہیں حوریں ترانہ نور کا
قدرتی بینوں میں کیا بجتا ہے لہرا نور کا (سرخوشی، محبت)
یہ جو مہر و مہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا (اصل، مادّہ)
جو گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا (نعمت، رحمت)
میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا
نور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا (رحمت، نعمت)
ذرے مہر قدس تک تیرے توسط سے گئے
حدّ اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا (وسیلہ، فیض)

(۱۱) ردیف ''پھول'': حضرت رضاؔ نے پھول کے متعدد معانی نکالے ہیں۔ مثلاً ہلکا پھلکا، پاک و صاف، گناہ سے مبرا، غرور، اترانا، زیور وغیرہ!

اشعار ملاحظہ کیجیے اور معانی کے گل ہائے رنگارنگ سے عطر بیزی و شادابی حاصل کیجیے:

سرتا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول (پھول، گل)
تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہ محن پھول (ہلکا)
ہوں بار گنہ سے نہ خجل دوش عزیزاں
للہ مری نعش کر اے جانِ چمن پھول (ہلکا، گناہ سے پاک)
دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول (غرور کرنا، اترانا)
شب یاد تھی کن دانتوں کی شبنم کہ دم صبح
شوخانِ بہاری کے جڑاؤ ہیں کرن پھول (زیور)

اس نعت پاک کے ۱۶؍اشعار میں رضاؔ نے پھول کو نئے طرز و انداز سے پیش کر کے معانی کے سولہ سنگھار سے نعتیہ غزل کو آراستہ کیا ہے۔

(۱۲) ردیف ''پھرتے ہیں'': حضرت رضاؔ نے اس ردیف میں سولہ اشعار پر مشتمل نعت کہی ہے اور طرزِ ادا نیز بھانت بھانت کے معانی کے جلوے دکھائے ہیں۔ مطلع اس طرح ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اس مطلع کے مصرع اولیٰ میں ''پھرنا'' سے مراد ہے ''سیر فرمانا، گل گشت کرنا'' مصرع ثانی میں ''دن پھرنا'' محاورہ ہے یعنی دن بدلنا، تقدیر سنورنا۔ مزید اشعار دیکھیے:

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

مصرع اولیٰ میں ''پھرتے ہیں'' سے مراد ہے ''گریز کرنا'' مصرع ثانی میں ''پھرتے ہیں'' سے مراد ہے ''مارے مارے پھرنا'':

ہر چراغ مزار پر قدسی
کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں (جان نثار کرنا)
رکھیے جیسے ہیں خانہ زاد ہیں ہم
مول کے عیب دار پھرتے ہیں (مال کا واپس ہونا)
ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں (واپس پلٹنا)
بائیں رستے نہ جا مسافر سن
مال ہے راہ مار پھرتے ہیں (گھات لگائے رہنا)

خلاصۂ کلام

امام احمد رضاؔ نے مختصر اور طویل ردیفوں کو معنویت عطا کر کے اور ان کے توسط سے اپنے طرزِ ادا کے جو مختلف حسین و رنگین جلوے دکھائے ہیں وہ ان کی شعری حرکیت اور شعری عظمت پر دال ہے اور بلاشبہہ و بلا مبالغہ یہ کہنا پڑتا ہے:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

☆☆☆

امام احمد رضا اور خانقاہی نظام: دفاع و اصلاح

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی، بدایوں شریف

اسلام اور تصوف

اسلام ''سلم'' سے مشتق ہے اور لغت میں سلم کا معنیٰ ''سلامتی'' ہے، سلامتی کے متعلقات کم از کم تین ہیں: (۱) جسم (۲) روح (۳) قلب۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ان تینوں کی سلامتی کا مطالبہ کرتا ہے، شریعت میں جسم و اعضا کی سلامتی کی بات کی جاتی ہے، غسل، وضو، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، وغیرہ۔ اور طریقت میں، قلب و روح کی سلامتی پائی جاتی ہے، طریقت کا ہی دوسرا نام تصوف ہے کسی بھی دور میں ''تصوف'' اسلام سے الگ نہیں بلکہ اسلامی ثقافت کا یہ ایک حصہ ہے۔

تصوف کیا ہے؟ اس کے تعلق سے ہمارے اکابر کے مختلف اقوال ہیں جو ہزار سے بھی زائد ہیں، اس مختصر سے مضمون میں ان کا احاطہ اور ان سب کا خلاصہ بیان کرنا دقت طلب معاملہ ہے صرف اس قدر سمجھ لیجیے کہ تصوف ایک معنوی صفت و کمال کا نام ہے جو حیات شعار کے مختلف پہلوؤں سے مترشح ہوتا ہے۔ خواہ ان پہلوؤں کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، دنیوی معاملات سے ہو یا دینی معاملات سے، وہ شعوری پہلو ہو یا غیر شعوری۔ تصوف ایک خاموش انقلاب ہے جو زندگی کے خاموش سمندر اور پاتال میں ابھرتا ہے اور ہر طرف پھیل جاتا ہے، شریعت اور احکام اسلام پر خلوصِ قلب اور سچائی کے ساتھ عمل پیرا ہونے کا نام تصوف ہے، اس کے اغراض و مقاصد درج ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ کا قرب و عرفان، تزکیۂ باطن، صفائے قلب، معرفت نفس، دونوں قسم کے حقوق کی ادائیگی کا التزام۔ صاف ستھری زندگی بسر کرنے پر عہد و پیماں، آرزوئے حسن اور جمالیات کا شعور، ذہن و دل کی تطہیر، اخلاق و ادب وغیرہ، جیسے کردار و عمل...... چوں کہ تصوف کی تعلیم خانقاہوں میں دی جاتی ہے اس لیے مسلمانوں میں اس کی پذیرائی ہر دور میں رہی ہے، تصوف کا چہرہ کسی بھی دور میں میلا نہیں ہوا ہے حالاں کہ اس پر بھی لوگوں نے اعتراض کیا ہے، خیر میں ان اعتراض و جوابات میں اُلجھنا نہیں چاہتا...... کہ وہ میرے موضوع سے الگ ہے مگر ہندوستان میں انگریزوں کی آمد کے بعد تصوف کے بارے میں لوگوں کے جو نظریات تھے وہ نہایت ہی خطرناک تھے، اور لوگوں نے نہ معلوم اسے کیا کیا سمجھ لیا تھا؟...... کسی نے اسے ''بھگتی تحریک'' سے متاثر قرار دیا، اور کسی نے اس میں ہندوؤں کے ''فلسفۂ

ویدانت'' کو دیکھا، غرض کہ جتنے منھ اتنی باتیں کی گئیں۔ حالاں کہ اس کی حقیقت قطعی اس کے خلاف تھی۔ جن افراد نے اس قسم کی باتیں کیں میرے خیال میں ان کی یہ سوچ اور نظریہ جادۂ استقامت سے ہٹی ہوئی محسوس ہوتی ہے اس لیے کہ جن کی شخصیتوں سے تصوف کی روایتیں زندہ ہوئیں تھیں وہ صاحب ایمان تھیں، انھیں مذہب اسلام کے علاوہ کسی اور کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟...... ہاں کسی اور طرف وہ دیکھ سکتا ہے جس کا یقین متزلزل ہوا اور اس کے اعتماد میں ضعف واضمحلال واقع ہو۔ خیر جس نے جو سوچا اس کی سوچ اس کے ساتھ ہے بہر صورت تصوف ایک صاف ستھرا راستہ ہے جس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ ہی کسی طرح کا کوئی انحراف ہے، میں تو صرف اس قدر کہتا ہوں کہ تصوف کی روایتیں برسوں پرانی ہیں۔ عہد صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں بھی اس کی رویت ملتی ہے۔ اصحابِ صفہ کی تمام تر زندگیاں ان روایات کی علم بردار نظر آتی ہیں، یہ اور بات ہے کہ اس دور میں ان روایتوں پر لفظ ''تصوف'' کا اطلاق نہ ہوتا تھا اس لفظ کا استعمال دوسری صدی ہجری میں ہوا، تصوف نظریہ بھی ہے اور عمل بھی۔ عملیاتی تصوف کے حاملین کو''صوفی'' کہا جاتا ہے سب سے پہلے کوفہ کے ابو ہاشم بن شریک اور ماہر علم کیمیا جابر بن حیان کو صوفی کہا گیا۔ لہٰذا اس بنیاد پر اسے عجم کی پیداوار کہنا کسی طرح درست نہیں اور نہ ہی اس سے انحراف کا کوئی جواز ثابت ہوتا ہے۔

جہاں تصوف کی تعلیم دی جاتی ہے اُسے ''خانقاہ'' کہا جاتا ہے اور جہاں شرعی مسائل کی تعلیم دی جاتی ہے اسے ''مدرسہ'' کہا جاتا ہے، مدرسہ اور خانقاہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت واحتیاج ہیں، لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں، ہم نہ مدرسوں سے نظریں چرا سکتے ہیں اور نہ ہی خانقاہوں کو بے اعتنائی سے دیکھ سکتے ہیں۔ علم وفن کی پیاس مدرسوں سے بجھتی ہے اور قلب وروح کو سکوں خانقاہوں سے نصیب ہوتا ہے بایں وجہ ہم دونوں کی قدر کرتے ہیں، مدرسوں کی بھی اور خانقاہوں کی بھی۔ علما مشائخ ہوتے تھے اور مشائخ ہی علما ہوتے تھے، دونوں میں کوئی فرق وامتیاز نہ تھا یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو کسی سرد خانہ میں نہیں ڈالی جا سکتی ہے۔ دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان کی سرزمین بھی علما اور مشائخ کے وجود مسعود سے مملو تھی۔ یہاں تمام خطوں میں علما بھی موجود تھے اور مشائخ عظام بھی جلوہ فرما تھے، ان کی جلوہ گری کسی ایک دور سے مخصوص نہ تھی ہر دور کی یہی صورت حال تھی۔ اس اعتبار سے دیکھیے تو ہندوستان علم وفن اور فکر وشعور کی تابشوں سے روشن تھا اور تصوف کے جلوہ ہائے رنگا رنگ سے مجلیٰ تھا۔ یہاں مدارس بھی ہیں اور خانقاہیں بھی، مدارس وخانقاہ سے وابستہ علما ومشائخ جس طرح علوم وفنون اور اسرار ورموز سے واقف تھے۔ ٹھیک اسی طرح انقلابات زمانہ اور حالات میں تبدیلیاں بھی ان کی نگاہوں میں ہوتی تھیں۔ حالات سے چشم پوشی ان کی سرشت میں داخل نہ تھی۔ سماج ومعاشرہ میں واقع ہونے والے تغیرات کی سمتوں کا تعین یہی اہل خانقاہ کیا کرتے تھے ہر دور میں ان کا یہ کردار ''اثر پذیری'' کی بیش بہا

نعمت سے مملو رہا ہے، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ تاریخی حقیقت ہے جو ناقابلِ فراموش ہے، ان کی اسی خوبی کے پیش نظر عوام تو عوام خواص بھی خانقاہوں سے وابستہ تھے۔ اور آج بھی وابستہ ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ وابستگی بلا وجہ نہ تھی بلکہ اس سے انھیں بھی فائدہ تھا کہ ان خانقاہوں سے انھیں عزم و حوصلہ، حزم واحتیاط، جرأت وبے باکی، صدق وصفا اور حالات کو قابو میں رکھنے کا ہنر دست یاب ہوتا تھا۔ حیات وزیست کا سچا شعور اگر کہیں سے حاصل ہوتا تھا تو وہ یہی مدارس اور خانقاہیں تھیں، ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کا کارواں اسی نہج پر رواں دواں تھا۔ اس شاہ راہِ حیات میں نہ کجی تھی اور نہ ہی اس میں کسی طرح کی کوئی خامی تھی، یہ وہ نفوس قدسیہ تھے جو خود بھی روشن وتابناک تھے اور دوسروں کو بھی اُجالوں کی خیرات بانٹتے تھے اور عشق ووفا کی خوشبوؤں سے عوام وخواص کی زندگیوں کو مہکا دیا کرتے تھے، ذرہ بن کر آتے تھے اور ماہ تاب بن کر لوٹتے تھے، بالیقیں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ سب تصوف کی روایتوں کا کرشمہ تھا جو زمانہ کی نیرنگیوں کے پیچ وپیچ تاباں تھا۔ کسی بھی راستہ کے پیچ وخم سے بہ آسانی گزر جانا۔ یہ صرف تصوف کا کام ہے اسی لیے سبھی افراد نے اسے بسروچشم قبول کیا اور اسے اپنی زندگی کا جزو لاینفک بنا لیا کوئی ایسا فرد نظر نہیں آتا جو تصوف سے متاثر نہ ہوا ہو، تصوف محبت واحسان کی جمالیاتی تحریک ہے۔ اس کے مقاصد جلیلہ کو دیکھتے ہوئے اسے ''تحریک بالحق'' کہنے کو جی چاہتا ہے اس کا غم انسانیت کا غم ہے اور یہ سوز محبت کو جنم دیتا ہے جو انسانوں میں کمالات کا ارتقا کرتا ہے، اس کا کوئی ایسا زاویہ نہیں جو وجہ انحراف بن سکے اصل بات یہ ہے اس کا ہر ایک زاویہ دلوں کو بھاتا ہے اور ذہنوں کو متاثر کرتا ہے۔ تصوف کرشمہ ساز حیرت انگیز کارنامہ ہے، مردہ دلوں میں حیات وزیست کی رمق پیدا کرتا ہے اور مضمحل اعضا میں تحریک کی قوت لاتا ہے حسن وخوبی اس کا اپنا مزاج ہے۔

انگریزوں کی آمد

ہمارا ملک ہندوستان کسی دور میں سونے کی چڑیا کہلاتا تھا، اس کی طرف سبھوں نے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا انگریز قوم اس میں کیوں پیچھے رہتی؟ اس کے پاس بھی دزدیدہ نگاہ تھی۔ دلوں میں حکومت کرنے کا جذبہ چھپائے ظاہری طور پر تجارت کے مقصد سے ہندوستان آئے اور سرزمین کلکتہ کو اپنا ہیڈ کواٹر بنایا۔ اور پھر وہیں رہ کر یہاں کی حکومت پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور رفتہ رفتہ سازشیں تیار کیں، تاروپود بننے لگے۔ کہیں طاقت کا استعمال کیا اور کسی مقام پر نرم رویہ اپنایا۔ معتبر شخصیتوں کی تلاش شروع کر دی۔ حسن اتفاق کہیے سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی انھیں ہاتھ لگ گئے۔ یہ دونوں انگریزوں کے ہاتھوں بکے ہوئے تھے۔ ان کے زبان وقلم سے وہی صادر ہوا جو انگریزوں نے چاہا۔ صرف معاملہ یہیں تک محدود نہ رہا۔ بلکہ انگریزوں نے براہِ راست علما اور مشائخ کے خلاف زبردست مہم چھیڑ دی۔ کوئی نشانۂ ظلم وستم بنا کسی کو تختۂ دار پر لٹکا دیا اور کچھ ایسے بھی تھے جو قید وبند کی صعوبتیں سہتے

سہتے جاں بہ حق ہو گئے۔ علما و مشائخ بھی سر پر کفن باندھ کر میدان کارزار میں آن کھڑے ہوئے انھوں نے کسی کا انتظار نہ کیا، ہمارے علما و مشائخ کے حوصلے بلند تھے عزم و ارادہ میں کسی کوہِ گراں سے کم نہ تھے، انگریزوں کو ان کے سامنے آتے ہوئے پسینے چھوٹ جایا کرتے، اللہ اکبر! کتنا حوصلہ بلند تھا۔؟ مجاہد اعظم مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی آزادیِ وطن کی لڑائی میں ۳۰/ اپریل ۱۸۵۸ء کو گرفتار کیے گئے اور مرادآباد جیل سے متصل انھیں جب برسرِ عام پھانسی دی گئی تو آپ کی زبان یوں نغمہ سرا تھی:

ہم صفیرو باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا
بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا
اطلس و کم خواب کی پاشاک پر نازاں نہ ہو
اس تن بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا

بڑی حیرت ہوتی ہے کہ پھانسی کا پھندا اور اس قدر بلند حوصلہ۔ اسی حوصلہ نے کام کیا۔ کہ انگریزوں کو اپنی مہم میں تبدیلی لانی پڑی۔ اور خفیہ تدبیروں کو عملی جامہ پہنانا پڑا۔ درج ذیل عبارت پڑھیے اور دیدۂ حیرت سے تماشا دیکھیے۔

انگریز مکاروں نے علما کے پرفریب پیرہن ولبادہ میں موجود چند بکی ہوئی شخصیتوں کو اپنا آلۂ کار بنایا۔ جنھوں نے علمائے حق کے خون اور ہڈیوں کو جوڑ کر اپنی رفعت کے زینے بنائے علمائے ربانی نے جہاد کیا تو وہ یا تو شہید ہو گئے یا قید مشقت اپنی زندگی گزار گئے چند بے وفایان وطن انگریزوں کے آغوش میں بیٹھ کر اپنی نمائشی تاریخ مرتب کر رہے تھے، واقعی وہ آزمائشی گھڑی اور کتنی پرآشوب ساعت تھی جب کہ ہندوستان کو سبوتاژ کرنے کے لیے خود ہندوستانیوں کے ہاتھوں کا خنجر خریدا جا رہا تھا اپنے گھر میں آگ لگانے کے لیے گھر ہی کے افراد کے ہاتھوں سے چنگاری سلگانے کا کام لیا جا رہا تھا، شہر دہلی سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ (تہذیب الاخلاق، ماہ ستمبر ۱۹۸۸ء، ص ۲۰۔۲۱)

قاضی سید اعظم صوفی کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ انگریزوں کے خلاف لڑنے والوں میں صرف اور صرف علمائے حق اور مشائخ عظام ہی تھے جو سر سے کفن باندھ کر اسلامی تہذیب و تمدن اور وطن عزیز کی حفاظت میں نکل پڑے تھے۔ اگر ان کی سرپرستی حاصل نہ ہوتی تو جنگ آزادی تاش کے پتوں کی مانند بکھر جاتی۔ بکی ہوئی شخصیتوں کے آلۂ کار بننے ہی کا نتیجہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں تمام ہندوستانیوں کو شکست کا منھ دیکھنا پڑا اور ایک دم پانسہ پلٹ گئی علما و مشائخ کثیر تعداد میں یا تو شہید کر دیے گئے یا پھر جزیرۂ انڈمان بھیج دیئے گئے اس کے باوجود ان بکی ہوئی شخصیتوں کو چین نصیب نہ ہوا۔ وہابی اور دیوبندی مکتب فکر کے ذمہ داروں نے انھیں خطوط پر چلنے کا عزم مصمم کیا۔ جنھیں سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی قائم کر گئے تھے۔ وہ خطوط کیا تھے؟ ان دونوں کے باطل اعتقادات و نظریات اور غلط افکار و خیالات

تھے! جو دورِ حاضر میں روزِ روشن کی مانند واضح ہیں اور سبھی افراد ان غلط افکار سے واقف ہیں اب مزید اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

خانقاهی نظام اور انگریز

اس بات میں کسی شک و تردد کی گنجائش نہیں کہ انگریز سب سے زیادہ شاطر دماغ قوم ہے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر خواہ کچھ بھی کر گزرنے کو تیار رہتی ہے، مکر و فریب، کذب و دروغ، اور عصمت کی نیلامی اس کی سرشت میں داخل ہے، اس کے ساتھ ساتھ حصول مقصد کے معاملہ میں وہ عجلت پسند نہیں ہے، بسا اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے ان میں کوئی تخم ریزی کرتا ہے اور دوسرا اس کا پھل کھاتا ہے، ہندوستان میں مغربیت کا فروغ و ارتقا اس کی واضح مثال ہے اگر چہ آج ہندوستان کی حکومت انگریزوں کے ہاتھوں میں نہیں ہے مگر مغربیت کی مسموم ہوائیں پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے اور انگریزی تہذیب و تمدن ہر ایک ہندوستانی کی رگ و پے میں پیوست ہو چکی ہے، یہی اس کا مقصد تھا جس میں وہ پورے طور پر کامیاب نظر آتا ہے۔ واقعۂ غدر سے پہلے انگریزوں نے ہندوستان میں خانقاہی نظام اور اس کی اثر پذیری کو اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا، عوام و خواص میں علما و مشائخ کی مقبولیت کا مطالعہ کیا ان کے ساتھ عوام کے گہرے روابط کا تجزیہ کیا اور یقین کی اس منزل پر جا پہنچے کہ خانقاہ علما و مشائخ اور عوام الناس کے مابین قائم تثلیثی رشتوں میں دراڑ جب تک نہ پیدا کیا جائے گا اس وقت تک مقصد میں کامیابی نہیں مل سکتی ہے۔ سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی نے اسے آسان کر دیا۔ تصوف کی روایت کو مکدر کیا۔ خانقاہی پروگرامز اور اس کے زیر اثر مراسم اہل سنت کو شرک و بدعت قرار دیا جس کی وجہ سے ہندوستان کی صاف ستھری فضا تعفن زدہ ہو کر رہ گئی ان کی یہ تحریک کوئی اصلاحی تحریک نہ تھی بلکہ ’’وہابی تحریک‘‘ تھی یہی وجہ ہے کہ اس دور کے تمام اکابر علما و مشائخ نے اس تحریک کی مخالفت کی۔ اور ارباب فکر و شعور نے ان کی صحبتوں سے بچے رہنے کا حکم دیا، مگر دور حاضر میں کیا ہو رہا ہے اسے سبھی لوگ جانتے ہیں سماج کے لوگ انھیں افراد کو اچھا تصور کرتے ہیں، ان سے تعلقات کو وسعت دینے میں زبردست محنت کرتے ہیں، ان کے ساتھ شادی بیاہ، نکاح، معاملات دینی و دنیوی رکھنے اور ان کی صحبت میں بیٹھنے کا کم از کم نقصان یہ ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کم ہوجاتی ہے اور لمحہ بہ لمحہ کم ہی ہوتی چلی جاتی ہے، حضرت شاہ احمد سعید نقش بندی مجددی (ربیع الاول ۱۲۷۷ھ/۱۸۲۴ء مدفون جنت البقیع مدینہ منورہ) کے حوالہ سے حضرت شاہ مظہر اللہ نقش بندی مجددی مہاجر مدنی تحریر کرتے ہیں:

وکان قدس سرہ یقول ادنیٰ ضرر صحبتهم ان محبةالنبی صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم التی هی من اعظم ارکان الایمان تنقص ساعة فساعة حتیٰ لا یبقیٰ منها

غیر الاسم والرسم فکیف یکون اعلاہ. فالحذر الحذر ثم الحذر الحذر عن رویتھم. فاحفظہ (منہ)

ترجمہ- حضرت شاہ احمد سعید صاحب فرمایا کرتے کہ: وہابیوں کی صحبت کا معمولی اثر یہ ہوتا ہے کہ محبت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو دین کا ایک رکن اعظم ہے وہ لحظہ بہ لحظہ کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ صرف نام ونشان باقی رہ جاتا ہے جب معمولی ضرر کا یہ حال ہے تو بڑے نقصان کا کیا عالم ہوگا؟ (رسائل فضل رسول، ص ۱۵)

حضرت شاہ احمد سعید نقش بندی ارفع واعلیٰ شان کے مالک تھے، ان کی زبان سے حق نکلتا تھا کسی کے تعلق سے بلا وجہ تبصرہ نہیں کرتے تھے جو سچی بات ہوتی تھی وہی کہتے تھے اس تناظر میں ان کا یہ فرمان بالکل حق اور درست ہے کسی بھی مورخ پر لازم تھا کہ اس دور کی علمی، فکری اور مذہبی فضا کی منظر کشی کرتے وقت علماے حق کے نظریات پر غور کرتے اور اس کے پس منظر کا تجزیہ کرنے کے بعد ہی تاریخ لکھتے مگر بہت سے تاریخ نگاروں نے اس التزامی صورت کا اہتمام نہ کیا اور جانب دار ہو کر تاریخ لکھ دی۔ کوئی کچھ بھی کہے لیکن میں یہی کہوں گا کہ یہ تاریخ کا سب سے بڑا اور زبردست المیہ ہے جو سنجیدہ دماغ رکھنے والے افراد کو اشک شوئی پر مجبور کرتا ہے، یہ تاریخی المیہ پیش کیا جارہا ہے مطالعہ کیجیے اور غور کیجیے:

اگر چہ شاہ ولی اللہ اور دوسرے بزرگوں کی کوششوں سے ذی علم طبقے اسلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل کر رہے تھے لیکن عوام کی مذہبی حالت نہایت گری ہوئی تھی انھوں نے ہندو مذہب چھوڑ کر اسلام تو قبول کر لیا تھا۔ لیکن اس سے ان کی روحانی حالت میں کوئی اہم تبدیلی نہ ہوئی تھی، اگر وہ پہلے مندروں میں مورتیوں کے سامنے ماتھا ٹیکتے تھے تو اب مسلمان پیروں اور قبروں کے سامنے سجدے کرتے اور ان سے مرادیں مانگتے پجاریوں برہمنوں کی جگہ مسلمان پیروں نے لے لی، جن کے نزدیک انسان کی روحانی تربیت کے لیے احکام اسلام کی پابندی، اعمال حسنہ اور سنت نبوی کی پیروی ضروری نہ تھی بلکہ یہی مدعا مراقبوں، وظیفوں اور مرشد کی توجہ سے حاصل ہو جاتا تھا تعویذوں گنڈوں کا بہت زور تھا۔ بیماریاں دور کرنے یا دوسرے مقاصد کے لیے سب سے زیادہ کوشش تعویذوں کی تلاش میں کی جاتی ہندو جوگی اور مسلمان پیر الٹی سیدھی لکیریں کھینچ کر خوش اعتقادوں کو دیتے اور یوں انھیں حصول مقصد کے صحیح اسلامی طریقوں سے باز رکھتے۔ (موج کوثر صفحہ ۱۳-۱۴)

یہ تحریر مکمل طور پر خانقاہ مخالف اور اس کے مفاد کے لیے ضرب کاری ثابت ہو رہی ہے، ذرا سوچیے مشائخ عظام کو پجاریوں، برہمنوں اور مزارات پر حاظری کو سجدے کرنے سے تعبیر کرنا جذبۂ جانب داری کو ثابت کر رہا ہے جو تاریخ نگاری کے منصب سے میل نہیں کھاتا۔

خانقاہی نظام، اس کے ذمہ داروں پر یہ الزام کہ یہ افراد احکام اسلام کی پابندی، اعمال حسنہ

نیز سنت نبوی کی طاعت کو ضروری قرار نہیں دیتے، یہ سراسر ان پر الزام اور بہتان تراشی ہے، تاریخ حق کا آئینہ اور سچائی کی تصویر ہوتی ہے مگر یہاں تو معاملہ اس کے قطعی الگ ہے، یہ تاریخ- تاریخ نہیں بلکہ ایک فریق کی نمائندگی کرتی ہے۔ جہاں تک مراقبوں اور مرشد کی توجہ کی بات ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اس میں قباحت بھی کیا ہے؟ ارباب فکر کے روبہ رو تاریخ کا ایک صاف ستھرا آئینہ پیش کر دیا گیا جس میں آپ وہ تمام چہرے دیکھ سکتے ہیں جن کے ذریعہ اسلامی ثقافت کے پرسکون ماحول میں خانقاہی نظام سے نفرت وکدورت کی آتش سوزاں سلگائی گئی۔ جس کی وجہ سے پورا ہندوستان جل اٹھا، مسلمان اور ارباب فکر باہمی انتشار کے شکار ہو گئے اور ادھر انگریزوں کے لیے پورے طور پر راستہ صاف ہو گیا اور انھیں حکومت سازی کے لیے موقع ہاتھ آ گیا، ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف ایک بڑی مہم چھیڑی گئی اس میں کیا ہوا؟ کس کو کتنا فائدہ پہنچا اور کیا نقصانات ہوئے؟ یہ تمام چیزیں ان کی معلومات میں ہیں جو غدر کے حالات سے واقفیت رکھتے ہیں! انگریز قوم پورے ہندوستان پر قابض ہو گئی اور مسلمانوں کو کیا ملا؟ حسرت و یاس، ناکامی ونامرادی، بہت سے بچے یتیم ہو گئے اور عورتیں بیوہ، ماں کی ممتائیں روٹھ گئیں، کون ہے جو ان خستہ ومخدوش حالات پر آنسو نہ بہائے؟ علماے ربانی تہِ تیغ کیے گئے یا پھر قید با مشقت میں ڈال دیے گئے اور بکی ہوئی شخصیتوں کو وہ تمام چیزیں مل گئیں جن کی تمنائیں ان کے دلوں میں برسوں سے پنپ رہی تھیں، اپنے آقاؤں کی گود میں بیٹھ کر جھوٹی تاریخ مرتب کر رہی تھیں۔ اس سلسلے میں قاضی سید اعظم تحریر کرتے ہیں:

ظاہر وباطن ہر لحاظ سے جو علماے ربانی تھے وہ اپنے بے داغ کردار، بے مثال عزم واستقلال اور عدیم النظیر جرأت وہمت کے ذریعہ اپنے انقلاب انگیز کارناموں کے ایسے لافانی نقوش تاریخ میں چھوڑ گئے ہیں کہ رہتی دنیا تک یادگار، ناقابل فراموش ہیں، حملہ آور انگریزوں کو بھی اس کا بخوبی اندازا ہو چکا تھا کہ علما، فقہا، محدثین ہی قوم کے وہ ستون ہیں جو ملت کے کشورِ دل کے سلطان ہیں اور جن کے اشارۂ ابرو پر ہر فرد دل وجان قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے، اس لیے اپنے سامراجی اقتدار میں سب سے زیادہ ظلم وستم انگریزوں نے علماے حق پر کیا اور انھیں ستانے مٹانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ سیاسی محاذ پر آزادی کی روح پھونکنے والے علما میں علامہ فضل حق، صدر الصدور دہلی مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، علامہ فضل رسول بدایونی، مفتی عنایت اللہ گوپاموی، قاضی دہلی مفتی لطف اللہ سہسوانی، مفتی لطف اللہ علی گڑھی، قاضی فیض اللہ کشمیری وغیرہم نے کلیدی کردار ادا کیا۔ جن کی تحریک وترغیب اور قیادت میں ہی منشی رسول بخش آج بھی سرمایۂ افتخار ہیں ان کی ہی سرپرستی میں سید احمد اللہ شاہ، جنرل بخت خان، جنرل عظیم اللہ خان اور سید باقر ناظر وغیرہم نے اپنی حربی صلاحیتوں کا بے باک مظاہرہ کیا...... آج ہر رزم وبزم میں انھیں کی داستانِ عظمت سنائی دیتی ہے جس کا

خود فرنگیوں نے اعتراف کیا۔ (تہذیب الاخلاق، ماہ ستمبر ۱۹۸۸ء، ص ۲۰۔۲۱)

یہ تاریخی حقائق وشواہد آپ کے سامنے ہیں ایک ایک لفظ کا گہرائی سے مطالعہ کریں، انگریزوں اوران کے زرخرید غلاموں کے صحیح خدوخال نمایاں ہو جائیں گے، بکی ہوئی شخصیتوں کی سچی تصویر کیا ہے اور جانب دار مورخین نے ان کی منظرکشی کس انداز سے کی ہے بہر حال ارباب شعور سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ عالم وشیخ کے پیرہن ولبادہ میں ایمان ویقین، عشق ووفا، اور مودت ومحبت کے رہزنوں نے کچھ ایسے گل کھلائے کہ مسلمانوں کے دلوں میں خانقاہی نظام اور پیران طریقت کے تئیں نفرت وعداوت پیدا کردی۔ کہا جاتا ہے اچھائیوں کے مقابلہ میں برائیوں کی تیز گامی کہیں زیادہ ہوتی ہے اور یہی ہوا کہ ان زرخرید چاکروں نے اپنے اردگرد بہت ساری بھیڑ اکٹھی کر لی۔ اس طرح خانقاہوں کے تعلق سے انفرادی کوششیں اجتماعی کوششوں میں بدل گئیں۔ واقعۂ غدر کے بعد سے جنگ آزادی تک اجتماعی کوششوں کو بہت زیادہ فروغ ملا اور یہ کوششیں کام یاب ہوگئیں۔ دور حاضر میں جس قدر بھی باطل فرقے ہیں ان کے یہاں خانقاہی روایت نہیں ملتی اور نہ ہی بیعت وارشاد جیسے کسی معاملہ کا کوئی سراغ ہی دکھائی دیتا ہے جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ ان فرقوں کے درمیان سے باطنی فیض وبرکت قریب قریب رخصت ہو چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کا ظاہر کچھ بھی ہو مگر چہرے مہرے پر وہ تابانیاں نہیں جو اہل ایمان کی نشانیاں ہوتی ہیں خواہ ظاہری طور پر یہ کچھ بھی ہوں لیکن باطنی طور پر ان کی حیثیت زیرو برابر بھی نہیں۔ میں انھیں سراب جیسا تصور کرتا ہوں کہ یہ افراد دور سے تو اچھے بھلے مانس دکھائی دیتے ہیں اور جب ان کے قریب پہنچیے تو یہ کچھ اور ہی دکھائی دیتے ہیں، جس طرح سراب دور سے پانی کی طرح چمکتا ہے اور جب قریب جائیے تو معاملہ قطعی اس کے برعکس محسوس ہوتا ہے اسی لیے کسی کہنے والے نے بہت اچھی بات کہی ہے ”ہر چمکنے والا ہیرا نہیں ہوتا“، ذیل میں ان کے کچھ عقائد درج کیے جا رہے ہیں ان کا مطالعہ کریں اور اس دور کی مسموم فضا کو سمجھنے کی کوشش کریں جس دور میں درج ذیل عقائد ونظریات عوام و خواص کے مابین آئے تھے اور قلب وذہن میں ایک قسم کی ہلچل مچا دی تھی:

(۱) انگریزوں کے اشاروں پر تھرکنے والوں نے ان اللّٰہ علیٰ کلِ شئیٍ قدیر کی ایسی توضیح کی کہ قدرت علیٰ کل شئیٍ کا رشتہ کذب ودروغ اور ہر برے کاموں سے جوڑ دیا توسیع قدرت کا نشہ کچھ ایسا ان پر چڑھا کہ خود انھیں اپنے جیب وداماں کے چاک ہونے کا بھی احساس نہ ہوا اور وہ یہ بھول گئے کہ کذب ودروغ اور برے کاموں میں تحت قدرت داخل ہونے کی صلاحیت ہی نہیں۔ بات صرف یہیں تک محدود نہ رہی بلکہ ان نابکاروں نے خدا کی ذاتِ اقدس کو جسم وجسمانیات اور زمان وزمانیات سے بھی جوڑ دیا۔ جسم وزمان سے پاک ماننے کے عقیدہ کو کفر وشرک قرار دے دیا۔ (دیکھیں: براہین قاطعہ، از مولوی خلیل احمد انبیٹھوی)

(۲) رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدائے برتر وبالا کے بعد سب سے زیادہ افضل واعلیٰ ہیں ان کے پایہ کا کوئی بھی نہیں نہ انسانوں میں اور نہ ہی فرشتوں میں، کس کی مجال کہ ان سے ہمسری کا دعویٰ کرے۔ مگر یہ انگریزوں کے ہاتھوں بکے افراد ایسے بدذات ثابت ہوئے کہ انھوں نے آقا ومولیٰ کو کیا کچھ نہ کہا؟ بڑا بھائی کہا۔ خدا کے حضور ذرۂ ناچیز بتایا۔ ان کے علم کو ایرے غیرے نتھو خیرے کے علم سے تشبیہ دی۔ شیطان کے وسعت علم کا تو انھوں نے اقرار کیا مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وسعتِ علم کا انھیں ذرا سا بھی خیال نہ آیا بڑے ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ محبوب کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں لفظوں کے استعمال میں بھی انھوں نے بے اعتنائی سے کام لیا۔ ان کے وسیلہ ہونے اور شفیع ہونے کا بھی انکار کیا۔ یہ وہ باتیں ہیں جو چمکتے چاند وسورج سے بھی زیادہ روشن وتابناک ہیں، ان کے ثبوت حوالہ جات پیش کرنے کو میں زیادہ موزوں نہیں سمجھتا، جسے یقین نہ آئے دیوبندی وہابی مکتب فکر سے متعلق کتب ورسائل کا مطالعہ کر لے اسے خود اس بات کا اندازا ہو جائے گا، بس اسی قدر اشارہ کافی ہے۔

(۳) اب رہی بات اولیائے کرام کی تو اس معاملہ میں بھی یہ افراد دودھ کے دھلے نہیں ہیں، ان کے دامن میں اس قدر داغ ودھبے ہیں جو شمار سے باہر ہیں کوئی گنتی کرے تو کیا کرے؟ مزارات پر حاضری، آستانوں پر جانے، ان سے مرادیں مانگنے یا پھر ان کے وسیلہ سے دعا مانگنے کو بھی سختی سے منع کر دیا ہے، عرس وگاگر اور چادر پوشی کو بھی ناجائز وغلط بتایا، خانقاہوں میں مریدین ومتوسلین کا جمع ہونا، اکتسابِ فیض وبرکت کی کارروائی بھی انھیں ایک آنکھ نہ بھائی۔ فاتحہ ودرود سے بھی انھیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کیوں کہ یہ لوگ مرے دل سے درود وسلام پڑھتے ہیں۔ مرے دل سے بھی کوئی کام ہوتا ہے؟ یہ سبھی کام کرتے ہیں مگر ان کے کاموں کی جو حیثیت ہوتی ہے اسے بھی سنتے جائیے، یہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج ضرور ادا کرتے ہیں اور کثرت کے ساتھ قرآن کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔ مگر ان کی عبادت ان کے حلقوم سے آگے نہیں بڑھتی۔ یعنی اس کا رشتہ دل سے نہیں جڑتا تو پھر ایسی عبادت سے کیا کام؟ یہ تو دکھاوا اور نمائشی ہے یا پھر یہ کہا جائے کہ اہل ایمان، صاحب عشق ووفا کی دولت عشق لوٹنے کا ایک بہانہ ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے بڑے پتے کی بات کہی ہے آپ فرماتے ہیں:

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

(۴) اس مقام پر سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن کی زبان کے نشتر نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذواتِ مقدسہ کو نہ بخشا تو پھر عام انسانوں اور ان کے معمولات ومراسم کو کیا بخشیں گے؟ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ افراد مردہ بدست زندہ ہیں تو پھر ان کے پاس اختیار کہاں؟ انھوں نے اہل سنت وجماعت کے معمولات کو کبھی کفر کہا اور کبھی شرک۔ بدعت وضلالت کی تو کوئی بات نہیں کہ ان

کے یہاں یہ ٹوکریوں سے دست یاب ہے، کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ جب چاہیے اور جس وقت چاہیے فوراً لے لیجیے۔ نہ ہر لگے اور نہ پھٹکری اتنا سستا سودا شاید کہیں اور نہ ملے یوں تو سستا سودا بیچنے میں فائدہ ہی فائدہ ہے لیکن یہاں ایسا کچھ نہیں کہ اس طرح سستا سودا بیچنے میں نقصان ہی نقصان ہے۔

میرے دوست! میرے دل میں جو باتیں تھیں نہایت ہی صاف ستھرے انداز میں پیش کر دیں، اس میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟ یہ فیصلہ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے، نہایت ہی سنجیدگی کے ماحول میں اس کا مطالعہ کریں اور بتائیں کہ ان باطل افکار ونظریات سے ہندوستان کی علمی فکری اور صاف ستھری فضاؤں میں تعفن اور تکدر پیدا ہوا کہ نہیں، مسلمانوں کے دلوں کو ٹیس پہنچی یا نہیں؟ خوش عقیدہ افراد پر ان نظریات کے سبب کیا گزرتی ہوگی۔ یہ سب دیکھنے کی چیزیں ہیں اگر انصاف ودیانت کی کوئی جھلک دلوں میں باقی ہے تو آپ کا جواب بھی وہی ہوگا جو میرے دل میں ہے، ان باطل نظریات نے ہندوستان میں فرقوں کو جنم دیا اور دلوں کو بانٹا، سوچ کے دھاروں میں ایک ہلچل سی مچادی۔ وہابی، نیچری، چکڑالوی، دیوبندی وغیرہ۔ ان کے راستے وہی راستے ہیں جن پر غضب اللہ کا نازل ہوا۔ یہی تو وہ راستے ہیں جن کے ہر ایک راستہ پر شیطان بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے ان میں سے صرف ایک راستہ ''اہل سنت وجماعت'' کا ہے جو سیدھی راہ ہے بقیہ تمام فرقے سیدھی راہ سے بہت زیادہ ہٹے ہوئے ہیں حدیث پاک میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے:

وعن عبداللہ بن مسعود قال خط لنا رسول اللہ ﷺ خطاً ثم قال ہذا سبیل اللہ ثم خط خطوطاً عن یمینہ و عن شمالہ وقال ہذہ سبل علی کل سبیل منہا شیطان یدعوا الیہ وقرأ وان ہذا صراطی مستقیما فاتبعوہ الآیۃ. (رواہ احمد، والنسائی، والدارمی، مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰)

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے روبرو ایک لکیر کھینچی پھر فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے پھر اس کے دائیں بائیں چند لکیریں کھینچیں اور فرمایا: یہ بھی راستے ہیں مگر ان میں سے ہر ایک راستہ پر شیطان بیٹھا ہے جو اپنی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ ہے بے شک یہ میرا راستہ ہے اس کی اتباع کرو...... یہیں سے شیخ طریقت کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔

امام احمد رضا اور خانقاہی نظام کی اصلاح

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی مفکر کا دماغ رکھتے تھے اور اصلاح کی تمام تر صلاحیتیں ان کی فطرت میں موجود تھیں۔ خانقاہ کے تعلق سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے سامنے دو قسم کی دقتیں تھیں: اولاً- یہ کہ کچھ ایسے افراد تھے جو خانقاہوں سے نفرت کیا کرتے تھے اور سرے سے اس کی افادیت اور

عظمت کے منکر تھے۔ یہ افراد نہایت ہی منظم طریقہ سے اپنی ریشہ دوانیاں جاری رکھے ہوئے تھے اس کے ساتھ ساتھ انگریز حکومت کی انھیں سرپرستی حاصل تھی۔ گویا اک سیل رواں تھا جو بہتا ہوا چلا آرہا تھا، عوام تو عوام رہے کچھ خواص بھی اس کے تیز بہاؤ میں بہتے چلے گئے۔ ثانیاً- خانقاہوں کے کچھ ایسے، سجادہ نشیں ہوگئے جو قطعی اس لائق نہ تھے، ہاں زبردستی اور طاقت کے بل پر خانقاہوں پر قبضہ بنالیا تھا، ایسے لوگوں سے وفا کی امید بے کار تھی، غالب دہلوی نے اس موقع کے تعلق سے بڑی اچھی بات کہی تھی:

ہم کو ہے ان سے وفا کی امید
جو جانتے نہیں وفا کیا ہے؟

یہاں اصل مسئلہ یہ تھا کہ خانقاہ والے سب مل کر منکرین خانقاہ کا مقابلہ کرتے مگر ایسا نہیں کیا گیا، یہ ایک زبردست المیہ تھا جو تاریخ میں پیش آیا۔ اس بات کا احساس خود امام احمد رضا بریلوی کو تھا۔ اس کے باوجود امام احمد رضا نے کسی کی کوئی پرواہ نہیں کی اور نہ ہی اپنی جبین سعادت پر کسی قسم کی کوئی شکن آنے دی۔ حتیٰ کہ انھیں اپنے تنہا ہونے کا بھی احساس نہ تھا۔ ایسا اس لیے ہوا کہ انھیں اپنے مرشد گرامی کی توجہِ خاص پر مکمل اعتماد تھا کہ اسی توجہِ خاص نے امام احمد رضا کو ''سونا'' بنادیا تھا اس کی کیا کیفیت تھی؟ اس کا مطالعہ کریں۔

حضرت مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رضا اور ان کے والد گرامی مولانا نقی علی خاں کو ریاضت ومجاہدہ کرائے بغیر بیعت بھی کیا اور خلافت واجازت سے بھی نوازا یہ، عنایت ونوازش کسی اور خانقاہ میں کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو مگر خانقاہِ برکاتیہ ایک ایسی خانقاہ ہے جہاں اسے زبردست اہمیت حاصل ہے، اور اس کا افادی پہلو اس قدر روشن وتابناک ہے کہ کوئی بھی دانش وراسے نظر انداز نہیں کرسکتا، یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدنا شاہ آل رسول کے ولی عہد پوتے اور خلیفۂ بے نظیر سیدنا شاہ ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ نے عرض کیا: حضور! آپ کے یہاں بڑی ریاضت ومجاہدہ کے بعد ہی خلا فت دی جاتی ہے لیکن امام احمد رضا اور ان کے والد گرامی کو کس طرح خلافت واجازت دے دی؟

سید شاہ آل رسول نے ارشاد فرمایا: اور لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں اس کے تزکیہ کے لیے ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ دونوں مصفّٰی مزکی قلب لے کر آئے، انھیں ریاضت ومجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ انھیں تو بس اتصالِ نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حا صل ہوگئی...... اور مزید ارشاد فرمایا: مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز حشر اگر احکم الحٰکمین نے سوال فرمایا کہ اے آل رسول! تو میرے لیے کیا لایا ہے تو میں کیا پیش کروں گا؟ مگر خدا کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہو گئی۔ اس وقت میں احمد رضا کو پیش کردوں گا۔ (ترجمان اہل سنت، پیلی بھیت، شمارہ پنجم تادہم)

بیعت وخلافت کا واقعہ ۱۲۹۴ھ میں پیش آیا جب آپ کی عمر شریف صرف ۲۲؍سال کی تھی اس

میں مختلف قسم کی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

اول...... یہ کہ آپ کا دل نہایت ہی صاف ستھرا اور مصفّٰی ومزکی تھا۔

دوم...... یہ کہ مرشد گرامی کی بارگاہ عالی وقار میں زبردست قدر دانی اور عزت افزائی ہوئی۔

سوم...... یہ کہ فوراً ہی خلافت واجازت سے نوازے گئے۔

چہارم...... یہ کہ آپ تشبیہی توجہ سے نوازے گئے، امام احمد رضا اپنے مرشد کے ساتھ خانقاہ کے دروازۂ سنگینی سے برآمد ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سیدنا آل رسول عنفوان شباب میں رونق افروز ہیں اس صورت میں داڑھی کی سپیدی اور سیاہی سے ہی فرق کیا جا سکتا تھا۔ مذکورہ چاروں خصوصیات کے تناظر میں اعلیٰ حضرت کی شخصیت منفرد وممتاز نظر آتی ہے، وہ کون ہے جو ایسی شخصیت پر اپنے قلب ونظر نچھاور نہ کرے میں تو یہی کہوں گا کہ حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی علیہ الرحمہ نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی تشبیہی توجہ سے نوازا ہوگا، امام احمد رضا نے بھی اپنے کردار وعمل اور دینی خدمات سے مرشد گرامی کی امیدوں کی بھرم رکھ لی اور، فخر وناز کے گلشن کو آباد کر دیا، ذیل میں آپ دیکھیں گے کہ امام احمد رضا نے خانقاہوں کی ضرورت وافادیت کو دلائل کی روشنی میں ثابت کیا اور شیخ طریقت کی کیا حیثیت ہے؟ اسے بھی ثابت کیا۔

شیخ طریقت کی ضرورت

اسلام وسنت میں شیخ طریقت کو کافی اہمیت حاصل رہی ہے، کوئی بھی دانش ور طبقہ اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ انکار انسان کے فطری تقاضوں کا انکار ہوگا، شاید کوئی یہ سوچے کہ اس سے اور انسان کے فطری تقاضوں سے کیا تعلق؟ ہاں! تعلق ہے اور ضرور ہے یہ صرف سوچ کا پھیر ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان بہ حیثیت انسان اپنی تمام ضرورتوں کو پورا کر لے اور کسی دوسرے انسان کو اپنا ہادی ورہنما نہ بنائے، ایسا ہونا ناممکن ہے اس کا کوئی نہ کوئی ہادی ورہنما ضرور ہوگا۔ یہ ایک عام ضرورت ہے۔ اس عام ضرورت کے تحت شیخ طریقت کو بھی رکھا جائے تب بھی نہ خانقاہوں کا انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی پیران عظام کا۔ جہاں تک ان نفوسِ قدسیہ کو مندر کے پجاریوں اور برہمنوں کی منزل پر رکھنا نہ صرف ان کا انکار ہے بلکہ ان کی بارگاہ میں سوءادبی سے پیش آنا ہے جیسا کہ ''موج کوثر'' میں تحریر کیا گیا ہے، کیا موج کوثر کے مصنف کو یہ معلوم نہیں کہ جانب ادب میں خطا اس سے لاکھ گنا بہتر ہے کہ اس کے جانب مخالف میں خطا کی جائے اور معاملہ گستاخی کی حد تک جا پہنچے، فرق ہائے باطلہ کے اکابر اور کچھ مورخین سے اسی قسم کی خطا واقع ہوئی ہے۔ اب رہی بات خاص ضرورت کی تو اس بارے میں عرض ہے، اس کے لیے کچھ تمہیدی کلمات پیش کیے جا رہے ہیں جو امام احمد رضا ہی کی تحریروں سے اخذ کیے گئے ہیں۔

اولاً...... فلاح کہ اس سے مراد کامیابی انجام کار ہے اور یہ دو طرح کی ہوتی ہے......

(الف) رستگاری - اگرچہ معاذ اللہ سبقت عذاب کے بعد ہو...... یہ عقیدہ اہل سنت میں ہر مسلمان کے

لیے لازم کسی بیعت ومریدی پر موقوف نہیں اس کے لیے صرف نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرشد جاننا کافی ہے۔

(ب)...... وقوع - یعنی کسی بندۂ مومن کا سبقت عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہونا۔ محض مشیت الٰہی پر موقوف ہے اور اہل سنت کا عقیدہ و مذہب ہے اگرچہ وہ ملکوں کبیرہ کا مرتکب ہو اور وہ ایک صغیرہ پر گرفت فرمائے اگرچہ وہ کروڑہا نیکیوں کا مالک ہو مگر وہ ایسا نہیں کرے گا صرف گناہ صغیرہ پر عذاب دے تو عدل ہوگا اور ثواب عطا کرے تو یہ فضل ہوگا۔

(ج)...... امید - اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کے اعمال وافعال واقوال واحوال ایسے ہوں کہ اگر انھیں پر خاتمہ ہو تو کرم الٰہی سے امید واثق ہے کہ وہ اپنے اس بندہ کو عذاب دیے بغیر جنت میں داخل کرے۔ یہی وہ فلاح ہے جس کی تلاش کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

اول - فلاح، ظاہر اس سے مراد یہ کہ دل اور بدن دونوں پر جتنے احکام الٰہیہ ہیں سب بجا لائے کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے اور نہ کسی صغیرہ پر مُصر رہے اسی کو فلاح تقویٰ کہا جاتا ہے،

دوم - قلب، اور قالب دونوں پاک صاف ہوں صفات ذمیمہ سے پاک اور خصائل حمیدہ سے لیس ہوں اسے فلاح احسان بھی کہا جاتا ہے۔

نوٹ: امید وہ فلاح ہے جس میں پیر ومرشد کی ضرورت پیش آتی ہے اور کہا جاتا ہے پیر کے بنا فلاح نہیں ملتی۔ اس سے پیر کی خاص ضرورت کا احساس ہوتا ہے پیر کی ضرورت بعینہ خانقاہ کی ضرورت ہے تو پھر یہ منکرین کس منہ سے خانقاہ اور اس کی ضرورت کا انکار کرتے ہیں، کوئی ان سے پوچھے تو؟

ثانیاً - اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہر انسان کو مرشد کی ضرورت پڑتی ہے کسی کو بھی اس سے چارہ نہیں تو پھر ہر ایک انسان کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے تاکہ مرشد سے رہنمائی حاصل کرنے میں کسی طرح کی کوئی دقت پیش نہ آئے، مرشد کی توضیح بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا فرماتے ہیں: اقول، اب مرشد بھی دو قسم ہے: اول - عام کہ کلام اللہ، کلام الرسول، کلام ائمہ شریعت وطریقت وکلام علمائے دین، اہل رشد وہدایت ہے اسی سلسلۂ صحیحہ پر کہ عوام کا ہادی، کلام علماء۔ علماء کا ہادی، کلام ائمہ۔ ائمہ کا ہادی ومرشد، کلام رسول۔ رسول کا پیشوا کلام اللہ۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم...... فلاح ظاہر ہو خواہ فلاح باطن اُسے اس مرشد سے چارہ نہیں جو اس سے جدا ہے بلاشبہ وہ کافر یا گمراہ ہے...... دوم - خاص جسے پیر وشیخ کہتے ہیں پھر دو قسم ہے۔

(الف) شیخ اتصال سے مراد وہ مرشد ہے جس کے ہاتھ پر بیعت ہونے سے انسان کا سلسلہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک متصل ہو جاتا ہے اس کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

(۱) شیخ کا سلسلہ متصل ہو بیچ میں کسی طرح کا انقطاع نہ ہو، (۲) شیخ سنی صحیح العقیدہ ہو، (۳) عالم ہو

یعنی مسائل شریعت اور عقائد اہل سنت سے واقف ہو کہ کفر و اسلام اور ضلالت و ہدایت کے درمیان فرق کر سکے، (۴) پیر فاسق معلن نہ ہو اتصال اگر چہ اس پر موقوف نہیں کہ محض فسق باعث فسخ نہیں۔ مگر دونوں کا اجتماع باطل محض ہے کہ فسق توہین کو واجب کرتا ہے اور پیر تعظیم کو۔

(ب) شیخ ایصال۔شیخ اتصال کی مانند شرائط اربعہ کا جامع ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ مفاسد نفس، مکائد شیطان اور مصائد ہوا سے آگاہ ہو۔ دوسرے کی تربیت جانتا ہو اور اپنے متوسلین پر شفقت تامہ رکھتا ہو کہ اس کے عیوب سے اسے مطلع کرے اور ان کا علاج بتائے جو مشکلات اس راہ میں پیش آئیں حل فرمائے۔ نہ محض سالک ہو نہ نرا مجذوب کہ عوارف شریف میں ان دونوں کو پیری کے قابل نہیں بتایا بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ مجذوب سالک ہو یا پھر سالک مجذوب ہو مگر اول کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہتر فرمایا ہے......

نوٹ: ارباب فکر سے التجا ہے غور کریں کہ ''مرشد'' کی تمام قسموں میں سے ''مرشد عام'' سے رہنمائی حاصل کیے بغیر کوئی چارہ نہیں اور ''مرشد خاص'' میں سے شیخ اتصال اور ایصال سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے اور ان سے دارین کی فلاح مل سکتی ہے مگر افسوس اس بات پر ہے کہ خود ان سے استفادہ نہیں کرتے اور دوسروں کے استفادہ کی راہ میں حائل ہوتے ہیں یہ سراسر مکر شیطان اور نرا ہوا و ہوس ہے ایسے شیطان نما انسان سے بچنا چاہیے کہ کہیں ان کا عیب خوش عقیدہ لوگوں میں نہ سرایت کر جائے،

ثالثاً- بیعت، مرشد کے ہاتھوں خود کو بیچ دینے کا نام ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

اول- بیعتِ برکت کہ صرف برکت کے لیے داخل سلسلہ ہو جانا۔ آج کل عام بیعتیں یہی ہیں۔ جو بیکار نہیں ہیں بلکہ مفید کار آمد ہیں کہ ان سے دارین کی سعادتیں منسلک ہیں اور ان کے زمرے میں شامل ہونے پر رحمت و انوار کی بارشیں ہوتی ہیں کیوں کہ زمرے میں شمولیت دو چیزوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔

اول- مشابہت۔ دوم- مجالست...... مشابہت کے تعلق سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا **من تشبہ بقوم فھو منھم** کہ جس نے جس قوم سے مشابہت اختیار کی پس وہ انھیں میں سے ہے......

دوم- مجالست کے تعلق سے بخاری شریف میں ہے **لا یشقیٰ بھم جلیسھم** کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا کبھی بدنصیب نہیں ہوتا......اور اگر کوئی ان سے بے زاری اختیار کر کے خود اپنے آپ کو بدنصیب بنا لے تو بتائیے۔ پھر اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ دوم بیعت ارادت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ارادہ و اختیار سے یک سر باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخ مرشد، ہادیِ برحق واصلِ بحق کے ہاتھوں بالکل سپرد کر دے مطلقاً اپنا حاکم و مالک اور متصرف جانے، اس کے چلانے پر راہِ سلوک چلے، کوئی قدم اس کی مرضی کے بغیر نہ رکھے۔ اس کے بعض احکام یا اپنی ذات میں کچھ کام اس کے نزدیک صحیح نہ معلوم ہوں انھیں افعال خضر علیہ السلام کے مثل جانے اور اپنی عقل کا قصور تصور کرے، اس کی کسی بات پر اپنے دل میں بھی

اعتراض نہ لائے اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے غرض کہ اس کے ہاتھ میں، مردہ بدست زندہ ہو کر رہے......

اعلیٰ حضرت بریلوی کی تعلیمات وارشادات میں سے چند جھلکیاں پیش کی گئیں انھیں پڑھیں اور غور کریں اور پھر بتائیں۔ کیا شیوخِ طریقت اور خانقاہوں سے بے زاری کا کوئی بھی جواز اور کہیں بھی ملتا ہے؟ نہیں ہر گز نہیں۔ یہی انصاف و دیانت کا تقاضا ہے مگر اس کے لیے جو انصاف پسند ہو۔ وہ جو اندھی بصیرت رکھتا ہو سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے بالکل عاری ہو اس کے لیے تو مہر درخشاں، اندھیروں کا صرف اور صرف ایک گولا ہے گولے کے سوا وہ کچھ نہیں...... خانقاہی نظام کے منکرین اور شیوخ طریقت کی بارگاہ عالی وقار میں سوءادبی کے مرتکبین بھی کچھ ایسے ہی لوگوں کے زمرے میں شامل ہیں۔ انھیں کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ سمجھایا جائے تو کیا سمجھایا جائے؟ خواہ فرقِ باطلہ کے اکابر علما ہوں یا ان سے متاثر تاریخ نگار افراد...... خانقاہی نظام اور شیوخ طریقت کی عظمت و اہمیت اور افادیت کو وہی سمجھ سکتا ہے جو فن تصوف کے اسرار و رموز سے واقف ہو اور اس کے دقایق سے آشنا ہو اسے تو اعلیٰ حضرت نے سمجھا اور خوب سمجھا، اور ایسا سمجھا کہ اوروں کو بھی سمجھا دیا......بغیر پیر کے فلاح نہیں......جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے، ان دونوں باتوں کے متعلق افریقا سے حاجی اسماعیل میاں نے سوال کیا، امام احمد رضا بریلوی نے نہایت ہی شرح وبسط سے اس کا جواب عنایت کیا، حکم مسئلہ بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں: مطلق فلاح کے لیے مرشد عام کی قطعاً ضرورت ہے، فلاح تقویٰ ہو یا فلاح احسان، اس مرشد سے جدا ہو کر ہر گز نہیں مل سکتی اگر چہ مرشد خاص رکھتا ہو بلکہ خود مرشد خاص بنتا ہو۔ فلاح تقویٰ، اقول، اس کے لیے مرشد خاص کی ضرورت بہ ایں معنیٰ نہیں کہ بے اس کے یہ فلاح مل ہی نہیں سکتی جیسا کہ اوپر گزرا فلاح ظاہر ہے اس کے احکام واضح ہیں آدمی اپنے علم سے یا علما سے پوچھ پوچھ کر متقی بن سکتا ہے، اعمال قلب میں اگر چہ بعض دقایق ہیں مگر محدود اور کتب ائمہ مثل امام ابو طالب مکی، امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہما میں مشروح تو بے بیعت خاص بھی اس کی راہ کشادہ۔ اس کا دروازہ مفتوح۔ یہ جب کہ اسی قدر پر اقتصار کرے تو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ غیر متقی سنی بھی بے پیرا نہیں۔ متقی کیوں کر بے پیرا؟ یا معاذ اللہ مرید شیطان ہو سکتا ہے اگر چہ کسی خاص کے ہاتھ پر بیعت نہ کی یہ جس راہ میں ہے اس میں مرشد عام کے سوا مرشد خاص کی ضرورت ہی نہیں تو جتنا پیرا سے درکار ہے، حاصل ہے۔

امام احمد رضا کی اس تحریر کو پڑھیے اور خوب غور سے پڑھیے مسئلہ حل ہو جائے گا کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے کم از کم وہ مرشد عام سے انکار نہیں کر سکتا ہے اور جس کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں تو اس سے کیا بعید۔ کہ وہ کیا کر بیٹھے جہاں تک مرشد خاص کی بات ہے اس کی بھی ضرورت پیش آتی ہے کہ ارشاد ربانی ہے:

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کہ اہل ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے ہو۔

یہاں اہل ذکر سے مراد وہ مرشد خاص ہے جو درج ذیل اوصاف کا حامل ہو:

(۱) مبتدع اور جاہل نہ ہو

(۲) شیخ اتصال یا ایصال ہو

(۳) اس کے ساتھ ساتھ قابل ایصال بھی ہو...... جو راہ سلوک طے کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ مذکورہ اوصاف کے حامل پیر کو ہی تلاش کرے۔ مبتدع یا جاہل پیر کا مرید ہونا، اسی طرح کسی غیر اتصال یا غیر ایصال شیخ کا مرید ہونا اور کسی صحیح پیر کے احکام کی پیروی نہ کرنا اور خودرائی سے کام لینا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اس کا پیر کوئی اچھا پیر نہیں۔ بلکہ وہ شیطان کا مرید ہے خواہ اس میں قصور کسی پیر کا ہو یا کسی مرید کا......

اعلیٰ حضرت بریلوی نے ''خانقاہی نظام'' کے تعلق سے تین ذمہ داریاں نبھائیں:

اولاً- پیر کیسا ہو؟ اس میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہیے۔ اس کے سلسلہ کی نوعیت کس طرح کی ہونی چاہیے؟ ان تمام باتوں کی وضاحت مذکور بالا صفحات میں کر دی گئی ہے ان کے مطالعہ سے آپ اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں......

ثانیاً- مرید کیسا ہو؟ اور اسے کیا کرنا چاہیے؟ مرید پر لازم ہے پیر کا ادب کرے اس کی تعظیم بجالائے اس کے خلاف اپنی زبان سے ''اُف'' بھی نہ کہے۔ اس کے بتائے ہوئے خطوط سے نہ دائیں منحرف ہو اور نہ بائیں، اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ ذرا سی غلطی بہت بڑے نقصان کا پتا دیتی ہے اسی لیے ہمارے بزرگوں نے ارشاد فرمایا کہ ؏

بمئے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

ثالثاً- سیدی اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے تازیانۂ قلم سے ان لوگوں کی زبردست خبر لی ہے جنھوں نے اپنی زبان وقلم سے خانقاہی نظام اور اس کے معمولات ومراسم کی مخالفت کی اور ان مراسم پر کفر وشرک کے فتوے لگائے۔ اعراس، چادر، گاگر شریف، نیاز وفاتحہ، میلاد وقیام اور دوسرے پروگراموں کو ان بدعقلوں نے نہ معلوم کیا کیا کہا؟ بدعت وگم راہی اور کفر وشرک انھیں کے الفاظ ہیں جن سے غیض وغضب، نفرت وکدورت اور منفی جذبات کی نشان دہی ہوتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ عجلت میں اُٹھایا ہوا قدم ہے جو حیرت وکشمکش کا آئینہ دار ہے شاید ان افراد نے خانقاہی معمولات ومراسم کے پس منظر میں جھانکنے کی کوشش نہیں کی اگر یہ تھوڑی محنت کر لیتے تو بہت کچھ ملتا جس کے سبب ان کے پھسلتے قدموں میں طاقت وتوانائی پیدا ہو جاتی اور علمی، فکری میدان سے اس طرح سلامت روی سے گزر جاتے کہ کوئی بھی حادثہ ان کے دامن کے قریب بھی نہ آتا، مگر قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے؟ امام احمد رضا نے عملی تنقید کے میدان میں قدم رکھتے ہوئے ان کی تحریروں کی جو بخیہ ادھیڑی ہے کہ ان کے دامن کا کوئی تار سلامت نہ رہ سکا اور چاروں خانہ چت ہو کر گر پڑے......

خانقاہی نظام اور اس کے معمولات ومراسم کے پس منظر ایک جذبۂ خوش گوار مرکزی کردار ادا کر رہا ہے اور وہ جذبہ شخصی وفاداری کا فروغ وارتقا ہے۔ میلاد وقیام کے تحت اہل خانقاہ مسلمانوں کے دلوں میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت کے تئیں وفاداری کا جذبہ بیدار کیا جاتا ہے، جہاں تک اعراس، چادر وگاگر کی بات ہے اس کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان وحدہٗ لاشریک کے محبوب بندوں سے محبت ووفاداری کے پاک جذبوں کو بڑھاوا دیا جاتا ہے، اور اس بات کی تلقین کی جاتی ہے کہ ان آستانوں پر حاضری دینے سے ہمارا کچھ نہیں جاتا بلکہ ان کے مزار پاک سے بہت کچھ ملتا ہے۔ اور اس قدر ملتا ہے کہ ہمارا وہم وگمان بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا ہے اس طرح سے باطنی فیض وبرکت کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، ظاہری احوال وآثار ہی سب کچھ نہیں ہیں، کیفیاتِ دروں، سوزش قلب، حدتِ عشق، سوز وگداز، معرفت نفس، اور دلوں میں پاک جذبوں کے سوتوں کا ابلنا بھی کوئی چیز ضرور ہے، فکر وشعور کی نظروں میں اس کی بھی کوئی اہمیت ہے اس کی افادیت سے انکار! گویا چڑھتے سورج کا انکار ہوگا، امام احمد رضا نے اس انکار پر زبردست روک لگا دی اور اس کے ارد گرد ایسی سد سکندری کھینچ دی کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتی ہے اور نہ ہی اسے اس کی جگہ سے ہلا سکتی ہے...... یہ صرف ان کے فکر وفن کی مضبوطی نہیں بلکہ اس باطنی فیض کا بھی کرشمہ ہے جو انھیں مرشدانِ عظام کی بارگاہوں سے ملا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ سرکار قادریت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا۔ فیض کا سلسلہ یہیں پر آکر نہیں رکتا بلکہ یہ اور آگے بڑھتا ہے اور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے۔ اس دربار عالی وقار سے انھیں کیا ملا؟ یہ بتانا بہت زیادہ مشکل ہے دینے والا جانے اور لینے والا جانے...... اس بارے میں میرا اپنا نظریہ یہ ہے کہ امام احمد رضا کے پاس جو کچھ بھی ہے سب انھیں کا ہے کیوں کہ باطنی فیوض وبرکات کی درخشانیاں ہی ان کی شخصیت پر غالب نظر آتی ہیں۔ ذرا دیکھیے تو ان کے یہاں تحریروں، لفظوں میں، عشق ووفا، خلوص اور پیار ومحبت کی نکہتیں بسی ہوئی ہیں، یہ بات نہ صرف اپنوں نے ہی کی بلکہ غیروں نے بھی اس کا اعتراف کیا اور برملا اظہار کیا...... اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کے دل میں اسلام ومذہب، قوم وملت، سماج ومعاشرہ اور خانقاہوں کا کس قدر درد تھا کہ اس کی دفاع میں تن من دھن سے جڑ گئے اور کسی کا انتظار بھی نہ کیا، حالاں کہ راہ سنگ لاخ تھی، کانٹوں سے پٹی ہوئی تھی، پاؤں میں آبلے پڑنے کا بھی اندیشہ تھا۔ شاید کوئی اور ہوتا تو ان کی ہمت ٹوٹ جاتی۔ حوصلہ زمین دوز ہو جاتا لیکن امام احمد رضا کی جرأت وشجاعت، ہمت وحوصلہ کی داد دیجیے کہ باطل فرقوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ارشاد فرمایا:

کلکِ رضا ہے خنجر خوں خوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

اس شعر کو پڑھیے اس کے اک اک لفظ سے فاروقی جلال ٹپک رہا ہے، کلکِ رضا **اشداء علی الکفار** کی منھ بولتی تصویر نظر آتی ہے، یہ تصویر کا ایک رخ ہے جو دین و مذہب کے معاملے میں تصلب اور استقامت کو ثابت کر رہا ہے۔ اس کا دوسرا رخ دین و مذہب والوں کے تئیں دل میں نرم گوشہ کا ہونا ہے اور خوش گوار جذبوں کا پایا جانا ہے اگر ہم ایسا تصور نہیں کرتے ہیں تو...... نظریۂ تقابل، دھندلا دھندلا سا دکھائی دے گا۔ امام احمد رضا نے کس خوش گوار موڈ میں یہ ارشاد فرمایا، اسے دیکھیے اور انھیں لاکھوں سلام کیجیے......

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

ان اشعار میں کیا درد و محبت ہے، کیسا پیارا انداز ہے اور کیسی اپنائیت ہے؟ انھیں بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے کیا یہ **رحماء بینھم** کی سچی تصویر نہیں؟ ہاں ہے اور یقیناً ہے یہی تو وہ جذبہ ہے جسے ہم **الحب للہ والبغض للہ** کی عملی تصویر کہتے ہیں، جو ایک مومن کی عظیم شان ہے، ہر بندۂ مومن کو ایسا ہی ہونا چاہیے اور وہی کردار و عمل پیش کرنا چاہیے جو کردار و عمل امام احمد رضا نے قوم و ملت کے سامنے پیش کیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے وہ کردار و عمل کیا ہے یہ ایک واضح سی بات ہے اس کے باوجود میں اس کی وضاحت کیے دیتا ہوں تاکہ موضوع سخن کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے، جس قدر باطل فرقے ہیں انھوں نے اہل خانقاہ اور شیخ طریقت کا انکار کیا اور پھر ان سے جدائی اختیار کی...... قادیانی...... نیچری...... چکڑالوی...... رافضی...... خارجی...... اور دیوبندی وغیرہم...... اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

بالجملہ- جملہ مرتدین معاندین دین سب مرشد عام کے مخالف و منکر ہیں، یہ اشد ہالک ہیں۔ اور ان سب کا پیر یقیناً شیطان ہے اگرچہ بظاہر کسی کی بیعت کا نام لیں بلکہ خود پیر و ولی و قطب بنیں۔ (امام احمد رضا اور تصوف)

ان معاندین ملت نے نہ صرف خانقاہوں کا انکار کیا بلکہ ان تمام سوتوں کو پورے طور پر بند کرنے کی کوشش کی جہاں جہاں سے برکتوں کا فیض اور رحمتوں کی سوغات ملتی تھی، مثلاً - ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روضۂ پاک...... مزارات اولیا اور ان کی شخصیتیں...... میری سمجھ میں نہیں آتا یہ کیسے لوگ ہیں کہ دوسری قومیں اپنے بزرگوں کو یاد رکھتی ہیں اور یہ ایسے ہیں کہ بزرگوں کی یادیں دلوں سے محو کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس طرح ماضی سے رشتہ توڑنا کسی بھی قوم کے عروج و ارتقا میں روڑے اٹکانے کے مترادف ہے شاید انھیں نہیں معلوم کہ ماضی کے سنسان صحرا میں علم و فن، فکر و شعور، عشق و وفا،

خلوص و پیار کی بکھری ہوئی خوش بوئیں ہی حال اور مستقبل کے پیرہنوں کو مہکاتی ہیں اور کشش کا باعث بناتی ہیں جب آپ نے ماضی ہی سے رشتہ توڑ لیا تو بتایئے آپ عشق و وفا کی خوش بو کہاں سے لائیں گے؟ فکر و شعور کا جمال کہاں ملے گا؟ اور اعتباریت کی سند کون دے گا؟ بگڑے ہوئے ماحول اور تاریکیوں میں بسی فضاؤں میں روشنی کی کرن کہاں پھوٹے گی؟ یہ کیسے بے عقل ہیں جو ماضی سے بیر رکھتے ہیں، حال اور مستقبل کو سنوارنا چاہتے ہیں یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی انسان بنیاد کے بغیر شان دار عمارت کھڑی کرے اور عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرے، یہ نری حماقت ہے دانش مندی نہیں، دانش مند وہ انسان ہے جو اپنے حال و مستقبل کی زندگی میں ماضی کی بہاروں کو جنم دے اور یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب ہم خانقاہوں سے جڑے رہیں گے...... بزرگوں کے آستانوں سے اکتساب فیض کرتے رہیں گے۔ امام احمد رضا کا انصاف دیکھیے جہاں انھوں نے خانقاہ و شیخ طریقت کے منکرین کو دنداں شکن جواب دیا وہیں انھوں نے ان معمولات و مراسم پر بھی تنقید و تنبیہ فرمائی جو خلاف شرع تھے۔ اس تنبیہ پر کچھ خانقاہ والے چراغ پا ہو گئے، ان کی آنکھیں لال پیلی ہو گئیں اور پوری طور پر بپھر گئے نہ دیکھا آؤ نہ دیکھا تاؤ اعلیٰ حضرت کی طرف سے اپنے دلوں میں نفرت و کدورت کی چنگاریاں سلگا لی۔

ہندوستان میں ایسی بھی خانقاہ تھی جہاں سجدۂ تعظیمی کا رواج تھا پیر صاحب اپنے مریدوں سے سجدۂ تعظیمی کراتے تھے، اس خانقاہ کے شہزادوں سے میری ملاقات ہوئی انھوں نے پورے طور پر اس کے جائز ہونے کی وکالت کی۔ امام احمد رضا کو شریعت کے خلاف کوئی کام یا بات پسند نہ تھی۔ اصلاح کی پوری کوشش فرماتے تھے...... مدرسہ ابراھمیہ، واقع پھاٹک شیخ سلیم بنارس کے حافظ عبدالسمیع صاحب نے ۹/رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ کو سجدۂ تحیت کے بارے میں سوال کیا...... اسی کے تعلق سے دوسرا سوال خیر نگر دروازہ میرٹھ سے نواب ممتاز علی خاں کے نبیرہ مظاہر الاسلام صاحب نے ۲۹/شوال ۱۳۳۷ھ ارسال کیا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے ان دونوں سوالوں کا نہایت ہی تفصیل سے جواب دیا جو خود اپنے طور پر ایک کتاب ہے اور اس کا نام ''الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ'' ہے یہ کتاب ۶/فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصلِ اول- قرآن کریم سے سجدۂ تحیت کی تحریم،
فصلِ دوم- چالیس حدیثوں سے سجدۂ تحیت کی تحریم،
فصلِ سوم- ایک سو دس نصوصِ فقہ سے سجدۂ تحیت کی تحریم،
فصلِ چہارم- خود بکر کی سندوں اور اسی کی مستندوں اور اسی کے منھ سے قرآن مجید، احادیث متواترہ و اجماع علما و اجماع اولیا سے سجدۂ تحیت کی تحریم،
فصلِ پنجم- اس ذرا سی تحریر میں بکر کے افترا، اختراع کذب خیانت جہالت سفاہت کا اظہار،

فصلِ ششم۔سجدۂ آدم و یوسف علیہما الصلاۃ والسلام کی بحث اور اس سے استدلال مجوز کا قاہرا بطال وغیرہ

مذکورہ فصول سادسہ سے آپ بہ خوبی اندازا لگا سکتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت بریلوی نے نظریاتی،عملیاتی دونوں قسم کی تنقیدوں سے کام لیا۔قرآن پاک،احادیث طیبہ اور علم فقہ کے تمام نصوص،نظریاتی تنقید کے زمرے میں آتے ہیں اور بقیہ تین فصلیں عملیاتی تنقید کے زمرے میں آتی ہیں۔نظریاتی تنقید دلوں کو مطمئن اور ذہنی شکوک وشبہات کا ازالہ کرتی ہے جب کہ عملیاتی تنقید ذہنی فکری آوارگی کو دور کرتی ہے،جس تحریر میں دونوں قسم کی تنقیدیں پائی جائیں وہ تحریر نہ صرف اپنے دور میں بلکہ آنے والے ادوار میں بھی نادر ونایاب ہوتی ہے،اس کی ندرت کسی بھی دور میں میلی نہیں ہوتی بلکہ اس میں شب وروز اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے یہی سبب ہے کہ امام احمد رضا کا شخصی کمال کل بھی انفرادی حیثیت کا مالک تھا آج بھی ہے اور آئندہ کل بھی رہے گا حالاں کہ معاندین وحاسدین دونوں اس انفرادیت کو مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔مگر وہ اپنے اپنے مقصد میں کام یاب نہ ہو سکے۔ارے بھئی یہ ایک حقیقت ہے وہ جسے دے رہا ہے اسے کون مٹا سکتا ہے؟

مروجہ قوالی بھی ایک اہم مسئلہ رہا ہے جو آج بھی زیادہ تر خانقاہوں میں رائج ہے،مزامیر اور ڈھولک کی آواز پر جھوٹے قسم کے صوفیا رقص کرتے ہیں عملیاتی طور پر کیفیت حال کا دعویٰ کرتے ہیں حالاں کہ اس بے چارہ کو یہ معلوم نہیں کہ حال کیا ہے؟اور وجد کیا ہے؟جب اسے نہیں معلوم تو پھر حال آ کر ''وجد'' کرنے کا کیا مقصد؟سوائے نمود ونمائش کے اس کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے؟......کہا جاتا ہے وجد میں اگر کسی کو کاٹ بھی دیا جائے تو اسے اس کا احساس تک نہیں ہوتا مجھے خوب یاد ہے کہ جامعہ حمیدیہ رضویہ مدن پورہ بنارس سے متصل کسی کے گھر ایک پیر صاحب تشریف لائے تھے ان کے استقبال میں مروجہ قوالی کا پروگرام رکھا گیا مدرسہ کے طلبا کو کیا شرارت سوجھی؟کہ کچھ طلبا محفل قوالی میں جا پہنچے،قوالی شباب پر تھی اور لوگ وجد ورقص میں منہمک تھے۔موقع پا کر طلبا آگے پہنچے اور وجد کرنے والوں کو سوئی چبھونی شروع کی۔یقین مانیے پھر دوبارہ وجد کرنے کو کوئی بھی نہ اٹھا۔اس سے آپ خود ہی اندازا لگا سکتے ہیں کہ یہ وجد کیسا وجد تھا؟کہ ایک سوئی کی چبھن پر تتر بتر ہو گیا،میں طلبا کے اس فعل کو سراہتا نہیں اسی لیے میں نے طلبا کے اس فعل کو شرارت سے تعبیر کیا ہے۔اعلیٰ حضرت نے اس طرح کی قوالی کو حرام،اشد حرام قرار دیا ہے جو افراد ''رضویات'' سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں میرے امام نے اس مسئلہ کی تحقیق میں اپنے علم وفن کے دریا بہا دیے ہیں،اس تحقیق کے ذریعہ امام احمد رضا صرف خانقاہ اور اہل خانقاہ کی اصلاح کرنا چاہتے تھے اس کے سوا آپ کا اور کوئی مقصد نہ تھا مگر نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اہل خانقاہ نے اسے دوسرے انداز میں لیا،نہ صرف لیا بلکہ انھوں نے ان کی طرف سے اپنے دل میں بیر رکھ لی اور ان کی مخالفت پر اتر آئے،کسی نے شخصیت کو

مجروح کرنے کی کوشش کی اور کسی نے ان کی ذات کی طرف مسلک کی نسبت پر انگلی اٹھائی اوروں کا حال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی خانقاہ میں ان کا نام لینا اور اپنی مجلس میں،خانقاہی پروگراموں میں ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے پڑھنے کو ممنوع قرار دیا اور نجی محفلوں میں یہ افراد امام احمد رضا بریلوی پر خوب جم کر تنقید کرتے ہیں۔لیکن ہمیں افسوس ان تنقید کرنے والوں پر نہیں۔بلکہ ان افراد ذی وقار پر ہے جو دھوپ کی تمازت میں چمکنے والی ریت کو ''آبِ رواں'' تصور کر بیٹھے ہیں اور ان کی ''ہاں'' میں ''ہاں'' ملاتے ہیں،اسے رفتار زمانہ کا مزاج کہا جائے یا پر اعتماد خودی کا کرشمہ،خیر! کچھ بھی ہو چڑھتا سورج تو چڑھتا سورج ہے وہم وگماں یا کبر ونخوت کی ظلمتیں کب تک پیچھا کریں گی۔ایک نہ ایک دن ظلمتوں کو دور ہونا ہے پھر خورشید کی وہی تابانیاں ہوں گی اور دن کے اجالے ہوں گے۔اور حقیقت کے جلوے آشکارا ہوں گے۔

مزارات پر عورتوں کی حاضری

مزارات پر عورتوں کی حاضری کا مسئلہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے،اس وقت مزارات پر عورتوں کی حاضری کثرت سے ہوتی ہے جس مزار پر دیکھیے عورتوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے،اس کے پیچھے وہ کون سا اور کیسا جذبہ ہے جو کام کر رہا ہے اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے،حقیقت یہ ہے کہ مزارات کے نگراں حضرات ہی ان کاموں کو بڑھاوا دے رہے ہیں،اس کے پس منظر جیبوں کو گرم کرنے کے سوا اور کچھ نہیں چوں کہ عورتوں سے بہ آسانی پیسے مل جاتے ہیں،اب رہی بات مردوں کی تو ان سے مقصد کی حصول یابی میں کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے،امام احمد رضا مزارات پر عورتوں کی حاضری کے سخت مخالف تھے ان سے پوچھا گیا مزارات پر حاضری کیسی ہے؟آپ نے فرمایا:''یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا،جائز ہے یا نہیں بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے،اللہ کی طرف سے،اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے،جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے،اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں،......سوائے روضۂ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں،وہاں کی حاضری البتہ سنتِ جلیلہ عظیمہ قریب بواجبات ہے۔الخ(الملفوظ دوم،ص ۱۰۶)

اعلیٰ حضرت کی اس تعلیم پر اہل خانقاہ نے غور نہ کیا کاش! اگر وہ اس پر غور کر لیتے تو طعن وتشنیع کی زبان قطعی دراز نہ کرتے......اور معاملات کی گہرائی میں اتر کر تھوڑی سی دانش مندی سے کام لیتے تو انھیں خوف ورضا کے لعل وگہر ملتے اور بے لوث جذبوں سے ان کی دنیا آباد رہتی اور کسی کی طرف للچائی ہوئی نظر سے نہ دیکھتے ان کی لاپروائی اور بے اعتنائی سے قوم وملت کو کس قدر نقصانات پہنچ رہے ہیں شاید انھیں اس بات کا احساس نہیں۔

(الف) گم راہ فرقوں نے صاحب مزار کی شخصیت کو مجروح کیا ان کی تصرفاتِ غیبی سے انکار کیا۔فیوض

وبرکات کا بھی انکار کیا اور ان کے آستانوں پر آنے والوں کو ناسمجھ بے وقوف تصور کیا۔

(ب) خانقاہی نظام سے متعلق، مقدس و پاکیزہ محفلوں میں غیر شرعی امور کے انجام دیے جانے کے سبب غیروں کو ان محفلوں پر کفر و شرک کا حکم لگانے کا موقع ملا، اور اہل سنت و جماعت کو بدنام کرنے کے مواقع نصیب ہوئے، اس معاملے کے جہاں وہ ذمہ دار ہیں وہیں اس میں ہمارے اپنے لوگ بھی قصوروار ہیں اس بات کو ہم کسی صورت میں نظر انداز نہیں کر سکتے۔

(ج) بات صرف پروگراموں تک محدود نہ رہی بلکہ سجادہ نشینوں اور پیران عظام تک جا پہنچی کہ غیروں نے انھیں بھی ''برہمن و بجاری'' کہا، کیا یہ سوء ادبی اور ان کی توہین نہیں؟ تو پھر بتایئے یہ کیا ہے؟ اس بے ادبی کا ان نگراں حضرات نے کبھی احساس کیا اور ان کے ماتھے پر کوئی شکن نمودار ہوئی؟ نہیں ہرگز نہیں! کاش اگر یہ احساس کر لیتے تو بہت کچھ اصلاح ہو جاتی۔

قربان جائیے! امام احمد رضا محدث بریلوی کی ذات و شخصیت پر کہ انھوں نے اس بات کا احساس کیا نہ صرف یہ کہ احساس کیا بلکہ انھوں نے اپنے اس احساس کو عملی روپ بھی دیا۔ ایک طرف انھوں نے غیروں کو ان کے کیے کی سزا دی، تحریر کے ذریعہ ان کا ردِ بلیغ کیا دوسری طرف اپنے لوگوں کی اصلاح فرمائی...... خانقاہی نظام کی ژولیدہ زلفوں کو سنوارنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر خانقاہوں میں براجمان پیروں نے اس اصلاح کی جانب ذرا سا بھی دھیان نہ دیا اور اپنی پرانی روش پر قائم رہے، ٹس سے مس نہ ہوئے نہ انھوں نے خود اصلاح قبول کی اور نہ ہی اپنے مریدین و متوسلین کو اس طرف دھیان دینے دیا...... اس اڑیل رویہ کو کیا کہا جائے خوب صورت ظلم یا پھر پرکشش انانیت؟ اسی لیے امام احمد رضا نے ایسے افراد کو حاسدین کے زمرے میں شامل کیا اور اس طرح انھوں نے بارگاہِ غوثیت میں یہ استغاثہ پیش کیا کہ:

اک طرف اعدائے دیں ایک طرف حاسدیں
بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروڑوں درود

غیروں کی مخالفت، اپنوں کی طرف سے نفرت و کدورت کے باوجود آپ نے اپنے اصلاحی مشن کو جاری رکھا، پاؤں میں ذرا سی بھی لغزش نہ آنے دی...... انھیں بھروسا اور یقین کامل تھا اپنے پیرانِ عظام غوثِ پاک اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ اور ان کے فیضانِ برکت و نور پر کہ انھوں نے اپنے اصلاحی اقدام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیا اور منزلِ مقصود کو چھو کر ہی سانس لی، راہ میں کانٹے بچھائے گئے زبان کے نشتر چلے۔ نقد و اعتراض کے تیر پھینکے گئے دوسرے شاعروں کی مانند امام احمد رضا کو بھی جھوٹی مدح سرائی کی پر پیچ راہوں میں الجھانے کی کوشش کی گئی، اور تو بن بلائے پہنچ جاتے ہیں، نوابین زمانہ کی قصیدہ خوانی میں آسمان و زمین کے قلابے ملانا شروع کر دیتے ہیں اور بہ

طور انعام بہت کچھ پانے کی امید رکھتے ہیں مگر سرکار اعلیٰ حضرت نے اپنے دامن کو اس طرح کی مدح سرائی سے دور رکھا اور نہایت ہی پر تپاک انداز میں یوں لب کشا ہوئے کہ:

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

امام احمد رضا کے قلبی واردات، دلی جذبات نہایت ہی صاف ستھرے ہیں، ہر طرح کی تلویث سے پاک و بے نیاز یہ کردار و عمل ان کے عملی تصوف کو واضح کر رہا ہے زندگی کا یہی وہ رخ ہے جہاں سے صوفی نظریات نمو پاتے ہیں اور ارتقا پذیر ہوتے ہیں۔ عملیاتی و نظریاتی تصوف کا وہ کون سا پہلو ہے جو ان کے یہاں موجود نہیں، اور آپ کی زندگی کا غالب عنصر صرف اور صرف عشق تھا، عشق رسول میں آپ ایسے مست تھے کہ ہر وقت عشق میں جلنا پسند فرماتے تھے:

اے دل یہ سلگنا کیا جلنا ہے تو جل بھی اٹھ
دم گھٹنے لگا ظالم کیا دھونی رمائی ہے
اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

ان اشعار کو پڑھیے ان میں کسی عاشق مزاج کے دل کی آواز سنائی دیتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی عشق کا مارا ہوا انسان سسکیاں لے رہا ہے اور محبوب دل آرا کے شوقِ دید میں سراپا انتظار بنا ہوا ہے، اور وہ جب دیارِ محبوب میں پہنچتا ہے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے یہ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، ان کی حیات کا اک اک زاویہ پکار اٹھتا ہے کہ ''ما بندۂ عشقیم و دگر نمی دانیم''، چشم حقیقت بیں وا کیجیے اور یہ کیفیت بھی ملاحظہ کیجیے:

ارے اے خدا کے بندو! کوئی میرے دل کو ڈھونڈو
مرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا — نہ کوئی گیا نہ آیا
ہمیں اے رضا ترے دل کا پتا چلا بہ مشکل
درِ روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا — یہ نہ پوچھ کیسا پایا
کبھی خندہ زیر لب ہے کبھی گریہ ساری شب ہے
کبھی غم کبھی طرب ہے نہ سبب سمجھ میں آیا — نہ اسی نے کچھ بتایا

اسی دردناک لب و لہجہ میں پوری نعت لکھی ہوئی ہے پڑھیے اور غور کیجیے کہ شاعر کے دل میں عشق کی واقعی سچی تصویر ہے جس میں غمِ جاناں کا رنگ بھی ہے اور شوقِ دید کا طرب بھی، فنائیت کی قوس قزح بھی ہے اور بقا کا چوکھا رنگ بھی، یادِ محبوب میں کھو جانا بھی ہے اور قدم قدم پر شریعت کا پاس و لحاظ بھی، شاعری کا

پر جوش انداز بھی ہے اور عالم باکمال کا ہوش بھی، اسی منفرد اندازِ بیاں نے امام احمد رضا کی ذات وشخصیت میں انفرادیت پیدا کردی ہے۔ کہا جاتا ہے شاعر کا دل اور ہوتا ہے اور عالم کا اور ہوتا ہے مگر یہاں دونوں کا سنگم دکھائی دیتا ہے جو بہ ذاتِ خود خوبی وکمال ہے:

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

ہاں جو بندۂ عشق ہوتا ہے انھیں صرف سوزشِ عشق اور اضطرابی کیفیت سے غرض ہوتی ہے، عشق میں تڑپنا، جلنا اور کسی کروٹ نہ سونے میں ہی انھیں مزہ آتا ہے، کسی بھی چیز کو وہ اسی نظریہ سے دیکھتا ہے، امام احمد رضا بھی کچھ اسی طرح کے جذبوں سے سرشار نظر آتے ہیں:

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

عشق بہر حال عشق ہے جو پاکیزہ اور بے غرض ہوتا ہے، اسے محبوب اور اس کی ادائیں چاہیے اور بس، یہ باتیں اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ امام احمد رضا بریلوی بہت بڑے صوفی تھے اور اتنے بڑے تھے کہ ''فن تصوف'' کی بکھری زلفوں کو انھوں نے سنوارا اور اپنے ہاتھوں سے مشاطگی فرما کر اس کے چہرہ کو چمکا دیا اور اس کے انگ انگ کو اجالوں سے بھر دیا، ایک طرف سوز وگداز کی یہ کیفیت اور دوسری طرف فکر وشعور کا یہ وہ کمال یعنی اِدھر بھی انفرادیت اور اُدھر بھی انفرادیت، ان دونوں انفرادیت نے امام احمد رضا کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا کہ ارباب بصیرت کو یہ کہنا پڑا کہ:

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

صبا اور کسی کا پیغام لے جائے ایسا کب ممکن ہوتا ہے، ہاں! وہ پیغام جو خلوص وللّٰہیت، عشق ووفا اور اللہ ورسول کی خوش نودی پر مبنی ہوتا ہے، صبا اس پیغام کو اپنے دوش پر لیے پھرتی ہے، اسے گھر گھر پہنچا کر ہی دم لیتی ہے، یہ شرف امام احمد رضا کے پیغام کو حاصل ہے، اس بات کا اعتراف ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد نے کیا ہے اپنوں نے بھی اور غیروں نے بھی، حقیقت واقعی کے آشکارا ہونے کے باوجود شکوک و شبہات سے دوچار ہونا قصور فہم ہے یا پھر طرز تغافل سے کام لینا ہے، اس طلسم کو توڑنا ہوگا اور چشم کشا حقایق وبصائر کا اعتراف کرنا ہوگا، اسی میں خانقاہوں کی بھی بھلائی ہے اور ملت کی بھی، وہ خانقاہیں جو امام احمد رضا سے بیر رکھتی ہیں وہ بھی ان کی تعلیمات وارشادات پر عمل کرتی ہیں، کیا ان خانقاہوں میں عرس نہیں ہوتا؟ چادر پوشی نہیں ہوتی؟ لنگر تقسیم نہیں ہوتا؟ نیاز وفاتحہ کی محفلیں منعقد نہیں ہوتیں؟...... ہاں ہوتی ہیں اور ضرور ہوتی ہیں، خانقاہوں میں جب تک اس طرح کے پروگرامز ہوتے رہیں گے، خانقاہیں

آباد رہیں گی، عوام وخواص کے دلوں میں بزرگوں کی یادیں تازہ رہیں گی اور ان کے آستانوں پر چاہنے والوں کا اژدحام رہے گا، اعلیٰ حضرت کا یہی تو مقصد تھا کہ یہ خانقاہیں سلامت رہیں اور ان سے برکت و نور کا فیضان جاری وساری رہے، جس خانقاہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیے وہاں خیر وبرکت اور نور ونکہت کے چشمے ابل رہے ہیں اور نہال ہونے والے نہال ہو رہے ہیں۔ چمکنے والے چمک رہے ہیں، دمکنے والے دمک رہے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی ہم بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ:

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

انھیں خانقاہی پروگراموں کے پیش نظر غیروں نے ہمیں ''بریلوی'' کہا اور آج بھی کہہ رہے ہیں تو پھر بتایئے کوئی اہل حق اپنے آپ کو ''بریلوی'' ہونے سے کہاں تک بچاتے رہیں گے کوئی پاؤں سے سر تک پانی میں ڈوبا ہوا ہو اور اپنے دامن کو تر ہونے سے بچالے ایسا کب ممکن ہے؟ اپنے آپ کو ''بریلوی'' کہلوانے سے بچانا ہی ہے تو ان پروگراموں کو چھوڑنا پڑے گا، خانقاہوں سے اپنا رشتہ ناطہ توڑنا ہی پڑے گا، اب آپ کس پر راضی ہوتے ہیں یہ فیصلہ خود آپ کو کرنا ہوگا، سوچ لیجیے کس طرف آپ کو جھکنا ہے اور کس طرف نہیں جھکنا ہے، یہ عجیب طرفہ تماشا ہے اپنے سارے پروگرام امام احمد رضا کی تعلیمات وارشادات کی روشنی میں انجام دیتے ہیں اور نام کسی اور کا لیتے ہیں، یہ احسان فراموشی نہیں تو میرے بھائی کیا ہے؟ ذرا سوچ سمجھ کر بتایئے اور تدبر سے کام لے کر کہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ فیصلہ غلط ہو جائے اور پوری زندگی پچھتاوا رہے۔ ایسی صورت میں نہ دل کو سکون نصیب ہوگا اور نہ ہی قلب کو چین ملے گا، جن لوگوں نے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے دامن میں پناہ لی ہے وہ تو پورے طور پر نہال ہیں اور اپنے طور پر مطمئن ہیں کہ:

سن لیں اعدا میں بگڑنے کا نہیں
وہ سلامت ہیں بنانے والے

وہ سلامت ہیں کون سلامت ہیں؟ آقا ومولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم...... غوثِ پاک...... خواجہ غریب نواز...... اور دیگر اولیاے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین! تو پھر غم کس بات کا؟ وہ ہماری بگڑی کو سنوار دیں گے۔ الجھی گتھی کو سلجھا دیں گے۔ وہ راضی تو سب کچھ ٹھیک۔ وہ خوش ہوں باقی ساری دنیا ناراض ہو جائے تو کوئی غم نہیں۔

ہمیں کرنا ہے شہنشاہِ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہو گئے تو ساری کائنات اپنی

اربابِ شعور کی بارگاہ میں ایک التجا

اہل علم اور اربابِ خرد کی بارگاہ میں میری التجا یہ ہے کہ مضمون ''امام احمد رضا اور خانقاہی نظام: دفاع واصلاح'' کا سنجیدگی سے مطالعہ کریں اور اس بات پر غور کریں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے خانقاہ والوں کے لیے کیا برا کیا؟ دفاع اور اصلاح یہ کوئی برائی نہیں، نیکی اور فلاحی کام ہے، ہمیں تو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے اور احسان ماننا چاہیے، مگر ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ احسان ماننے کے بجائے ہم ان کی برائی پر اُتر آئے ہیں اور ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو چکے ہیں۔ مرے دل سے امام احمد رضا کا نام لینا اور مسلک اعلیٰ حضرت کا ردو انکار یہ تمام باتیں مخالفت کی نشان دہی کرتی ہیں جب کہ ان کے پاس اس کی مخالفت کا کوئی جواز نہیں اور جواز کے بغیر مخالفت کا کوئی علاج نہیں۔ سوائے اس کے کہ سربہ گریباں ہو کر سوچیں اور غور کریں کہ ہم کیا ہیں اور ہماری حیثیت کیا ہے؟ اور ہماری یہ حیثیت اس مخالفت کی متحمل ہے یا نہیں؟ میں انھیں چند سوالات پر اپنی یہ بات ختم کرتا ہوں...... میری اس گفتگو کا روئے سخن ہر اس شخص کی طرف ہے جو فکر و شعور سے ذرا سی بھی دل چسپی رکھتا ہے اور عصبیت و تنگ نظری سے خود کو دور رکھتا ہے۔

مولانا عبدالعلیم رضوی کو ڈاکٹریٹ کا اعزاز

اندور۔ بہار یونی ورسٹی مظفر پور بہار سے مولانا محمد عبدالعلیم رضوی (اندور) کو ان کے مقالۂ تحقیق بہ عنوان ''امام احمد رضا بہ حیثیت مفسر قرآن'' پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی۔ واضح رہے کہ اس سے قبل دنیا کی درجنوں یونی ورسٹیوں میں امام احمد رضا محدث بریلوی (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) کی دینی، تعلیمی، فقہی اور تصنیفی خدمات پر ری سرچ وتحقیق ہو چکی ہے جب کہ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ موصوف کی تحقیق کے نگراں ملک کے مشہور دانش ور ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی صدر شعبۂ اردو بہار یونی ورسٹی مظفر پور تھے۔ ۲۵؍ اپریل ۲۰۰۶ء کو رجسٹریشن ہوا۔ ۲۷؍ اپریل ۲۰۰۹ء کو مقالۂ تحقیق (Thesis) جمع کروایا گیا۔ یکم جولائی ۲۰۱۰ء کو کام یاب وائیوا ہوا اور ۱۴؍ ستمبر ۲۰۱۰ء کو یونی ورسٹی نے پی ایچ ڈی کا نوٹیفکیشن (Notification) جاری کر دیا۔

جناب ڈاکٹر عبدالعلیم رضوی صاحب کو پی ایچ ڈی کے اعزاز پر ملک کی مشہور دینی وعلمی شخصیات نے مبارک باد پیش کی ہے اور ہدیہ تہنیت سے نوازا ہے، الحاج محمد سعید نوری (رضا اکیڈمی ممبئی)، ڈاکٹر امجد رضا امجد (مدیر رضا بک ریویو پٹنہ)، ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی (ممبئی)، مفتی علاؤالدین رضوی (انجمن ثنائیہ دارالیتمیٰ میرا روڈ)، ابوزہرہ رضوی، محمد میاں مالیگ، نیاز احمد مالیگ، مولانا محمد ارشد مصباحی، ابوزہرہ رضوی (لندن)، غلام مصطفیٰ رضوی (نوری مشن مالیگاؤں)، حافظ شکیل احمد رضوی، محمد افضل برکاتی (جامعۃ الرضا برکات العلوم مالیگاؤں)، ڈاکٹر رئیس احمد رضوی (رضا اکیڈمی مالیگاؤں)، محمد زبیر قادری (مدیر مسلک ممبئی) نے ہدیۂ تہنیت و تبریک پیش کیا اور مقالۂ تحقیق کی ستائش کی۔

دارالعلوم منظر اسلام اور تحریکات

(خلافت، ترک موالات اور ہجرت)

انگریزی مضمون: الحاج محمد الیاس کشمیری
بانی رضا اکیڈمی انٹرنیشنل، اسٹاک پورٹ (یوکے)
ترجمہ: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، بریلی شریف

شیخ الاسلام امام احمد رضا نے ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں دارالعلوم منظر اسلام قائم فرمایا۔ اس جامعہ کے قیام کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ متحدہ ہندوستان پر اپنی گرفت کرنے کے بعد برطانوی سامراج نے قدیم سنی اسلامی مدارس برباد کر دیے تھے۔ بدمذاہب جو برطانوی نوآبادی کے ایجنٹ تھے، مسلمانوں کو گم راہ کرنے کے لیے انھوں نے اپنے مدارس قائم کیے، لہٰذا ایک ایسے سنی ادارہ کی ضرورت تھی جوان ایجنٹوں کے برپا کیے ہوئے خلا کو پر کر سکے۔

امام احمد رضا نے اس دارالعلوم کے قیام کے بعد (۱۹۱۱ء میں) ایک دس نکاتی نظریہ تعلیم پیش فرمایا تھا۔ انھوں نے اس دس نکاتی نظریہ پر خود سختی سے عمل کیا تاکہ سرسید کی جدت اور برطانوی نوآبادکاری کی حمایت کردہ وہابیت کے کھلے باطل نظریہ سے ہندوستانی مسلمانوں کا تحفظ کیا جاسکے جن کے (وہابیت کے) پیش نظر مقاصد میں سے ایک مقصد اصل اسلام کو مٹانا تھا۔

امام احمد رضا نے اس دارالعلوم کو ایسے وقت قائم فرمایا جب کہ ہر جگہ اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی اور ظاہر ہے کہ تمام تر دینی و دنیوی علوم وفنون پر حاوی امام احمد رضا کے سوا اس ضرورت کو (اس پر فتن دور میں) پورا بھی کون کر سکتا تھا؟

اس دارالعلوم کے قائم ہوتے ہی پورے ملک کے طلبا اس کی طرف کھنچنے لگے اور پھر اس دارالعلوم کے طلبا و فارغ التحصیل فضلا اور اساتذہ پورے ملک میں پھیل گئے اور انھوں نے بدمذہبوں کے برپا کیے خلا کو پر کرنے اور مسلم قومیت کی تشکیل میں سخت جدوجہد کی، جس قومیت کو برطانوی سامراج قصداً برباد کرنے پر تلا ہوا تھا، بعد میں اس دارالعلوم کی شاخیں بھی پورے ہندوستان میں قائم کی گئیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے جب بھی کسی جانب سے کسی بھی طرح کا چیلنج آیا منظر اسلام کے طلبا واساتذہ اور فضلا اسلامی عقائد اور مسلم قومیت کے تحفظ کے لیے ایک مستحکم قلعہ بن کر کھڑے ہو گئے۔ وہ بغیر کسی شکست کے اپنی کوششوں میں ہمیشہ کام یاب اور کامراں رہے۔ ان کی تعلیم، تعلیمی دل

چسپی اور اسلامی عقائد کی جلا بخشی کے لیے امام احمد رضا کی ان تھک مساعی کارفرما تھی۔ یہی وجہ تھی کہ خالص اسلامی عقائد اور نظریات ان کے دل ودماغ پر جمے تھے۔

امام احمد رضا کا صرف یہی کارنامہ اس قدر عظیم اور اہم ہے کہ اگر اس کے سوا اور کچھ نہ کرتے تو بھی ہندوستانی مسلمانوں اور آنے والی نسلوں میں بہ حیثیت محسن ہمیشہ یاد رہتے۔

تحریکات میں امام احمد رضا اور منظر اسلام کا کردار

پہلی عالمی جنگ کے دوران مشرق وسطیٰ، افریقا اور ترکی میں لاکھوں مسلمانوں کے قتل اور ان پر ظلم وجبر کے خلاف ہندوستانی مسلمان جدوجہد کر رہے تھے۔ کچھ نیشنلسٹ مسلمان جن میں محمد علی جوہر اور شوکت علی جیسے چند سنی مسلمان سیاست دانوں کو چھوڑ کر اکثر دیوبندی اور اہل حدیث تھے جو اپنے مفادات کے لیے آگے بڑھے۔ ان دونوں گروپوں نے اپنے ایجنڈے کے تحت گندی سیاست کھیلنے کا اسے اچھا موقع سمجھا۔ ان نیشنلسٹ لیڈروں نے احتجاجات کو ایک نیا رخ دینے کی کوشش کی اور خلافت ترکی کی بحالی کے نام پر ایک نئی تحریک کا آغاز کیا۔ اس وقت مسٹر گاندھی جو ایسے موقع کی تلاش میں تھے، نے ان نام نہاد مسلمانوں کے اس مقصد سے ہمدردی جتائی اور آخر کار مسٹر گاندھی کو ''تحریک خلافت'' کا صدر منتخب کر لیا گیا۔

کیا کوئی سچا مسلمان لمحہ بھر کے لیے بھی یہ تصور کر سکتا ہے اور تحریک خلافت کی لیڈرشپ کی ذہنیت کو سمجھ سکتا ہے کہ ان لوگوں نے ایک غیر مسلم بنیاد پرست کو اپنا لیڈر کیوں تسلیم کر لیا؟

ایک ایسے مسلم مقصد کے لیے وہ کتنے پرخلوص تھے؟ ان نام نہاد مسلم لیڈروں کے لیے یہ کس قدر شرم وغیرت کی بات تھی!

تحریک خلافت کے صدر کی دھاندلی: ''تحریک خلافت'' کے صدر کی حیثیت سے گاندھی صاحب نے اس طریقے کا ہر طرح فائدہ اٹھایا اور اس تحریک کو اپنے خفیہ مقاصد کے لیے دوسری سمت موڑ کر ''تحریک ترک موالات'' میں بدل دیا اور نیشنلسٹ اور نام نہاد مذہبی لیڈروں کو اپنے آلۂ کار کی حیثیت سے استعمال کیا۔ ان تحریکات کے دوران برطانوی سامراج کو پہلی عالمی جنگ میں لڑنے کے لیے سپاہیوں کی ضرورت تھی لہٰذا مسٹر گاندھی اور نام نہاد مذہبی گم راہ لیڈروں نے ہندوستان سے برطانوی فوج میں رنگروٹوں کو بھرتی کرادیا۔ اس کے بدلہ میں برطانوی سامراج نے جنگ کے بعد ہندوستان چھوڑنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ جنگ کے بعد مکر گئے۔

ترک موالات کی ابتدا: مسٹر گاندھی اور نیشنلسٹ لیڈروں نے برطانوی سامراج سے انتقام کے طور پر یہ ''تحریک ترک موالات'' چھیڑ دی۔ مسٹر گاندھی کا خفیہ مقصد دراصل مسلمانوں کو ذلیل اور برباد کرنا تھا۔ مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو برطانوی سامراج سے سردھڑ کی بازی لگا کر لڑنے پر بھڑکایا تھا

تاکہ مسلمان اور برطانوی سامراج ایک دوسرے سے لڑیں اور غیر مسلم ہندو اس سے فائدہ اٹھائیں اور ہندو خود کو امن پسند ظاہر کرتے ہوئے مسلمانوں کو برطانوی سامراج کی نظر میں بنیاد پرست، محارب اور برطانیہ مخالف ثابت کر سکیں۔

ریاکاری سے ان لوگوں نے ایک خاص مسلم مقصد کو اپنے مذموم انتقام کے لیے استعمال کیا۔ انھوں نے ایک پروگرام اختیار کر کے برطانوی سامراج سے عدم تعاون تیز تر کر دیا تاکہ برطانوی سامراج کی گرفت کو کم زور اور منتشر کر سکیں۔ ان تحریکات میں نقصان ہر طرح سے ہندوستانی مسلمانوں کی کثیر جماعت کو پہنچا کیوں کہ ان کو نام نہاد، قوم پرست اور گم راہ لیڈروں کے مطالبات کی تکمیل کے لیے بھینٹ کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔

نام نہاد لیڈر اور اغیار کے ایجنٹ: مسلمان نیشنلسٹ لیڈر خوب جانتے تھے کہ سلطان ترک نہ تو خلیفۂ اسلام تھے اور نہ خلافت کا احیا ان لیڈروں کا مقصد ومدعا تھا۔ اسلامی شریعت کے مطابق سلطان ترکی خلیفہ نہیں، بادشاہ تھے تو پھر ان کا مقصد کیا تھا؟

ابھی تک اس بات کو ہندوستان یا پاکستان کی کتب تواریخ میں کیوں نہیں لایا گیا؟ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر تاریخ لکھنے والے انھیں لیڈروں کے پیروکار تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے پسندیدہ لیڈروں پر کوئی آنچ آئے۔ انھوں نے اپنے مقصد کے حصول سے قبل تحریک خلافت چھوڑ کر تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت شروع کیوں کر دی؟

وہ چندے جو لاکھوں مسلمانوں سے لیے گئے تھے اور جو ہندوستانی کرنسی میں لاکھوں کروڑوں کی رقم پر مشتمل تھے، کہاں صرف ہوئے؟ دیوبندی اور اہل حدیث کا مقصد تھا زیادہ سے زیادہ فنڈ جمع کرنا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ دنیا کے کسی بھی خطہ میں حالات خراب ہوں، مسلمان وہاں کے لیے چندہ دینے میں بڑے فیاض واقع ہوئے ہیں۔ ان لیڈروں نے چندے کی رقم کا کچھ حصہ تو ترکی کے لیڈر مصطفیٰ کمال پاشا کو دیا جسے انھوں نے اپنی پارٹی کے لیے استعمال کیا اور اصل حاجت مندوں کو کچھ بھی نہ دیا۔ جان بوجھ کر ایک کثیر رقم اپنے خاص مقصد یعنی مدارس کی تعمیر اور کتابوں کی اشاعت کے لیے استعمال کی تاکہ سواد اعظم (یعنی) سنی مسلمانوں کو گم راہ کر سکیں...... ایسے نازک وقت پر امام احمد رضا اور طلبا وفضلا ومدرسین منظر اسلام نے قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے مسلمانوں کی راہ مستقیم پر رہ نمائی کی کیوں کہ ان نام نہاد مسلم لیڈروں نے انھیں برباد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کی پیروی میں تحریک ہجرت کا مقصد تھا سنی مسلمانوں کا صفایا کرنا۔ دیوبندی اہل حدیث اور مسٹر گاندھی اس کے لیڈر تھے۔ مسٹر گاندھی نے ان گم راہوں کا مفتی بن کر فتویٰ دیا اور نیشنلسٹ لیڈروں کو ترغیب دی کہ ہندوستان ''دارالکفر'' ہے لہٰذا اب مسلمانوں کا

افغانستان کی طرف ہجرت کرنا فرض ہو گیا ہے۔

وہ مسلمان جنھوں نے دشمن کے ایجنٹوں کی اس باطل صدا پر اپنی جائے دادیں ہندوؤں کو سستے داموں بیچ کر افغانستان کی طرف کوچ کیا ان میں بیس ہزار مسلمان تھے مگر وہ لیڈر جو اس تحریک کے خواہاں تھے ان میں سے کسی نے بھی ہجرت نہ کی۔ مہاجرین افغانستان کی سرحد پر ہی روک لیے گئے اور واپس ہندوستان بھیج دیے گئے۔

جب یہ مہاجرین ہندوستان لوٹے تو کچھ تو دورانِ ہجرت ہی مر گئے اور بقیہ اب بے زر، تہی دست، بے در، بے گھر تھے کیوں کہ ان کی جائے دادیں ہنود کے ہاتھوں فروخت ہو چکی تھیں مگر کسی بھی نیشنلسٹ لیڈر نے ان کی مدد نہ کی۔ وہ خود تو عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے تھے اور زندگی کے خوب مزے لے رہے تھے۔

امام احمد رضا اور طلبا و فضلا اور مدرسین منظر اسلام نے تحریک ہجرت کی مخالفت کی تھی اور مسلمانوں کو اس کی بربادی سے آگاہ کرتے ہوئے قائدانہ کردار ادا کیا۔ انھوں نے بتایا کہ ہندوستان ''دارالاسلام'' ہے۔ ان کا اپنا گھر ہے اور یہ لیڈران کے دوست نہیں دشمن ہیں جو انھیں اور ان کے مذہب کو ذلیل و رسوا کرنا چاہتے ہیں۔ بہت سے مسلمان جنھوں نے ان (تحریکات) پر توجہ نہ دی اور نہ انھوں نے اپنی جائے دادیں فروخت کیں اور نہ ہجرت کی وہ بچے رہے۔

مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی جو مغربی علم کے تو تعلیم یافتہ تھے مگر علوم اسلامیہ میں انھیں گہرائی حاصل نہ تھی وہ دیوبندی اور اہل حدیث گم راہ فرقوں کے اصل مقاصد کو نہ سمجھے اور نہ ہی مسٹر گاندھی کی چالاکی اور ان کے مقاصد کو سمجھ سکے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ان کا منصوبہ کیا تھا اور ہو کیا گیا تو وہ غضب ناک ہو گئے۔ قبل ازیں تحریک خلافت کے دوران دونوں بھائی اس تحریک کی حمایت کے لیے امام احمد رضا کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے اور امام احمد رضا نے ان برادران کو بتایا تھا کہ یہ تحریک خلافت کے احیا کے لیے نہیں ہے بلکہ مسٹر گاندھی اور بدمذہب لیڈروں کا خفیہ ایجنڈا اسی مسلمانوں کو ذلیل کرنا اور ہندوستان میں انھیں برباد کرنا اور ان کا صفایا کرنا ہے۔ امام احمد رضا نے ان لیڈران سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ (امام احمد رضا) مسلمانوں کی آزادی اور ہندوستان کی آزادی کے مخالف نہیں ہیں لیکن وہ کسی ہندو کو اپنا لیڈر تسلیم نہیں کر سکتے۔ ہم لوگ ہندوستانی مسلمانوں یا ترکی، مشرق وسطیٰ اور افریقا کے لیے جو کچھ کر سکتے ہیں کر رہے ہیں اور ان کے لیے مالی فنڈ اکٹھا کر کے نیز دوسری قسم کی مدد جس کی انھیں ضرورت ہے فراہم کر کے بھیج رہے ہیں۔

امام احمد رضا نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا: سن لیجیے وہ لوگ آپ دونوں کو استعمال کرنے اور اپنے خفیہ ایجنڈے میں مطلب براری کے بعد تنہا چھوڑ دیں گے۔

دونوں بھائیوں نے سوچا کہ جو امام احمد رضا نے فرمایا تھا ہو گیا تو ان دونوں بھائیوں کو اس بات پر بہت ہی دکھ محسوس ہوا۔ انھوں نے ان بد مذاہب اور ایک مشرک پر اعتماد کر کے انھیں کے مقاصد کے لیے اپنے مسلمان بھائیوں کے جان و مال کو برباد کر دیا۔ اب وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔

امام احمد رضا، ان کے رفقا اور منظر اسلام کے اساتذہ اور فارغ التحصیل فضلا نے برباد ہونے والے مسلمانوں کی ہر ممکن مدد کی۔ امام احمد رضا ہندوستان کی آزادی کے لیے مخلص بھی تھے اور انھیں اس کی آزادی کا یقین بھی تھا۔

اس موقع پر اس بات کا بھی خوف تھا کہ مسٹر گاندھی ایک ایسے مذہب کے قیام کی کوشش میں تھے جو ہندو و مسلمان کے امتیاز ہی کو مٹا کر رکھ دے اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآنی احکام سے مسٹر گاندھی اور ہنود کو مستثنیٰ رکھنے کے لیے نیشنلسٹ ملاؤں نے قرآن میں تحریف کی (کوشش کی۔)

یہ دور مسلمانانِ ہند کے لیے بڑا قاتل دور تھا۔ امام احمد رضا نے اس ہلاکت خیز موقع پر مسلمانوں کی رہ نمائی فرمائی اور ان کے خلفا، رفقا اور منظر اسلام کے علما نے اسلام اور مسلمانوں کے ہر طرح تحفظ میں اہم کردار ادا کیا۔

اگر منظر اسلام کا قیام عمل میں نہ آیا ہوتا تو آج پوری مسلم قوم کے لیے برصغیر میں گم راہی اور بے عملی (عام) ہوتی، اور ہندی مسلمان صحرائی حالت میں ہوتے۔ اور حقیقتاً تباہ و برباد ہو گئے ہوتے۔ برصغیر کے سبھی مسلمانوں کو شیخ امام احمد رضا کا ممنون احسان ہونا چاہیے کہ ان کے اس کارنامے نیز قیامِ منظر اسلام کے لیے جو آج بھی ہر سمت اسلامی علوم کی روشنی بکھیر رہا ہے۔

(امام احمد رضا کے سیاسی افکار جن کی بنیاد دینی اصولوں پر تھی کو سمجھنے کے لیے امام موصوف کی تحقیقی تحاریر مطالعہ فرمائیں: (۱) المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ (۲) انفس الفکر فی قربان البقر...... مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی - مرتب)

''اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا مولوی مفتی احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے اپنی مبارک زندگی دین کی خدمت میں صرف فرمائی ان کے علمی فیوض و برکات سے دنیا کو بڑے قیمتی فائدے پہنچے، اسلام و سنیت کی تائید و تقویت ہوئی۔ ہر گم راہ بے دین کی کیّادی کے آپ نے پردے فاش کر دیے۔''

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی

(فتاویٰ صدر الافاضل ص ۱۱۹۔۱۲۰)

امام احمد رضا اور عصری تعلیم

مفتی محمد علاؤالدین رضوی

سنی دارالافتاء والقضا، میرا روڈ

حصول تعلیم کی اہمیت وضرورت کو اس آیت کریمہ کی روشنی میں بہ خوبی محسوس کیا جا سکتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (۱)

ترجمہ: تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہ ہو (۲)

اس آیت کریمہ کا پس منظر تو یہ ہے کہ کفار ومشرکین نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہم مثل دیکھ کر کہتے تھے کہ اگر آپ نبی ہیں تو ہماری ہی طرح کیوں ہیں، کفار ومشرکین کے اسی شبہہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ ہماری سنت ہی یہی ہے کہ آج تک اس عالم رنگ و بو میں بنی نوع انسان کی طرح جتنے انبیاے کرام علیہم السلام مبعوث کیے گئے وہ سب کے سب انھیں کے ہم جنس تھے، کیوں کہ انسان کی نشو ونما، تعلیم وتربیت، سیرت وکردار، امور خانہ داری، دستور حیات اور افہام وتفہیم کے مقصد کی تکمیل صورت بشری ہی میں ممکن تھی، یہی وجہ ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے کسی انسان کو ہی نبی بنا کر مبعوث کیا جاتا رہا ہے۔ ہاں! اب بھی کوئی تردد ہے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔ دیکھیے! یہاں ''اہل ذکر'' سے کتب سابقہ کے علما مراد ہیں یا اس سے اہل اللہ اور عارفین ہیں اور یہ سب عالم ہیں،

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں۔ '' نحن اھل الذکر''

ترجمہ: یعنی ہم اہل ذکر ہیں ہم سے پوچھو، ہم تمھیں حقائق ومعارف سے باخبر کریں گے۔(۳)

ڈاکٹر مجید اللہ قادری اپنے تئیں ''اہل ذکر'' کے چھ اقسام بیان کرتے ہیں:

(۱) وہ لوگ یا حضرات جو ایک مخصوص شعبۂ علم کے کچھ حصے کو جانتے ہیں، اس کے علاوہ دیگر علوم کو نہیں جانتے مثلاً، ایک نیوروسرجن دماغ کے علاوہ کسی اور اعضا کا آپریشن نہیں کر سکتا اور دینی علوم سے بھی نابلد ہوتا ہے۔

(۲) بعض حضرات ایک مخصوص علم پر بھی پوری دست رس رکھتے ہیں مگر دیگر علوم کو وہ سرسری جانتے ہیں، مثلاً علم کیمیا کا بھرپور ماہر ہے مگر بایولوجیکل سائنس وہ نہیں جانتا اور علوم دینی سے بالکل غافل۔

(۳) چند مختلف علوم میں اچھی دست رس رکھتے ہیں۔

(۴) دینی علوم سے بعض میں دست رس ہوتی ہے اور دنیاوی علوم سے بالکل ناواقفیت۔

(۵) اکثر دینی علوم پر دست رس اور چند دنیاوی علوم سے بھی اچھی آگاہی۔

(۶) اکثر دینی علوم پر دست رس اور دنیاوی علوم سے بھی اچھی آگاہی۔

آگے لکھتے ہیں:

ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق ''اہل الذکر'' میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اور لوگ اپنی حاجت روائی کے لیے مخصوص لوگوں کے پاس جا کر اپنے مسائل کا حل حاصل کر سکتے ہیں، مگر ایسے اشخاص دنیا میں بہت کم ملتے ہیں جو اس آیت کریمہ کی مکمل اور جامع تفسیر بن جائیں۔ ایسی خصوصیات بے شک ہر زمانے میں انبیاے کرام علیہم السلام کو حاصل رہیں کہ ہر نبی اپنے زمانے اور وقت میں ''اہل الذکر'' ہوتا ہے کہ اس زمانے کے جو لوگ جس قسم کی معلومات چاہتے وہ نبی ان کو اللہ کی عطا دیتا۔ ہر زمانے میں نبی کو امتیوں کے مقابل مکمل علم اور اس زمانے کے تمام فنون کا حامل بنایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نبی الانبیا علیہ السلام کو کل کائنات کا علم اس لیے عطا ہوا کہ آپ کل کائنات کے نبی ہیں لہٰذا جس نے جو سوال کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا کامل جواب عطا فرمایا۔(۴)

یہ کس قدر اعجاز کی بات ہے امت محمدیہ علیہ السلام والتسلیم کے لیے کہ اللہ عز وجل نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام بنی نوع انس وجن کی طرف تو مبعوث کیا ہی یہاں تک کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیوانات ونباتات وجمادات کے بھی نبی ورسول ہیں، لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہاں انس وجن کی زبان وبیان سے واقف ہیں وہیں چرند وپرند اور حیوانات وبہائم کی زبان کا بھی بہ خوبی علم رکھتے ہیں، انھیں تمام تر وجوہات کی بنیاد پر رب العزت والعلیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''معلم اول'' کے خطاب سے ملقب ہیں اور وسعت علمی کا حال تو یہ ہے کہ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے رب نے وہ سب بتا سکھا دیا، ارشاد باری ہے۔

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (۵)

ترجمہ: اور تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (۶)

غرض نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوبیوں اور علوم وفنون میں جملہ انبیاے کرام علیہم السلام سے ممتاز ہیں ؏

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اس تمہید سے یہ تو معلوم ہو چلا کہ ''اہل الذکر'' سے علما مراد ہیں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے دینی، دنیاوی ضرورتوں کی تکمیل قرآن واحادیث واجماع امت کی روشنی میں کرتے ہیں اور یہ عظیم منصب بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے فیض وکرم کا عطیہ ہے۔ گو ہر ایک کو

یہ منصب ومقام نہیں ملتا مگر اس منصب ومقام سے عہد خالی بھی نہیں ہوتا۔اللہ عزوجل ہر دور کے لحاظ سے جب دین حنیف پر کوئی حملہ آور ہونے کی ناپاک کوشش کرتا ہے تو اس کے رد بلیغ کے لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے ایک عالم بحر بے کراں کا انتخاب کرتا ہے، جو اپنی علمی بوقلمونیوں اور خداداد صلاحیتوں سے ''فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ'' کی تفسیر بن کر عالم رنگ وبو میں اپنے علم وتحقیق کا جلوہ بکھیرتا نظر آتا ہے.....۱۴ ویں صدی ہجری کے اوائل میں بھی کچھ اسی طرح کا ماحول پیدا ہوا جس کے سد باب کے لیے اللہ عزوجل نے عالم ربانی امام ''احمد رضا خاں'' کا انتخاب کیا، آپ اپنے بچپن سے لے کر اخیر عمر تک آیت مذکور کی تفسیر بنے رہے، بچپن میں جو نہیں جانتے وہ والدہ یا والد گرامی سے پوچھ لیتے اور جو جانتے وہ دوسرے بچوں کو بتادیا کرتے تھے اور علم کی دولتوں سے بہرہ ور ہونے کے بعد مسلسل وقت نزع تک علوم وفنون کے متلاشیوں کو علوم وفنون سے دلائل و براہین کی روشنی میں تفصیلاً تو کبھی مختصراً مگر جامع جوابات سے مطمئن کرتے رہے۔خواہ سائل دینی معلومات کا متقاضی ہو یا دنیاوی، تبحر علمی کا حال تو یہ تھا کہ جہاں دینی علوم وفنون کا تسلی بخش حوالجات سے مبرہن جواب دیتے وہیں عصری علوم کے بھی منقولی ومعقولی جوابات قلم بند فرمادیا کرتے تھے۔معلومات کے لیے آپ کے مجموعہ فتاویٰ (فتاویٰ رضویہ) جو تیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ڈاکٹر مجید اللہ قادری لکھتے ہیں:

امام احمد رضا پچھلی صدیوں کے ایک ایسے ہی نام ور مفکر و مدبر ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ علم نافع کے جوہر دکھائے اور ہر علم وفن میں مستند تحریر قلم بند فرمائی۔جس کی مثال برصغیر پاک وہند میں ناپید ہے۔برصغیر میں علوم دینیہ کے بے شمار علما ہر زمانے میں موجود رہے مگر اکثریت علوم دنیاوی میں دست رس نہیں رکھتی تھی۔مگر اللہ نے امام احمد رضا کو دونوں علوم پر کامل دست رس دی تھی۔ (۷)

ڈاکٹر صاحب کی تحریر مذکور سے اب یہ مسئلہ لاینحل نہیں رہا کہ آیا علوم دینی کے علاوہ عصری علوم کا پڑھنا، پڑھانا، سیکھنا، سکھانا شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا ناجائز۔ہاں یہ ضرور محل نظر ہے کہ آیا دونوں کے اغراض ومقاصد الگ ہوں یا ایک تو امام احمد رضا کی درج ذیل اقتباس سے آپ خود ہی نتیجہ اخذ کرلیں گے کہ اگر عصری علوم کے حصول کا مقصد رضائے الٰہی ورسول اور دین وملت کی ترویج واشاعت ہے تو عصری علوم میں جملہ علوم وبیان سیکھا جاسکتا ہے ورنہ دنیا وحصول معاش کے لیے جائز نہیں اور یہ ہی اجماع ہے کہ علوم وفنون اللہ عزوجل ورسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لیے ہی حاصل کیے جائیں۔افادیت اور مقصدیت کے نقطۂ نظر سے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تمام علوم جدیدہ وقدیمہ خواہ عقلی ہوں یا نقلی کی تعلیم کو جائز قرار دیتے ہیں:

''ذی علم مسلمان اگر بہ نیت رد نصاریٰ انگریزی پڑھے اجر پائے گا اور دنیا کے لیے صرف زبان سیکھنے یا حساب اقلیدس جغرافیہ جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں، طب، سائنس اور دیگر علوم جدیدہ کا ہر وہ

حصہ جو تعلیمات اسلامیہ کے تابع ہو قابل قبول ہے۔'' (۸)

امام احمد رضا خاں مذموم علوم کے حصول سے منع کرتے ہیں کیوں کہ اس میں مخلوق کے نقصان کا پہلو غالب ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا خاں ان ہی تین ذرائع علم کے قائل ہیں: (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجماع.....لکھتے ہیں:

نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ علم تین ہیں، قرآن یا حدیث یا وہ چیز جو وجوب علم میں ان کی ہم سر ہے، ان کے سوا سب فضول ہے۔ (۹)

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا نظریہ بھی یہی تھا جو امام احمد رضا خاں کا نظریہ تعلیم ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

قال اللہ وقال الرسول کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب فضلہ ہے۔اے فضولی! تو فضول علم پڑھ رہا ہے۔حضرت امام شافعی کا نظریہ بہ ظاہر سخت ہے مگر حقیقت پر مبنی ہے آپ فرماتے ہیں: قرآن، حدیث اور فقہ فی الدین کے سوا تمام علوم ایک بے کار مشغلہ ہیں۔ (۱۰)

امام احمد رضا علم دین کے حصول کو ترکۂ مصطفیٰ سمجھتے ہیں۔اور خالصاً اپنی ذات کو علم منطق وفلسفہ، سائنس وجغرافیہ اور علم نجوم وحساب زائد ازضرورت منہمک و مشغول کرلینے کو یونان کا پس خوردہ قرار دیتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں:

''علم وہ ہے جو مصطفیٰ کا ترکہ ہے نہ وہ جو کہ کفار یونان کا پس خوردہ۔''

مزید فرماتے ہیں: اسی طرح وہ ہیئت جس میں انکار وجود آسمان وتکذیب گردش سیارات وغیرہ کفریات وامور مخالف شرع تعلیم کیے جائیں وہ بھی مثل نجوم حرام وملوم اور ضرورت سے زائد حساب یا جغرافیہ وغیرہما داخل فضولیات ہیں۔ (۱۱)

ڈاکٹر مجید اللہ قادری امام احمد رضا خاں کی تصنیفات وتالیفات کے حوالہ سے رقم طراز ہیں: امام احمد رضا خاں چاہتے تھے کہ قوم کے نوجوان اللہ تعالیٰ عزوجل اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا جوئی کی خاطر (اس نیت سے) وہ تمام علوم جدید وقدیم حاصل کریں جن سے اسلام اور عالم انسانیت کا فائدہ ہو۔

ڈاکٹر صاحب اس پیراگراف پر کچھ یوں تبصرہ کرتے ہیں: امام احمد رضا خاں کے نزدیک جدید وقدیم علوم کی تحصیل حالات زمانہ کی مجبوریوں کے پیش نظر بہت ہی ضروری ہے۔ (۱۲)

امام احمد رضا یہ چاہتے تھے کہ قوم مسلم کے اندر ہر میدان میں متحرک وفعال شخصیات موجود ہوں اور جو جس کام کے ماہر ہوں انھیں اس کام پر کاربند کیا جائے، بعض کو فی سبیل اللہ (اگر صاحب حیثیت ہو) اور چند کو وظائف وامداد کے ذریعہ۔آپ کی اس فکر کی تصدیق اور عصری علوم کے تقاضے اور

اس کی ضرورتوں کی تائید آپ کے دس نکاتی و
دعوتی پروگرام سے بھی ہوتی ہے، آپ فرماتے ہیں:

''عظیم الشان مدارس کھولے جائیں، باقاعدہ تعلیمیں ہوں''

اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ دینی ضرورتوں کے پیش نظر حساب، انگلش اور سائنس وغیرہ کی تعلیم بھی بچوں کو دی جائے تا کہ وہ ہر زبان و بیان میں دیگر تمام مکاتب فکر ونظر اور قوم و مذہب کے درمیان اپنی دینی ،مسلکی اور شرعی تبلیغی سرگرمیوں کو خالصاً لوجہ اللہ جاری رکھ سکیں۔ ورنہ یہی ہوگا

''زرنیست عشق ٹیں ٹیں''

ایک جگہ لکھتے ہیں

'' مطلقاً علوم عقلیہ کی تعلیم و تعلّم کو ناجائز بتانا یہاں تک کہ بعض مسائل صحیحہ مفیدہ عقلیہ پر اشتمال کے باعث توضیح وتلویح جیسے کتب جلیلہ عظیمہ دینیہ کے پڑھانے سے منع کرنا سخت جہالت شدیدہ وسفاہت بعیدہ ہے۔''(۱۳)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :

''اگر جملہ مفاسد سے پاک ہوتو علوم آلیہ مثل ریاضی و ہندسہ وحساب و جبر و مقابلہ وجغرافیہ و امثال ذلک ضروریات دینیہ سیکھنے کے بعد سیکھنے کی کوئی ممانعت نہیں کسی زبان میں ہو اور نفس زبان کا سیکھنا کوئی حرج رکھتا ہی نہیں۔''(۱۴)

ایک اور جگہ انگریزی پڑھنے سے متعلق جس کے پڑھنے سے عقیدہ متزلزل ہو، خواہ کوئی اور زبان ہو۔فرض کرلیں! کتاب عربی زبان میں تحریر ہے مگر صاحب کتاب نے
بیہودہ، لغویات وخرافات باتوں کولکھا ہے تو ایسی عربی زبان کی کتب کا پڑھنا حرام ہوگا۔آپ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''ایسی انگریزی پڑھنا جس سے عقائد فاسد ہوں اور جس سے علمائے دین کی توہین دل میں آئے، انگریزی ہو خواہ کچھ ہو ایسی چیز پڑھنا حرام ہے۔''

انگریزی زبان کے جائز و ناجائز ہونے سے متعلق آپ نے ایک فتویٰ ارشاد فرمایا ہے:

''ذی علم مسلمان اگر بہ نیت رد نصاریٰ انگریزی پڑھے اجر پائے گا اور دنیا کے لیے صرف زبان سیکھنے یا حساب اقلیدس جغرافیہ جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں بشرطے کہ ہمہ تن اس میں مصروف ہو کر اپنے دین وعلم سے غافل نہ ہوجائے ورنہ جو چیز اپنا دین وعلم بقدر فرض سیکھنے میں مانع آئے حرام ہے، اسی طرح وہ کتابیں جن میں نصاریٰ کے عقائد باطلہ مثل انکار وجود آسمان وغیرہ درج ہیں اُن کا پڑھنا بھی روا نہیں۔''(۱۵)

آپ کالج میں تعلیم وتعلم کی اجازت تو دیتے ہیں مگر راہ شریعت کے مطابق۔آپ رقم طراز ہیں:

''کالج اور اس کی تعلیم میں جس قدر بات خلاف شریعت ہے اس سے بچنا ہمیشہ فرض تھا اور ہے جہاں تک مخالف شرع نہ ہو اس سے بچنا کبھی بھی فرض نہیں۔'' (۱۶)

امام احمد رضا کے علمی، فنی، دینی اور دنیوی افکار ونظریات کی وسعتوں سے متعلق ڈاکٹر محمد مالک رقم طراز ہیں:

علوم وفنون کا یہ خورشید تاباں بہ یک وقت مترجم، مفسر، محدث، فقیہ، مصلح، شیخ طریقت، منفرد نعت گوشاعر، عظیم ادیب، سیاست داں، سائنس داں، ماہر اقتصادیات، ماہر
نفسیات، ماہر تعلیم، عظیم فلاسفر الحاصل اسلامی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔آپ نے ایک سو سے زائد علوم وفنون میں ایک ہزار کے لگ بھگ کتابیں لکھیں۔ (۱۷)

امام احمد رضا خاں نے دینی موضوعات کے علاوہ عصری موضوعات پر متعدد کتابیں تحریر کیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)فوز مبین در رد حرکت زمین ۱۹۱۹ء (۲)الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمہ ۱۹۱۹ء (۳)معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین ۱۹۱۹ء (۴) نزول آیت فرقان بسکون زمین وآسمان ۱۹۱۹ء (۵)حاشیہ اصول طبعی (۶)حاشیہ شمس بازغہ۔ (۱۸)

غرض حصول علم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ خودستائی سے بچنے کی تدبیر کو جان لیں، اعمال صالحہ کریں، کماحقہ اللہ عزوجل پر ہی بھروسہ رکھیں، مجلس میں آداب واخلاق کے ساتھ بیٹھیں، ہر کسی کے ساتھ (اپنے اور بیگانے) نرم گوئی ونرم خوئی سے پیش آئیں، مخلوق خدا کی مدد کریں، بخل سے بچیں، ہر اس کام سے باز رہیں جس کا حکم ہم دوسروں کو تو دیتے ہیں اور خود نہیں کرتے، خوشی میں شکر اور مصیبت و پریشانی میں صبر سے کام لیں، اپنی اور دوسرے کی اولاد کو حسن تربیت کا سبق دیں، خود بھی با اخلاق بنیں اور دوسروں کو بھی بنائیں اور بلاضرورت مال کی ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کریں۔احقر مضمون کے اختتام پر امام احمد رضا اور عصری تعلیم کے اغراض ومقاصد کے ضمن میں غلام مصطفیٰ رضوی (مالیگ) کے مضمون ''امام احمد رضا کا تصور تعلیم'' سے ایک اقتباس نقل کرنا چاہے گا جس سے امام احمد رضا خاں کے نزدیک عصری تعلیم کا مقصد کیا ہے بہ خوبی واضح ہو جاتا ہے۔ملاحظہ ہو:

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے تعلیمی تصورات کو مقصدیت سے جوڑ کر تعمیر شخصیت کا روشن اصول مقرر فرمایا وہ یہ کہ علوم جدیدہ ہوں یا دیگر علوم وہ اسلامی فکر وخیال کو پروان چڑھاتے ہوں اور حق شناسی کا جوہر عطا کرتے ہوں تو ان کا حصول بلاشبہہ کیا جانا چاہیے۔ (۱۹)

مصادرومراجع

(۱) سورۂ انبیا، پارہ ۱۷؛ آیت: ۷

(۲) کنزالایمان ترجمہ قرآن

(۳) ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۱۵۵

(۴) معارف رضا، سلور جبلی سال نامہ ۲۰۰۵ء

(۵) سورۂ النسا، آیت: ۱۱۳

(۶) کنزالایمان ترجمہ قرآن

(۷) ماہ نامہ ''معارف رضا'' شمارہ ۲۵، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

(۸) مضمون ''امام احمد رضا اور نظریۂ تعلیم'' پیغام رضا، خصوصی شمارہ جنوری ۲۰۰۵ء، ص ۵، مضمون نگار: پروفیسر عبدالغفار گوہر

(۹) پاکستان لاہور، روز نامہ، ۱۸ جون ۱۹۹۵ء، ص ۱۰، مضمون ''امام احمد رضا اور نظریۂ تعلیم'' پیغام رضا، خصوصی شمارہ، جنوری ۲۰۰۵ء، ص ۵، مضمون نگار: پروفیسر عبدالغفار گوہر

(۱۰) ماہ نامہ معارف رضا کراچی، صدسالہ جشن دارالعلوم منظر اسلام بریلی نمبر ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء، ص ۳۷

(۱۱) نفس سابق

(۱۲) ماہ نامہ معارف رضا، سلور جبلی سال نامہ ۲۰۰۵ء، ص ۲۷۷

(۱۳) معارف رضا کراچی سال نامہ ۲۰۰۶ء/ ص ۱۰۸، بہ حوالہ: فتاویٰ رضویہ (مترجم) ج ۲۳، ص ۶۴۸، برکات رضا پوربندر گجرات

(۱۴) نفس سابق، بہ حوالہ: فتاویٰ رضویہ (مترجم) ج ۲۳، ص ۷۰۶، برکات رضا پوربندر گجرات

(۱۵) نفس سابق، بہ حوالہ: فتاویٰ رضویہ (مترجم) ج ۲۳، ص ۶۴۸، برکات رضا پوربندر گجرات

(۱۶) نفس سابق، بہ حوالہ: فتاویٰ رضویہ (قدیم) ج ۴، ص ۲۴، رضا اکیڈمی ممبئی

(۱۷) معارف رضا کراچی، صدسالہ جشن، دارالعلوم منظر اسلام بریلی نمبر ۲۰۰۱ء، ص ۳۸، بہ حوالہ مضمون ''بیسویں صدی کا عظیم انسان'' در ماہ نامہ ''معارف رضا'' ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی ۱۹۹۹ء

(۱۸) معارف رضا کراچی، صدسالہ جشن، دارالعلوم منظر اسلام بریلی نمبر ۲۰۰۱ء، ص ۳۷، بہ حوالہ ''فلسفہ و منطق'' رضا کوئز بک مسلم کتابوی لاہور ۱۹۹۷ء، ص ۲۰۲

(۱۹) معارف رضا، سالنامہ ۲۰۰۶ء، ص ۱۰۸ مضمون ''مولانا احمد رضا خاں کا تصور تعلیم'' ص ۱۰۹، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی

☆☆☆

امام احمد رضا اور امام حرم علامہ شیخ صالح کمال مکی

غلام مصطفیٰ رضوی

e mail: noori_mission@yahoo.com/Cell.09325028586

برصغیر میں جب کہ انگریز قابض تھے مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہو چکا تھا، مسلم قیادت کا خاتمہ پہلے ہی کیا جا چکا تھا، منظّم سازش کے تحت مسلمانوں کو کس مپرسی کا شکار بنایا گیا اور سیاسی و فکری ہر سطح پر کم زور کر دیا گیا تھا، یاسیت کے اس عالم اور فتنوں کے دور میں امت مسلمہ کو امام احمد رضا محدث بریلوی جیسی فعال قیادت میسر آئی، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (م ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء) تحریر فرماتے ہیں:

''قیادت کے لیے دانا و بینا قائد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بصیرت سے محروم جذباتی قیادت ملت کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے...... امام احمد رضا اپنے دور کے عظیم مدبر و مصلح تھے...... ان کی قیادت کی آج بھی ملت اسلامیہ کو ضرورت ہے...... ان جیسا دانا و بینا نہ ان کے دور میں تھا، نہ اب نظر آتا ہے۔''(۱)

قومی قیادت، دینی خدمات اور علمی تحقیقات نیز اسلامی افکار و عقائد کے لیے موثر خدمات کے اعتبار سے امام احمد رضا محدث بریلوی (م ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کی بصیرت و فراست کا اعتراف موافق و مخالف سبھی کو ہے۔ آپ کی شہرت پورے عالم اسلام میں تھی، اور جیسے جیسے آپ کی خدمات پر تحقیق ہو رہی ہے ارباب علم و دانش آپ کی علمی و فنی مہارت کا لوہا مان رہے ہیں۔ خود آپ کے عہد میں مقبولیت و شہرت کا یہ عالم تھا کہ عرب و عجم کے جید علما و مفکرین نے استفادۂ علمی کیا، اجازات حدیث و سلاسل طریقت کی خلافت لی، آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔

عثمانی عہد میں حرمین مقدس میں تمام مناصب جلیلہ پر علماے اہل سنت فائز تھے۔ ایک سازش کے تحت نجدی تحریک کو برطانیہ نے وجود دیا اور عثمانی سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی تحریک وہابیت کو حرمین پر قابض کیا گیا۔ پھر تمام مناصب سے اہل سنت کو بے دخل کر دیا گیا۔ یہ عمل یک بہ یک نہیں ہوا۔ تدریجاً ہوا۔ جیسے جیسے وہابی تحریک کو استحکام ملا علماے حق کو بے دخل کر کے اپنے ہم مسلک افراد کو فائز کیا گیا۔ یہ تاریخ کا ایک المیہ ہے۔(۲)

حرمین میں مقبولیت:

حرمین مقدس میں امام احمد رضا کی مقبولیت کا اندازا آپ کی ان کتابوں سے ہوتا ہے جو حرمین میں تصنیف ہوئیں یا جن کا تعلق علماے حرمین سے ہے۔ علماے حرمین نے آپ کی کتابوں پر تقریظات

اور تاثرات تحریر فرمائے۔ کھلے دل سے آپ کی عبقریت اور محدثانہ عظمت کا اعتراف کیا۔ عمدہ القاب سے یاد کیا۔ ژرف نگاہی اور دینی بصیرت کو سراہا۔ اس تحریر میں عثمانی عہد میں حرم شریف کے امام و خطیب اور مکہ معظّمہ کے نائب قاضی حضرت علامہ شیخ صالح بن صدیق کمال مکی کے امام احمد رضا سے تعلقات و مراسم پر اجمالی گفتگو کریں گے۔

حرمین میں امام احمد رضا کے تعارف میں درج ذیل کتابوں نے اہم کردار ادا کیا:

(۱) فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین (۱۳۱۷ھ)

(۲) کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم (۱۳۲۴ھ)

(۳) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ)

(۴) حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین (۱۳۲۴ھ)

(۵) الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ (۱۳۲۴ھ)

حرمین میں امام احمد رضا کا تعارف:

تعارف اول: ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں امام احمد رضا اپنے والد مولانا نقی علی خاں کے ہم راہ حج کو گئے اس وقت جید علمائے عرب سے آپ نے اسانید و اجازات حدیث لیں،

تعارف دوم: ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں مدرسہ فیض عام کان پور میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں ہندوستان بھر کے مختلف اداروں سے تعلق رکھنے والے اکابر علما شریک ہوئے جن میں امام احمد رضا بھی شامل تھے۔ شرکا کی تائید سے مولانا محمد علی مونگیری (م ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء) نے انجمن ندوۃ العلما کی بنیاد رکھی۔ محمد بہاء الدین شاہ کے بہ قول:

فروغ علم اور اتحاد کے پر کشش دعوؤں تلے قائم ہونے والی اس انجمن کے اصل عزائم جلد ہی سامنے آنے لگے اور اس کے پلیٹ فارم سے نیچری فکر نیز اطاعت حکومت کا پرچار شروع کر دیا گیا۔ (۳) تحریک ندوہ کے لادینی نظریات کی اصلاح کی غرض سے امام احمد رضا نے تحریک چلائی جس میں اکابر علمائے ہند نے حصہ لیا۔ اس سلسلے میں آپ نے تحریک ندوہ کے عقائد کی بابت ۲۸/سوالات قائم کیے اور ان کے جوابات بھی تحریر کیے، ۱۳۱۶ھ میں یہ عربی تحریر حجاج کے ہاتھوں علمائے حرمین کی خدمت میں تصدیق کے لیے بھیجی گئی، جس پر اکابر علمائے حرمین نے تقریظیں لکھیں، ۱۳۱۷ھ میں اس کی اشاعت بمبئی سے ہوئی۔ اس طرح علمائے حرمین کے مابین آپ کا علمی تعارف ہوا۔

تعارف سوم: ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں دوسرے سفر حج پر تشریف لے گئے تو وہ پذیرائی ہوئی جو کسی عجمی کی مقبولیت کی ایک مثال بن گئی۔ مولانا حامد رضا خاں اپنا مشاہدہ تحریر فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین میں آپ کی مقبولیت رکھ دی، گویا مکہ مکرمہ میں کارکنان قضا و قدر سے ندا کروا دی گئی کہ اے اہلِ

صفا! جلدی چلو مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا غلام آیا ہوا ہے، تو ہم نے وہاں کے علمائے کرام کو آپ کی جانب تیز تیز آتے اور اکابر عظما کو آپ کی تعظیم و توقیر میں جلدی کرتے دیکھا۔'' (۴)

اسی سفر میں علامہ شیخ صالح کمال مکی سے پہلی ملاقات ہوئی جس کا تذکرہ آگے آتا ہے۔

علامہ شیخ صالح بن صدیق کمال مکی

(ولادت: ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۷ء- وصال: ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء)

ولادت و تعلیم:

ربیع الاول ۱۳۶۲ھ میں مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد علامہ شیخ صدیق کمال مکی سے ابتدائی تعلیم پائی۔ قرآن مجید حفظ کیا، نیز تجوید سیکھی اور مسجد حرام میں تجوید کے امام ہوئے۔ مکہ معظّمہ کے جید علما سے علوم دینیہ کی تکمیل کی، آپ کے اساتذہ کی فہرست اس طرح ہے:

شیخ احمد بن زینی دحلان مکی

شیخ عبدالقادر بن محمد علی خوقیر

مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی

شیخ سید عمر بن محمد برکات بقاعی شافعی (۵)

مناصب:

تعلیمی مراحل سے فراغت کے بعد مسجد حرام میں مدرس ہوئے۔ ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں جدہ کے قاضی بنائے گئے۔ دو برس یہ خدمت انجام دی۔ ۱۸۸۲ء میں واپس مکہ معظّمہ آئے۔ درس و تدریس سے وابستہ ہوئے۔ ''الہدایۃ فی شرح البدایۃ'' کے درس پر خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء میں علامہ شیخ صالح کمال مسجد حرام کے امام و خطیب اور مفتی احناف کے منصب پر فائز کیے گئے۔ ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء میں ''قاضی مکہ'' بنائے گئے۔ (۶) محمد بہاء الدین شاہ لکھتے ہیں:

''آپ مفتی احناف اور قاضی مکہ مکرمہ کے اعلیٰ ترین مناصب پر بہ یک وقت فائز رہے...... ان کی جملہ ذمہ داریاں احسن طریقہ سے انجام دیں۔ (۷)

علامہ صالح کمال کے مناصب کی بابت تاریخ عرب پر گہری نظر رکھنے والے محقق عبدالحق انصاری لکھتے ہیں:

''آپ مکہ معظّمہ کے اکابر میں تھے۔ حرم میں امام و خطیب اور مدرس تھے۔ ۱۲۹۷ھ میں جدہ کے قاضی منتخب کیے گئے۔ لیکن دو سال کے بعد ہی مکہ معظّمہ کی محبت نے بے چین کیا۔ اور آپ مکہ معظّمہ میں نائب قاضی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ یہ عہدہ مکہ معظّمہ کے گورنر سید عبدالمطلب بن غالب حسینی (م ۱۸۸۵ء) کے زیر نگرانی تھا۔ پھر آپ مفتی احناف کے عہدے پر فائز کیے گئے۔'' (۸)

۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں گورنر مکہ مکرمہ سید حسین بن علی حسنی (م ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) نے شیخ صالح کمال کو ''شیخ العلما'' مقرر کیا۔(۹)

بدعات کے خاتمہ کے لیے کاوش:

بہاءالدین شاہ لکھتے ہیں: ''شیخ صالح کمال مختلف اوقات میں بدعات کے قلع قمع سے بھی غافل نہیں رہے، اوران کے ازالہ وروک تھام کے لیے آواز بلند کی۔ ان دنوں حج کے موقع پر حجاج کی قیام گاہ منیٰ کے میدان میں نماز کی اطلاع کے لیے توپ کا گولا داغا جاتا اور خیموں کو زیب وزینت سے آراستہ کر کے ان میں بڑے بڑے فانوس روشن کیے جاتے، نیز آتش بازی کے مظاہرہ کا اہتمام ہوتا، گویا میلے کا سا سماں ہوتا، آپ نے ان افعال کو اسراف قرار دیا، اوران کی مخالفت میں نمایاں تھے۔''(۱۰)

تلامذہ:

آپ نے مسند تدریس سے ہزاروں شاگرد تیار کیے۔ چند مشہور تلامذہ کے نام اس طرح ہیں:

(۱) شیخ بکر بن ارشد تبتی شافعی (م ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء)

(۲) شیخ عبدالقادر کردی (آپ امام احمد رضا کے خلیفہ تھے)

(۳) شیخ عبدالقادر بن محمد سقاف (م ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)

(۵) شیخ اعرابی بن محمد صالح سحینی (م ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء)

(۶) شیخ سید محمد علی بن حسن بن محمد صالح کتبی حنفی (م ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء)

(۷) شیخ محمد کامل سندھی (م ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء)

(۸) شیخ محمد مرزوقی ابوحسین بن عبدالرحمٰن مکی حنفی (م ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء) (آپ امام احمد رضا کے خلیفہ تھے)

(۹) شیخ محمد یحیٰ بن امان اللہ بن عبداللہ حنفی (م ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء)(۱۱)

تصنیفات:

(۱) تبصرۃ الصبیان فی الفقہ الحنفی

(۲) رسالہ فی مقتل سیدنا الحسین

(۳) رفع الخصام بین صاحب الصارم وصاحب شفاء السقام

(۴) القول المختصر

محمد بہاءالدین شاہ کے مطابق انھیں چار کتابوں کے نام معلوم ہوسکے۔(۱۲)

آپ کا وصال ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں ہوا۔ مسجد حرم میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جنت المعلیٰ میں تدفین ہوئی۔

ہندوستان سے رابطہ:

ہندوستان میں وہابی تحریک کا آغاز مولوی اسماعیل دہلوی کی تصانیف ''تقویۃ الایمان'' اور ''صراط مستقیم'' کی اشاعت سے ہوا۔ بعد میں اس کاز کو تقویت پہنچانے میں مولوی رشید احمد گنگوہی کی تصنیف ''براہین قاطعہ'' جو ان کے شاگرد مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے نام سے شایع ہوئی، نے اہم کردار ادا کیا۔ اس کی تردید میں مولانا غلام دستگیر قصوری مجددی (م ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) نے ''تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل'' لکھی، اس کی تلخیص کا ترجمہ عربی میں کیا۔ ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں حجاز پہنچ کر علماے حرمین کی خدمت میں پیش فرمایا۔ علماے حرمین نے تقاریظ لکھیں۔ علامہ شیخ صالح کمال نے بھی تقریظ لکھی۔ یہ آپ کا ہند سے پہلا رابطہ تھا جو اشاعت حق کے حوالے سے ہوا۔

امام احمد رضا سے تعلقات (۱۳۱۷ھ سے ۱۳۳۲ھ)

انجمن ندوۃ العلما کا پہلا اجلاس ۱۸۹۳ء میں مدرسہ فیض عام کان پور میں ہوا۔ جس میں امام احمد رضا نے بھی شرکت کی۔ لیکن جلد ہی آپ نے بھانپ لیا کہ اتحاد ملت کے نام سے قائم ہونے والی یہ تحریک خلاف شریعت امور کی حامی ہے۔ اس کے ذریعے بدعقیدگی کو تقویت پہنچے گی، اور ہوا بھی یہی۔ امام احمد رضا نے فوری علاحدگی اختیار کر لی۔ اور اصلاح ندوہ کی کوششیں تیز کر دیں۔ تحریک ندوہ کے لادینی افکار پر ۲۸؍سوالات مرتب کر کے علماے حرمین کی خدمت میں تصدیق کے لیے پیش کیے۔ جس پر ۲۲؍علما نے تقاریظ وفتاوے تحریر فرمائے۔ یہ کتاب ''فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین'' کے نام سے ۱۳۱۷ھ میں ممبئی سے شایع ہوئی۔ اس میں علامہ شیخ صالح کمال نے پُرمغز تقریظ تحریر کی۔ یہ امام احمد رضا سے آپ کا پہلا تعارف غائبانہ طور پر ہوا۔ جس نے عظمت کے وہ نقوش چھوڑے جس کی تکمیل دوسرے سفر حج ۱۳۲۳ھ میں ہوئی۔

فتاویٰ الحرمین پر تقریظ:

امام احمد رضا نے ارباب ندوہ کو دعوت اصلاح پیش کی، لیکن وہ لادینی موقف پر اڑے رہے، اسی سبب امام احمد رضا نے ''فتاویٰ الحرمین'' کی تصنیف کی جس پر علامہ شیخ صالح کمال نے تقریظ لکھی اور برملا امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، دین کے تحفظ کے لیے مخلصانہ کدوکاوش کا کھلے انداز میں اعتراف فرمایا۔ تقریظ میں ایک مقام پر علامہ صالح کمال لکھتے ہیں:

''پس ازاں جب یہ صحیح جواب میرے مطالعہ میں آئے میں نے اس باب میں لاجواب پائے، ان میں شک نہ لائے گا مگر منافق بے یقین، یا کوئی دشمن حق وصواب سے کنارہ گزیں، قرآن وحدیث سے مستحکم ہوئے ہیں، ملحدوں کے دلوں پر نیزوں کا کام کر رہے ہیں۔''

علمیت وحق گوئی کے ذکر میں لکھتے ہیں:

والحمدلله الذی وفق هٰذاالفاضل لمثل هٰذاالتالیف الشریف. الدال علٰی رفعة قدره و رسوخ قدمه المنیف کثرالله امثاله. واحسن ماله.

''شکراس خدا کا جس نے اس فاضل کو ایسی تالیف شریف کی توفیق دی، جس نے اس کی بلندیِ قدر و رسوخ قدم فائق پر دلالت کی۔ اللہ تعالیٰ اس کے امثال بڑھائے اور اس کا انجام اچھا بنائے۔'' (۱۳)

الدولة المکیة بالمادة الغیبیة:

دوسرے سفرِ حج ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظّمہ میں امام احمد رضا نے علمِ پاک مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موضوع پر معرکہ آرا کتاب ''الدولة المکیة بالمادة الغیبیة'' لکھی۔ اس کی تقریب کچھ یوں ہوئی کہ امام احمد رضا کے قیامِ مکہ معظّمہ کے زمانے میں وہابیہ نے مسئلۂ علمِ غیب پر کچھ سوالات اٹھائے، اس وقت شیخ صالح کمال مسجدِ حرم میں امامت وخطابت اور درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے، اور مسئلۂ علمِ غیب سے متعلق سوالات آپ کی ہی خدمت میں پیش ہوئے تھے، اس تناظر میں آپ سے ملاقات کی بابت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''اس بار سرکارِ حرم محترم میں میری حاضری بے اپنے ارادے کے جس غیر متوقع طور اور غیر معمولی طریقوں پر ہوئی...... وہ حکمت الٰہیہ یہاں آکر کھلی، سننے میں آیا کہ وہابیہ پہلے سے آئے ہوئے ہیں جن میں خلیل انبیٹھی اور بعض وزراے ریاست ودیگر اہلِ ثروت بھی ہیں۔ حضرت شریف (گورنر مکہ معظّمہ) تک رسائی پیدا کی ہے، اور مسئلۂ علمِ غیب چھیڑا ہے، اور اس کے متعلق کچھ سوال اعلم علماے مکہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال سابق قاضی مکہ ومفتی حنفیہ کی خدمت میں پیش ہوا ہے، میں حضرت موصوف کی خدمت میں گیا، حضرت مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحب زادے عزیزی مولوی عبدالاحد صاحب بھی ہم راہ تھے، میں نے بعد سلام ومصافحہ مسئلۂ علمِ غیب کی تقریر شروع کی، اور دو گھنٹہ تک اسے آیات واحادیث واقوالِ ائمہ سے ثابت کیا، اور مخالفین جو شبہات کیا کرتے ہیں ان کا رد کیا، اس دو گھنٹے تک حضرت موصوف محض سکوت کے ساتھ ہمہ تن گوش ہو کر میرا منھ دیکھتے رہے......'' (۱۴)

شیخ صالح کمال اس پر مغز گفتگو سے متاثر ہوئے، فتاویٰ الحرمین کے توسط سے پہلے سے متعارف تھے ہی اس پہلی ملاقات نے آپ کے دل میں عظمت کا وہ نقش ڈال دیا جسے فضلِ الٰہی کہیے کہ پھر محبتوں کا رشتہ وصال تک باقی رہا...... امام احمد رضا سے آپ کی دوسری ملاقات کتب خانۂ حرم میں ۲۵/ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو نمازِ عصر کے بعد ہوئی، اس ملاقات کا ذکر امام احمد رضا نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

''بعد نمازِ عصر میں کتب خانہ کے زینے چڑھ رہا ہوں، پیچھے سے ایک آہٹ معلوم ہوئی، دیکھا تو

حضرت مولانا شیخ صالح کمال ہیں، بعد سلام ومصافحہ دفتر کتب خانہ میں جا کر بیٹھے، وہاں حضرت مولانا سید اسمٰعیل اور ان کے نوجوان سعید رشید بھائی سید مصطفٰی اور ان کے والد ماجد مولانا سید خلیل اور بعض حضرات بھی...... حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے جیب سے ایک پرچا نکالا جس پر علمِ غیب کے متعلق پانچ سوال تھے، مجھ سے فرمایا: یہ سوال وہابیہ نے حضرت سیدنا (گورنر مکہ معظّمہ) کے ذریعے پیش کیے ہیں، اور آپ سے جواب مقصود ہے......'' (۱۵)

قیامِ حرم کے زمانے میں ہی قلیل مدت میں علمِ غیب مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ عظیم عربی کتاب مکمل ہوگئی، تکمیل کی بابت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''الحمدللہ بندۂ ضعیف نے پہلا حصہ سات گھنٹے میں پورا کر دیا تھا۔ پھر اس میں فائدے کے لیے نظرِ ششم بڑھائی، اور آج باوصف کثرتِ اشغال کے دوسرا حصہ بعد ظہر کے لکھا، اور اسے ایک گھنٹے سے کچھ زائد میں تمام کر دیا تو بحمداللہ ۲۷/ذی الحجہ روز چہارشنبہ کو عصر سے پہلے پورا ہو گیا۔'' (۱۶)

شیخ الخطبا شیخ ابوالخیر میر داد حنفی (م ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء) کی فرمائش پر علمِ خمس کی بحث کا اضافہ فرمایا۔ کتاب کا نام تاریخی رکھا ''الدولة المکیة بالمادة الغیبیة'' جس کے عدد ۱۳۲۳ھ بنتے ہیں۔ تصنیف کے دوسرے ہی دن شیخ صالح کمال کی خدمت میں کتاب پہنچا دی گئی، امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''مولانا (صالح کمال) نے دن میں اسے کامل طور پر مطالعہ فرمایا اور شام کو شریف صاحب (شریف مکہ) کے یہاں لے کر تشریف لے گئے، عشا کی نماز وہاں شروع وقت پر ہو جاتی ہے، اس کے بعد سے نصف شب تک کہ عربی گھڑیوں میں چھ بجتے ہیں شریف علی پاشا کا دربار ہوتا تھا، حضرت مولانا (صالح کمال) نے دربار میں کتاب پیش کی اور علی الاعلان فرمایا: اس شخص نے وہ علم ظاہر کیا جس کے انوار چمک اٹھے اور جو ہماری خواب میں بھی نہ تھا۔'' (۱۷)

۲۸/ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کی شب کتاب کی سماعت کے لیے شریف مکہ کے دربار میں جید علما تشریف لائے تھے، چوں کہ حج کے ایام کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے اور عالم اسلام کے جید علما شہر مبارک میں موجود تھے اس لیے اس مبارک اجتماع میں ''الدولة المکیة'' کا شہرہ رہا۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ:

''تمام مکہ معظّمہ میں کتاب کا شہرہ ہوا، وہابیہ پر اوس پڑ گئی۔'' (۱۸) شیخ صالح کمال مکی نے مجلس میں کتاب سنائی، دو نشستوں میں کتاب مکمل ہوئی۔ اس درمیان بعض وہابیہ نے خلل ڈالنے کی کوشش بھی کی، لیکن دلائل کے آگے وہ بے بس ہو گئے۔ شریف مکہ نے کتاب کے سماع کے بعد فرمایا:

''اللہ تو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب عطا فرماتا ہے اور یہ وہابیہ منع کرتے ہیں۔'' (۱۹)

الدولة المکیة پر تقریظ:

الدولة المکیة پر کثیر علماے حرمین نے تقاریظ لکھیں اور مصنف کی مدح میں عمدہ القاب کہے، اس

بابت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (م ۲۰۰۸ء) لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا کی تصنیف ''الدولۃ المکیۃ'' نہایت ممتاز ہے، اس پر بہ کثرت علماے اسلام نے تقاریظ لکھیں ہیں جن میں بہت سی شایع ہوگئیں اور کچھ غیر مطبوعہ بریلی میں محفوظ ہیں۔'' (۲۰)

شیخ صالح کمال مکی نے بھی کتاب پر تقریظ لکھی، ایک مقام پر امام احمد رضا کی علمی شان کا بیان والہانہ انداز میں ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

اللّٰھم زد و بارک و اطل عمر ھذاالاستاذ الکبیر و العالم.

ترجمہ: الٰہی اس استاذ کبیر اور عالم کمال ماہر کی عمر میں فزونی و برکت و درازی عطا کر۔ (۲۱)

تقریظ میں آپ نے الدولۃ المکیۃ کے پس منظر کو نہایت اختصار سے بیان فرمایا ہے، نیز اس کتاب سے حاسدین کی پشیمانی کا بھی ذکر کیا ہے کہ کس طرح اللہ کریم نے ان پر ذلت و رسوائی مسلط کر دی، ان کا جھوٹ انھیں کام نہ آیا، اور حق ظاہر ہوا۔

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کا کذب:

ہندوستان میں وہابی عقائد کی تبلیغ میں دیابنہ نے اہم کردار ادا کیا۔ مولوی رشید احمد گنگوہی جو دیابنہ کے اکابر میں ہیں نے ''براہین قاطعہ'' لکھی، اس کتاب کی اشاعت ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء میں اپنے شاگرد مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے نام سے کی، جس میں اللہ کریم کی پاک ذات کے لیے جھوٹ کا عقیدہ تراشا۔ (۲۲) چوں کہ یہ عقیدہ اسلامی عقائد سے متصادم تھا اس لیے علماے حق نے اس کی تردید میں کتابیں لکھیں، برصغیر کے جید عالم مولانا غلام دستگیر قصوری مجددی (م ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء) نے اس کے رد میں ''تقدیس الوکیل عن توھین الرشید والخلیل'' تالیف کی اور اس کی عربی تلخیص ۱۸۹۰ء میں علماے حرمین کی خدمت میں تصدیق کو پیش کی۔ جس پر شیخ صالح کمال نے بھی تصدیق لکھی۔

الدولۃ المکیۃ کے حوالے سے شیخ صالح کمال نے شریف مکہ سے ''براہین قاطعہ'' کا ذکر فرما دیا۔ ان ایام میں مولوی خلیل انبیٹھوی مکہ معظمہ میں تھے، وہ تحائف لے کر شیخ صالح کمال کی خدمت میں پہنچے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''مولانا (صالح کمال) کے پاس کچھ اشرفیاں نذرانہ لے کر پہنچے اور عرض کی کہ حضرت مجھ پر کیوں ناراض ہیں، فرمایا: کیا تم خلیل احمد ہو، کہا ہاں، مولانا نے فرمایا: تجھ پر افسوس تو نے براہین قاطعہ میں وہ شنیع باتیں کیسے لکھیں، میں تو تجھے زندیق لکھ چکا ہوں۔ (۲۳) (واضح رہے کہ شیخ صالح کمال نے ''تقدیس الوکیل'' کی تقریظ میں انبیٹھوی صاحب اور ان کے استاذ مولوی گنگوہی کو زندیق لکھا ہے۔)

واقعہ کی بابت ایک تفصیلی خط آپ نے حافظ کتب حرم شیخ اسمٰعیل خلیل مکی کی خدمت میں بھیجا، جسے شیخ اسمٰعیل خلیل نے امام احمد رضا کی خدمت میں بھیج دیا جب کہ اس واقعہ کا ذکر شیخ صالح کمال نے

امام احمد رضا سے خود فرمایا، امام موصوف فرماتے ہیں:

''صبح کو حضرت مولانا شیخ صالح کمال فقیر کے پاس تشریف لائے اور خود یہ واقعہ بیان کیا، اور فرمایا میں نے سنا کہ وہ رات ہی میں بھاگ گیا، میں نے کہا: مولانا آپ نے بھگا دیا، فرمایا: میں نے؟ میں نے کہا: ہاں آپ نے، فرمایا: یہ کیوں کر؟ میں نے عرض کیا: جب اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی، آپ نے کیا فرمایا؟ فرمایا: میں نے کہا ہوتی ہے، میں نے کہا اسی نے اسے بھگایا، آپ کو یہ فرمانا تھا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توھین کرے اس کی توبہ قبول نہیں۔ فرمایا: واللہ یہ مجھ سے رہ گئی۔'' (۲۴)

حسام الحرمین اور اس پر تقریظ:

علامہ فضل رسول بدایونی (م ۱۲۸۹ھ) کی کتاب ''المعتقد المنتقد'' پر امام احمد رضا نے ''المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد'' کے نام سے حاشیہ لکھا، اس میں نو پید فرقوں کے عقائد کا ذکر کیا۔ اس کا خلاصہ اسی سفر حج ۱۳۲۳ھ میں علماے حرمین کی خدمت میں پیش کیا جس میں براہین قاطعہ کی توہین کا بھی ذکر تھا۔ ۳۳/ علماے حرمین نے اس پر عمدہ تصدیقات و تقریظات لکھیں۔ شیخ صالح کمال نے بھی تقریظ تحریر کی، آپ کی جامع تقریظ ۴ صفحات پر محیط ہے جب کہ ابتدا میں ان الفاظ میں آپ کا تعارف پیش کیا گیا ہے:

مقدام العلماء المحققین وھُمام العظماء المدققین العریف الماھر، والغطریف الباھر، والسحاب الھامر، والقمر الزاھر، ناصر السنّة وکاسر الفتنة.

پیشواے علماے محققین، والا ہمت کبراے مدققین، عظیم المعرفۃ، ماہر سردار، بزرگ صاحبِ نور عظیم، ابر بارندہ، ماہِ درخشاں، ناصر سنن، فتنہ شکن۔ (۲۵)

تقریظ میں امام احمد رضا کے لیے القاب و دعائیہ کلمات کا انداز ملاحظہ کریں:

العالم العلامة بحر الفضائل و قرة عیون العلماء الاماثل، مولانا الشیخ المحقق برکة الزمان احمد رضا خان البریلوی حفظه اللّٰه و ابقاہ.

عالم علامہ...... کہ فضائل کا دریا ہے اور علماے عمائد کی آنکھوں کی ٹھنڈک، حضرت مولانا محقق، زمانے کی برکت احمد رضا خاں بریلوی، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے، سلامت رکھے۔ (۲۶)

گم راہ فرقوں کی بابت شیخ صالح کمال لکھتے ہیں: ''بے شک گم راہی کے وہ پیشوا جن کا تم نے نام لیا ایسے ہی ہیں جیسا تم نے کہا اور تم نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا سزاوار قبول ہے، تو ان کا جو حال تم نے بیان کیا اس پر وہ کافر اور دین سے باہر ہیں۔'' (۲۷)

قیام حرم کے دوران ملاقات:

اللہ کریم نے امام احمد رضا کو وہ مقبولیت عطا کی کہ اکثر علما خود ہی ملاقات کو تشریف لاتے، شیخ

صالح کمال تقریباً روزانہ ملنے آتے، امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''فقیر دعوتوں کے علاوہ صرف چار جگہ ملنے کو جاتا، مولانا شیخ صالح کمال اور شیخ العلما مولانا محمد سعید بابصیل اور مولانا عبدالحق مہاجر الہ آبادی اور کتب خانے میں مولانا سید اسمٰعیل کے پاس، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، یہ حضرات اور باقی تمام حضرات فرودگاہ فقیر پر تشریف لایا کرتے...... مولانا شیخ صالح کمال کی تشریف آوری کی تو گنتی نہیں۔'' (۲۸)

دوران قیام حرم شیخ صالح کمال اور شیخ اسمٰعیل خلیل مکی نے آپ کا خاص خیال رکھا، امام احمد رضا فرماتے ہیں: ''حضرت سید اسمٰعیل وحضرت مولانا شیخ صالح کمال رحمہما اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ایک عمدہ پلنگ منگوادیا تھا، ایام مرض میں مَیں اسی پر ہوتا اور علما عظما عیادت کو آتے اور فرش پر تشریف رکھتے۔'' (۲۹)

وارفتگی شوق:

ایام علالت کا ایک واقعہ امام احمد رضا ذکر فرماتے ہیں:

''شدت مرض وشوقِ مدینہ میں جب وہ جملہ میں نے کہا کہ ''روضۂ انور پر ایک نظر پڑ جائے پھر دم نکل جائے'' دونوں علمائے کرام کا غصہ سے رنگ متغیر ہوگیا اور حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے فرمایا: ہرگز نہیں بلکہ تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ ثُمَّ یکون تو روضۂ انور پر اب حاضر ہو، پھر حاضر ہو، پھر حاضر ہو، پھر مدینہ طیبہ میں وفات نصیب ہو۔'' (۳۰)

اقتدا:

فقہ حنفی کے مطابق نماز عصر کا وقت دوسایہ گزر کر ہے، اس سفر حج میں امام احمد رضا نے اس کے خلاف عمل پایا، امام ممدوح فرماتے ہیں: ''میں اس بار جماعت عصر میں بہ نیت نفل شریک ہوجاتا اور فرض عصر مثل دوم کے بعد میں، حضرت مولانا شیخ صالح کمال، حضرت مولانا سید اسمٰعیل و دیگر بعض محتاطین حنفیہ اپنی جماعت سے پڑھتے، جس میں وہ حضرات امامت پر اس فقیر کو مجبور فرماتے۔'' (۳۱)

سند اجازت حدیث:

علم حدیث میں امام احمد رضا کا پایہ بہت بلند تھا، نیز اس موضوع پر درجنوں کتب وحواشی مطبوعہ و غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری نے ''تصانیف امام احمد رضا'' میں علم حدیث اور متعلقہ علوم وفنون میں ۵۹/ حواشی وکتب کے نام درج کیے ہیں، جن میں زیادہ عربی میں ہیں۔ (۳۲)

علم حدیث میں امام احمد رضا کی عبقریت کا اعتراف ان کے مخالف وموافق سبھی نے کیا۔ چناں چہ قیام حرمین کے دوران عظیم محدث مولانا سید عبدالحی بن سید عبدالکبیر کتانی فاسی سند اجازت حدیث کے لیے بارگاہ رضا میں حاضر ہوئے، آپ سے متعلق مولانا حامد رضا خاں لکھتے ہیں:

''موصوف محدث المغرب جلیل المنصب سردار فاضل عالم کامل صاحبِ فضل مبین ہیں، علم

حدیث میں اور اس کے علاوہ دیگر علوم دینیہ میں ساٹھ کتابیں تصنیف فرما چکے ہیں، آپ مکہ مکرمہ میں حج کے لیے آئے ہوئے تھے، انھوں نے بغیر کسی سابق تعارف وسابق ملاقات کے والد ماجد کی خدمت میں ۲۶/ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو پیغام بھیجا کہ میں آپ کے نور علم سے مقتبس ہونے کے لیے آنا چاہتا ہوں۔'' (۳۳)

آگے مزید تحریر فرماتے ہیں: ''انھوں نے آتے ہی والد ماجد سے اجازت حدیث حاصل کی اور حدیث مسلسل بالاولیت کا سماع کیا، پھر اولیائے کبار کے سلاسل طریقت کی اجازتیں لیں، والد ماجد نے تمام اجازتیں ان کی منشا کے مطابق لکھ کر مرحمت فرمائیں۔'' (۳۴)

قیام حرمین کے دوران اجازت واسانید حدیث کے لیے اکابر علما تشریف لاتے جس کا ذکر محدث بریلوی نے ''الاجازات المتینۃ'' اور ''الملفوظ'' حصہ دوم میں فرمایا ہے۔ شیخ صالح کمال نے بھی اجازت حدیث طلب فرمائی۔ مولانا حامد رضا خاں لکھتے ہیں:

''بتاریخ ۲۸/ ذی الحجہ والد صاحب (امام احمد رضا) کی زیارت کے لیے حضرت مولانا شیخ کمال تشریف لائے جو برگزیدہ علما کے سردار ہیں، ان کے ساتھ فضل وکمال کے گھرانے ''دحلان'' کے دیگر اہل علم اور اصحاب فضیلت بھی تھے، انھوں نے بھی اجازتیں مانگیں۔ آپ نے سب کو زبانی اجازتیں بخشیں اور جلیل القدر علامہ (صالح کمال) کی جلالت شان اور عظمت مکان کے پیش نظر ان کے لیے سند لکھنے میں کافی توقف فرمایا۔ وہ جب ملتے سند کا مطالبہ فرماتے اور تقاضے پر تقاضا کرتے۔ یہاں تک کہ ان کی خاطر سند کا ایک الگ بڑا نسخہ ارشاد فرمایا جس کا تاریخی نام ''الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکۃ البہیۃ'' تجویز کیا۔'' (۳۵)

امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''مولانا شیخ صالح کمال کو اللہ تعالیٰ جنات عالیہ عطا فرمائے بہ آں فضل وکمال کہ میرے نزدیک مکہ معظمہ میں ان کے پائے کا دوسرا عالم نہ تھا، اس فقیر حقیر کے ساتھ غایت اعزاز بلکہ ادب کا برتاؤ رکھتے بار بار اصرار کے ساتھ مجھ سے اجازت نامہ لکھوایا جسے میں نے ادباً کئی روز ٹالا، جب مجبور فرمایا لکھ دیا۔'' (۳۶)

شیخ صالح کمال کو طویل سند حدیث لکھ کر عطا کی جس میں سلاسل طریقت کی اجازت بھی دی۔

اس میں ایک مقام پر علامہ شیخ صالح کا ذکر خیر بڑے عمدہ اور مرصع القاب کے ساتھ فرمایا ہے:

یا حسنۃ الزمان وبرکۃ الآوان یاطیب الوجود و طیّب الجود من وجهه انضر من روض مجود و فیضه اجود من جود یجود امجید المجید الجیّد الجائد مردی الامارد ومجدی الاماجد یا صالح الافعال و صدیق الاقوال یا اباالافضال و ابن الکمال.

ترجمہ: اے زمانے کی نکوئی، اے وقت کی برکت، اے وجود کے ستھرے، اے سخاوت کے اچھے، اے وہ جن کا چہرہ عمدہ باغ سے زیادہ تروتازہ اور جن کا فیض تیز بارش سے زیادہ فیاض ہے، اے بزرگ گرامی قدر، ستھرے کردار والے، موسلا دھار بارانِ کرم، اے خبیثوں اور سرکشوں پر تباہیاں ڈالنے

والے، اے شریفوں اور معززوں کو عطائیں دینے والے، اے صالح افعال اور سچے اقوال والے، اے صاحب فضل اور صاحب کمال۔(۳۷)

اس میں شیخ صالح کمال کے تقویٰ وکمال اور خصائص کا ذکر اشعار میں بھی فرمایا، اشعار ملاحظہ کریں جو ''صنعت ترشیح'' میں ہیں اور جن میں ہر مصرعے کا پہلا حرف ملانے پر ''صالح کمال'' بنتا ہے۔ (ان اشعار کا فنی پہلو امام احمد رضا کی فی البدیہہ عربی شعر گوئی اور اس میں عبور پر دلیل ہے۔):

ص صلحت قلوب العارفین فاصلحت
ا اعضاء هم فی طاعة الفضال
ل لا غرو انَّ بحسن احوال الملک
ح حسناً لملک الملک فی الاحوال
ک کم عالم فی عالم الدنیا بدا
م ما علمه الاشقاشق قال
ا العلم قلّ و بعد فیه تکثر
ل لکن علیک بصالح لکمال

(ترجمہ اشعار)

۱ - پہلے اہل عرفان کے دل سنورتے ہیں پھر وہ دل ان کے تمام اعضا کو سنوار کر اس ذات کی عبادت پر لگا دیتے ہیں جو کثیر الفضل ہے۔

۲ - اس پر تعجب نہیں کیوں کہ بادشاہ کے اپنے احوال جب ستھرے ہو جائیں تو اس کے پورے ملک کے احوال ستھرے ہو جاتے ہیں۔

۳ - اس دنیا میں کئی علما ایسے بھی ابھرے ہیں جو اونٹ کے بلبلانے کی سی آوازوں کے سوا کچھ نہیں جانتے (ان کے پاس زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہیں ہوتا)

۴ - علم کم ہو گیا ہے اور دعویٰ علم دور تک پہنچ گیا ہے تو تجھ پر (اندریں حالات) ان کا دامن تھامنا لازم ہے جو کمال کے صالح ہیں۔(۳۸)

پھر شیخ صالح کمال کی دینی خدمت اور اخلاص کی خوبی بتائی ہے اور انھیں دین کی مدد کے لیے مستعد بتایا، فرماتے ہیں: ''حضرت صالح کمال نے ملاقات سے پہلے بھی میری مدد فرمائی اور دشمنوں کے شر سے بچایا۔''(۳۹)

اس میں ''فتاویٰ الحرمین'' کی تقریظ کی طرف اشارہ ہے، جو ندوہ کی گم رہی پر شیخ صالح کمال نے ۱۳۱۶ھ میں تحریر کی، جس سے باطل کے قصر رفیع میں شگاف پڑا جو بعد کو اس کی کامیاب تباہی کا

سبب بنا۔

علمی مجالس کا ذکر:

سند اجازت حدیث میں امام احمد رضا نے دوران قیام مکہ معظّمہ جو علمی مجالس منعقد ہوئیں ان کا ذکر بھی فرمایا، جس میں محسوسات کی جھلک صاف دیکھی جا سکتی ہے، فرماتے ہیں:

''ہم نے علمی مذاکرے کیے، سوال کیے اور جواب دیے تو میری اور ان کی آنکھوں نے نیز میرے اور ان کے کانوں نے اس سے زیادہ دیکھا اور سنا جس کا ذہنوں میں تصور تھا، ان علمی مجلسوں نے ہمارے دلوں میں محبت کی سوزش اور باتوں میں شوق کی لذت کے سوا کچھ نہ بڑھایا۔''(۴۰)

جذبۂ دینی میں اخلاص قلبی اور لگن، اور منصب جلالت کے پیش نظر امام احمد رضا نے اپنی آنکھوں کا نور بھی کہا، تحریر فرماتے ہیں: ''میرا نام ''رضا'' ہے اور آپ میری عین (آنکھ) کی مانند ہو جانے کی وجہ سے ''عین الرضا'' ہوئے۔''(۴۱)

ملفوظاتِ رضا میں بھی مکہ مکرمہ کی علمی مجالس کا ذکر ہے، اور یہ موضوع بھی ایسا ہے جس پر ہمارے محققین کو توجہ دینی چاہیے ان کا مطالعہ بھی علمی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے، امام احمد رضا ملفوظات میں فرماتے ہیں:

''تین تین پہر میری ان (شیخ صالح کمال) کی مجالست ہوتی اور اس میں سوا مذاکرات علمیہ کے کچھ نہ ہوتا، جس زمانے میں ''قاضی مکہ معظّمہ'' رہے تھے اس وقت کے اپنے فیصلوں کے مسئلے دریافت فرماتے، حقیر جو بیان کرتا اگر ان کے فیصلے کے موافق ہوتا بشاشت وخوشی کا اثر چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوتا اور مخالف ہوتا تو ملال وکبیدگی، اور یہ سمجھتے کہ مجھ سے حکم میں لغزش ہوئی۔''(۴۲)

خیر یہ تو قیام حرمین کے زمانے کی بات تھی، امام احمد رضا ہندوستان تشریف لائے شہر مبارک حرم مقدس میں علامہ شیخ صالح کمال علمی مجالس میں امام احمد رضا کا اکثر تذکرہ فرماتے۔ حافظ کتب الحرم شیخ اسمٰعیل خلیل مکی اپنے ایک مکتوب (محررہ ۱۲/رجب ۱۳۳۲ھ) میں فرماتے ہیں: ''سیدی شیخ صالح کمال تو ہر مجلس میں آپ کے کمالات بیان کرتے رہتے ہیں۔''(۴۳)

انجمن آرائی:

اللہ کریم کا فضل وکرم ایسا ہوا کہ ان کے عہد میں عرب وعجم میں شہرہ تھا ہی......اور اب تو علم و دانش کے ایوانوں میں علوم وفنونِ رضا پر تحقیق کے مرحلۂ شوق طے کیے جا رہے ہیں...... دینی خدمات کے ہر گوشے کو تحریر کا عنوان بنایا جا رہا ہے......مخالفت کی مہم چلائی گئی، جھوٹ کی یلغار ہوئی، زہر فشانی کی گئی، بہتان تراشی کی گئی، لیکن جب حقایق واضح ہوئے تو اجالا پھیلتا گیا......اندھیرا سمٹتا گیا......زبانیں مدحت سے تر ہوتی گئیں......حجاز ومصر، شام ویمن، یورپ وافریقا اور امریکا میں بھی امام احمد رضا کی

خدمات کا اعتراف کیا جارہا ہے......تصانیف رضا کی اشاعت ہو رہی ہے......سال گزشتہ قاہرہ مصر سے کئی تحقیقی کتابیں شایع ہوئیں جن میں علماے ازہر نے بڑے احترام سے ذکر رضا کیا......اور یہ ذکر آفاق کی وسعتوں میں پھیلتا ہی جارہا ہے بہ قول پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد:

علمی حلقوں نے جب حقایق وشواہد کو واشگاف ہوتے دیکھا تو رفتہ رفتہ اس طرف متوجہ ہوئے اور علم ودانش کی وہ محفل جہاں ہر شخص دم بہ خود نظر آتا تھا، اب وہاں سب بولنے لگے اور ایک عجیب رونق ہوگئی:

گئے وہ دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے راز داں اور بھی ہیں (۴۴)

حواشی وحوالہ جات

(۱) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، آئینۂ رضویات، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۴ء، مرتب: عبدالستار طاہر مسعودی، ج۴، ص۲۱

(۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: امام احمد رضا اور علماے مکہ معظّمہ، بہاء الدین شاہ، طبع ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

نوٹ: الحمدللہ اس کتاب کا نیا ایڈیشن رضا اکیڈمی ممبئی نے ۲۰۱۰ء میں شایع کردیا ہے۔

(۳) محمد بہاء الدین شاہ، امام احمد رضا اور علماے مکہ، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۶ء، ص۲۷۵

(۴) احمد رضا بریلوی، امام، الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۱۰ء، ترجمہ: محمد احسان الحق قادری، مولانا، ص۱۳

(۵) امام احمد رضا اور علماے مکہ معظّمہ، از بہاء الدین شاہ، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۶ء، ص۳۰۵

(۶) حوالۂ سابق ص۳۰۶۔۳۰۷

(۷) حوالۂ سابق

(۸) عبدالحق انصاری، Supporters of Hussam al Harmain مشمولہ حسام الحرمین (انگریزی ایڈیشن)، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۵ء، ص۱۶

(۹) امام احمد رضا اور علماے مکہ معظّمہ، از بہاء الدین شاہ، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۶ء، ص۳۰۸

(۱۰) حوالۂ سابق ص۳۰۹

(۱۱) حوالۂ سابق ص۳۰۹ تا ۳۱۱

(۱۲) حوالۂ سابق ص۳۱۱۔۳۱۲

(۱۳) احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ الحرمین، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۱۰ء، ص۱۲۱۔۱۲۲

(۱۴) محمد مصطفیٰ رضا نوری، مولانا، مفتی اعظم، الملفوظ، حصہ دوم، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، ص۷

(۱۵) حوالۂ سابق ص۸

نوٹ: مولانا اسمٰعیل خلیل مکی کتب خانۂ حرم کے ڈائرکٹر تھے، مکہ معظّمہ کے اکابر علما سے تھے، متعدد کتابوں کے مصنف اور محقق تھے، آپ کا کتب خانہ علما کا مرکز تھا، علمی مجالس سجتیں، امام احمد رضا کے خلیفہ تھے، قیام مکہ معظّمہ کے زمانے میں استفادۂ علمی فرمایا، تفصیل کے لیے راقم کا مقالہ ملاحظہ فرمائیں:

''امام احمد رضا اور مولانا سید اسمٰعیل مکی''، مشمولہ سال نامہ یادگار رضا ۲۰۱۰ء، طبع رضا اکیڈمی ممبئی

(۱۶) احمد رضا بریلوی، امام، الدولۃ المکیۃ، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، ص۱۶۷

نوٹ: الدولۃ المکیۃ کا اردو ترجمہ فرزند رضا مولانا حامد رضا خاں نے فصیح زبان میں فرمایا، اب تک اس کے درجنوں ایڈیشن ہندو پاک سے بار بار شایع ہوچکے ہیں، راقم کے پیشِ نظر جو نسخہ ہے اس کی اشاعت رضا اکیڈمی ممبئی نے ۲۰۰۶ء میں کی اور اس میں ۵۷؍علماے عرب کی تصدیقات شامل ہیں، جب کہ تقاریظ وتصدیقات کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔

(۱۷) محمد مصطفیٰ رضا نوری، مولانا، مفتی اعظم، الملفوظ، حصہ دوم، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، ص۱۰

(۱۸) حوالۂ سابق ص۱۱

(۱۹) حوالۂ سابق

(۲۰) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، امام احمد رضا اور عالم اسلام، ادارۂ مسعودیہ کراچی ۲۰۰۰ء، ص۸

نوٹ: ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے اپنی اس کتاب میں ۳۸؍تقاریظ کے عکس دیے ہیں جو علماے حرمین کے علاوہ شام، عراق و مصر کے فضلا کی تحریر کردہ ہیں، جن میں الدولۃ المکیۃ کی تحقیقی خصوصیات کے ساتھ ہی مصنف کی بصیرت کو زبردست انداز میں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے اور عمدہ القاب سے یاد کیا گیا ہے۔

(۲۱) ملاحظہ فرمائیں: الدولۃ المکیۃ، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، حصہ تقریظات، ص۱۱؛ ۲۰۵۔۲۰۶

(۲۲) ملاحظہ فرمائیں: براہین قاطعہ، مطبوعہ کتب خانۂ امدادیہ دیوبند (سن اشاعت ندارد) کی عبارت: ''کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔'' (معاذ اللہ)

(۲۳) محمد مصطفیٰ رضا نوری، مولانا، مفتی اعظم، الملفوظ، حصہ دوم، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، ص۱۳

(۲۴) حوالۂ سابق ص۱۳۔۱۴

(۲۵) احمد رضا بریلوی، امام، حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین (اردو ترجمہ)، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۹ء، ص۹۷۔۹۸

(۲۶) حوالۂ سابق ص۹۹

(۲۷) حوالۂ سابق ص۹۹۔۱۰۰

(۲۸) محمد مصطفیٰ رضا نوری، مولانا، مفتی اعظم، الملفوظ، حصہ دوم، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، ص۱۵۔۱۶

(۲۹) حوالۂ سابق ص۱۹

(۳۰) حوالۂ سابق ص۲۱

(۳۱) حوالۂ سابق ص۲۴

(۳۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تصانیف امام احمد رضا، از مولانا محمد عبدالمبین نعمانی، طبع رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۴ء، ص۱۸ تا ۲۱

(۳۳) احمد رضا بریلوی، امام، الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۱۰ء، ترجمہ: محمد احسان الحق

قادری، مولانا، ص ۱۵

(۳۴) حوالۂ سابق

(۳۵) حوالۂ سابق، ص ۱۷

(۳۶) محمد مصطفیٰ رضا نوری، مولانا، مفتی اعظم، الملفوظ، حصہ دوم، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، ص ۲۰

(۳۷) احمد رضا بریلوی، امام، الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۱۰ء، ترجمہ: محمد احسان الحق قادری، مولانا، ص ۴۶۔۴۷

(۳۸) حوالۂ سابق، ص ۴۶۔۴۷

(۳۹) حوالۂ سابق، ص ۴۹

(۴۰) حوالۂ سابق، ص ۴۹۔۵۱

(۴۱) حوالۂ سابق

(۴۲) محمد مصطفیٰ رضا نوری، مولانا، مفتی اعظم، الملفوظ، حصہ دوم، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، ص ۲۰

(۴۳) احمد رضا بریلوی، امام، الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۱۰ء، ترجمہ: محمد احسان الحق قادری، مولانا، ص ۲۶۔۲۷

(۴۴) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، آئینۂ رضویات، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۴ء، مرتب: عبدالستار طاہر، ج ۴، ص ۱۸

نو پید فرقوں کے باطل عقائد کی تردید میں علمی مرقع

سیف اللہ المسلول علامہ شاہ فضل رسول بدایونی کے ۵ فکر انگیز رسائل کا اہم مجموعہ

رسائل فضل رسول

مرتب: مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

ناشر: رضا اکیڈمی ممبئی

صفحات: ۳۲۰...... طباعت: عمدہ و دیدہ زیب سرورق...... قیمت: درج نہیں

اعتقادی باب میں یہ معرکہ آرا کتاب ایمان افروز بھی ہے اور علم و تحقیق کی خوب صورت دستاویز بھی۔

ہواؤں میں فکر رضا کی توسیع کا انوکھا اہتمام

www.alahazratnetwork.org

محمد افروز قادری چریاکوٹی

دلاص یونی ورسٹی، کیپ ٹاون، ساؤتھ افریقہ

afrozqadri@gmail.com

زمانہ قیامت کی چال چل رہا ہے، اگر ہمیں اس دنیا کو آبرومندانہ طریقہ پر برتنا ہے تو زمانے کے ساتھ چل کر عصری چیلنجز سے نمٹنا ہوگا۔ آپ کو پتا ہے کہ ہر دور کے تقاضے جداگانہ ہوتے ہیں اور عصری تقاضوں سے آنکھیں موند لینا داناؤں کا کام نہیں ہوتا۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی جملہ شاخوں میں روز افزوں توسیع و ترقی اور اسلام مخالف طاقتوں اور تحریکوں کی نت نئے دام ہائے ہم رنگ زمیں کے ساتھ ہر میدان میں گرم بازی تقاضا کرتی ہے ہم بھی اُٹھیں اور سائنس وٹکنالوجی سے آنکھیں چار کرتے ہوئے ان کی تاریک جولان گاہوں میں قرآن واسلام کی نور بخش کرنوں کو اُتار دیں۔

موجودہ دور بجا طور پر میڈیا (Media) کا دور کہا جا سکتا ہے اور میڈیا کی اس قوت نے پوری دنیا کو ایک شہر بلکہ ایک گاؤں میں تبدیل کر دیا ہے۔ موبائل فون کی مدد سے ہر شخص ایک دوسرے سے رابطے میں ہے، اخبارات وجرائد اور انٹرنیٹ کی بدولت تازہ سے تازہ خبر ہر میز پر دست یاب ہے۔ دنیا بھر میں کروڑوں ویب سائٹس اور سیکڑوں ٹی وی چینلز ہر دم اطلاعات نشر کر رہے ہیں۔

میڈیا دراصل ایک قوم کی تشکیل کرتا ہے، اس کے کارپردازان اگر خیر وفلاح کا جذبہ رکھتے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہیں تو وہ قوم کی تعمیر وترقی کا ایک مبارک فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اور اگر اس سے ''فروغِ شر'' کا کام لیا جائے تو وہ تخریب کے مقاصد پورے کرتا نظر آتا ہے۔ سچ پوچھیے تو جب سے میڈیا کو نئے وسائل مثلاً پرنٹنگ پریس، ریڈیو، ٹی وی، اور انٹرنیٹ وغیرہ میسر آئے ہیں تب سے ان وسائل کے ذریعے لادین مغرب نے اپنے خیالات کو دنیا بھر میں آن کی آن میں پھیلایا ہے اور میڈیا کے ان ہی ذرائع کے ذریعہ غیب داں رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ ہر گھر میں برائی پھیل جائے گی اور موسیقی کا عام چلن ہوگا۔

اتفاق سے ہم ایسے دور میں سانس لے رہے ہیں جب ہمارے سامنے نت نئے وسائل ابلاغ جنم لے رہے ہیں۔ ٹی وی کا فروغ آج سے کم وبیش چالیس سال قبل ہوا، ڈش پندرہ سال قبل متعارف

ہوا، پھر کیبل کا زمانہ آیا جسے پانچ چھ برس سے زیادہ ہو چلے ہیں، یہی حال تصاویر، موسیقی اور ویڈیو کے دیگر آلات کا ہے کہ ان کا ارتقا ہماری آنکھوں کے سامنے کی بات ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ کیا ان وسائل ابلاغ سے خیر کے فروغ کا کام لیا گیا ہے یا یہ آپ شر کے مراکز بن گئے ہیں؟

یہ سچ ہے کہ سائنس وٹکنالوجی کی دم بہ خود ترقی نے جہاں نئے نئے ایجادات وانکشافات سے دنیا کے سامنے سہولیات اور معلومات کا اَنبار لگا دیا، وہیں اس نے شہوت پرستی کے لیے نئی راہیں بھی کھول دی ہیں۔ مواصلاتی دوریوں نے سمٹ کر جہاں انسانیت کو آسانیاں فراہم کی ہیں وہیں نفسانی خواہشات کے متوالوں کے لیے تسکین نفس کا جملہ سامان بھی کیا ہے۔ مجموعی طور پر ان جدید وسائل اعلام پر ایک طرف فحاشی و بے حیائی کا غلبہ ہے تو دوسری طرف یہ ملحدانہ افکار کے مراکز ہیں، گوکہ ان سے بعض دینی مقاصد کو بھی فروغ حاصل ہوا ہے لیکن اگر مجموعی شرح دیکھی جائے تو انٹرنیٹ نے فحاشی کے دریا بہا دیے ہیں اور معاشرے میں عیاشی کے بہیمانہ ڈھنگ متعارف کرائے ہیں۔

ایسے سنگین حالات میں صرف لفاظیوں اور دعاؤں پر تکیہ کرنے سے مقصد برآری نہیں ہوسکتی، ضروری ہے کہ اربابِ ذرائع ابلاغ اپنی اسلامی ذمہ داریوں کو سمجھیں، اس کے انسداد کے لیے مؤمنانہ بصیرت کے ساتھ سائنسی موثر حربے بھی بروئے کار لائیں، اور میڈیا کو فحاشی وعریانیت کی بجائے خیر وبھلائی کا پیغام بر بنانے کی ہر ممکن جدوجہد میں لگ جائیں۔ اگر میڈیا کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے تو کم از کم ان کا شکار ہونے والے مسلمان بھائیوں کو تو ان کے طریقہ ہائے واردات سے آگاہی ہونی چاہیے۔ دنیاوی وسائل سے مالا مال مسلمانوں کو اس ذمہ داری کا احساس اور زیادہ ہونا چاہیے کہ وہ صالح ذرائع ابلاغ کے قیام کی طرف بھرپور توجہ دیں، اور جو لوگ اس سلسلے میں متحرک وفعال ہیں ان کی پشت پناہی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ فرمائیں۔

یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ دین محض نماز، روزہ اور دیگر عبادات ہی کا نام نہیں بلکہ زندگی کے ہر عمل اور ہر حرکت کے لیے دین اسلام میں رہ نمائی موجود ہے اور بہ حیثیت مسلمان ہمیں اُن کا اتباع بھی لازم ہے، لہٰذا اس تعلق سے اعتدال کی راہ یہ ہے کہ اسلامی حدود میں رہ کر انٹرنیٹ کا استعمال ہو اور اس کے برے اثرات سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں، کیوں کہ خیر وشر کا پہلو ہر چیز میں موجود ہے۔ اگر لوگوں کو انٹرنیٹ کے استعمال سے روک دیا جائے تو معلومات کے اہم ذخائر سے وہ محروم رہ جائیں اور اگر انھیں بے مہابا چھوڑ دیا جائے تو وہ گوناگوں گناہوں کے ریشمی جالوں میں ایسے اُلجھ جائیں کہ بس...... اللہ ہمیں سچائی اور اچھائی کی راہ پر قائم ودائم رکھے۔

اب اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سائنس وٹکنالوجی خصوصاً کمپیوٹر اور انٹرنیٹ اکیسویں صدی کی سب سے ترقی یافتہ ایجاد ہے۔ انٹرنیٹ کی اہمیت اس لیے بھی دوچند ہو جاتی ہے کہ اس

کے ذریعہ دنیا کے کونے کونے سے تازہ ترین خبروں، لمحوں میں بدلتے حالات اور دور دراز علاقوں میں رونما ہوتے واقعات کا منٹوں سکنڈوں میں سراغ لگ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں دنیا کے جملہ علوم وفنون نیز اسلامی مواد کا ایک بیش بہا خزینہ نیٹ پر ہمہ وقت استفادے کے لیے موجود ہے۔ لیکن جب ہم انٹرنیٹ پر جماعتی سطح پر اپنے کام کی رفتار دیکھتے ہیں تو غیروں کے مقابلے میں ہم پاسنگ بھی نہیں۔ انٹرنیٹ کی سیر کرتے وقت ایسا لگتا ہے جیسے پورا نیٹ وہابیت زدہ ہو گیا ہے۔ (اسلام مخالف تحریکیں اپنی جگہ) ہمارے مذہبی حریف کی اس میدان میں برق رفتاری کا عالم یہ ہے کہ ہر آن نئے نئے چولے بدل کر سطح نیٹ پر دندناتے پھر رہے ہیں۔ نوع بہ نوع ویب سائٹس، ہر موضوع پر مواد کی فراہمی کی لگن، اور جدید اسکرپٹس کے انعقاد میں سبقت لے جانے کی دھن، حتیٰ کہ نت نئے اسلامک سافٹ ویئرز کی کوشش، نیز اب تو درسِ نظامی کی مغلق اور معرکۃ الآرا کتابوں کی تفہیم وتسہیل کے حوالے سے آڈیو سی ڈیز کا بھی اہتمام ہو رہا ہے۔ بریلویت کا ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے جیسے کوئی دیومالائی کہانی، اور دیابنہ اور ان کے سرغنہ حضرات کو ایسے معصومانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ جیسے ان کے دراز دامنوں پر عظمت رسالت کی فصیلوں پر شب خون مارنے کا کوئی دھبہ ہی نہ ہو اور جا بجا انھیں کے حوالے، مضامین اور مقالات بکھرے پڑے ہیں۔ اور ہم جس طرح عام میدانوں میں کوتاہ دستی کے شکار ہیں اسی طرح یہ میدان بھی ہماری کاہلی کا ماتم کر رہا ہے۔ ہماری جو دو چند سائٹیں ہیں بھی تو نہایت کس مپرسی کی شکار۔ اللہ تعالیٰ خیر فرمائے۔

اس وقت میں جس ویب سائٹ کا تعارف آپ کے حضور لے کر آیا ہوں وہ عالم اسلام کی عبقری شخصیت حضور سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ سے معنون ہے اور اخلاص تمام کے ساتھ انھیں کے افکار وتعلیمات کی مبلغ۔ اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی قدر اب اپنوں اور غیروں کسی کے لیے کسی تعارف کی محتاج نہ رہی۔ تاہم جس طرح آپ کا تعارف ہونا چاہیے تھا نہیں ہوا، لہٰذا اس کا قرض ابھی تک ہمارے سروں پر لدا ہوا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ ایک ایسی ذات جو آیة من آیات اللّٰہ - اور - معجزة من معجزات الرسول ہو اس کے تعارف کا صحیح معنوں میں حق بھی کون ادا کرسکتا ہے۔ سچائی یہ ہے کہ افکارِ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے خامہ فرسائی کر کے ہم ان کی مقبولیت میں کچھ اضافہ تو نہیں کر پاتے، ہاں! اتنا ضرور ہوتا ہے کہ خود ہمارا دائرۂ شہرت وسعت پذیر ہو جاتا ہے۔ یہ سن کر اور دیکھ کر بے پایاں خوشی ہوتی ہے کہ فکر رضا آج نئے نئے علاقے فتح کر رہی ہے اور شہرتِ رضا آفاق کی وسعتوں میں پھیلی جاتی ہے۔ مگر کچھ کور عقیدوں اور سیاہ باطنوں کو آپ کی یہ شہرت ایک آنکھ نہیں بھاتی، اور اپنے بے ہنگم پھونکوں سے آپ کے چراغِ شہرت کو وہ بجھا دینا چاہتے ہیں مگر شاید انھیں نہیں معلوم ؎

تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

اعلیٰ حضرت کی سیرت وسوانح کا دیانت داری سے مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہ ہوگا کہ آپ کی حیات مستعار کا لمحہ لمحہ خدمت دین کے لیے وقف تھا مگر سوال یہ ہے کہ آپ کے نام لیوا آج کیا کر رہے ہیں!! اعلیٰ حضرت کی پوری زندگی تو کام سے عبارت ہے بے کاری کا ایک آدھ لمحہ بھی آپ کے یہاں کھوجے سے نہیں ملتا، مگر آج اُن کی محبت کا دم بھرنے والے اپنے کاموں کے تئیں کتنے مخلص ہیں اور وقت کے صحیح استعمال میں کتنے چوبند ہیں بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ سید وصی شاہ نے کیا مزے کی بات کہی ہے ۔

عمل کی سوکھتی رگ میں ذرا سا خون شامل کر
مرے ہم دم فقط باتیں بنا کر کچھ نہیں ملتا

اعلیٰ حضرت کے نام پر چند سائٹیں نیٹ پر جلوہ افگن تو ہیں مگر ظاہری سج دھج کے علاوہ دینی سرمائے خصوصاً رضویات کے حوالے سے کام کی رفتار صفر کے برابر ہے، مگر دیکھیے یہ ہیں ہمارے ہم دم ریاض شاہد صاحب! جنھوں نے بے سروسامانی کے باوجود انٹرنیٹ کی تاریکیوں میں alahazratnetwork.org کے حوالے سے ایک ماہِ کامل اُجال دیا ہے، جس کی روشنی دور دور تک گئی ہے، اپنوں کے گھروں میں بھی اُتری ہے، غیروں کے آشیانوں میں بھی پہنچی ہے۔ اس مردِ مجاہد نے تن تنہا پوری جماعت کا قرض اتار دینا چاہا تھا مگر شومیِ قسمت کہ نجدیوں اور وہابیوں نے اپنی خباثتِ باطنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وقتی طور پر اس سائٹ کو موقوف (Block) کردیا حد یہ کہ معلومات (Datas) تک دینے سے انکار کردیا تھا۔ مگر الحمدللہ! اس شاہین صفت مجاہد نے ہمت نہ ہاری، اور اپنی بکھری ہوئی توانائیاں جٹا کر پھر سر بر آرائے نیٹ ہوگیا۔

اس نیٹ کی اہمیت کا اندازا شاید اُن لوگوں کو نہ ہوسکے جو اپنے دائیں بائیں کتابوں کے پشتارے سجائے بیٹھے ہوتے ہیں، مگر ہم جیسے غریب الدیار بے بضاعتوں کے لیے جہاں حدائق بخشش کا ایک صفحہ بھی نایاب ہے، پورا فتاویٰ رضویہ بلکہ اکثر کتاب ہائے اعلیٰ حضرت کا پلک جھپکتے ہاتھ لگ جانا۔ یقیناً کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ یقین مانیں یہ سائٹ دیکھ کر ہمیں کتنی خوشی محسوس ہوئی، اس کی تعبیر حرف وصوت سے ممکن نہیں ہوسکتی۔ خدا لگتی یہ ہے کہ اس سائٹ نے ہمیں سینکڑوں سائٹوں سے یک قلم بے نیاز کردیا اور ہم اسی سائٹ پر دل وار بیٹھے۔ معلومات ومعارف کا ایک قلزم کہنا چاہیے اِسے، اور رضویات کے حوالے سے ایک عظیم دائرۃ المعارف (Encyclopedia) بعض دفعہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اعلیٰ حضرت بہ نفس نفیس نیٹ پر بیٹھے علم ومعرفت کے دھارے چھلکا رہے ہیں۔

''اعلیٰ حضرت نیٹ ورک'' کی اس اچھوتی بے مثال کاوش پر اعلیٰ حضرت کی روح کتنی خوش ہوئی ہوگی نہیں کہا جاسکتا۔ ایسی بیش بہا اور پر از معلومات سائٹ فراہم کرکے ''اراکین اعلیٰ حضرت نیٹ ورک'' نے جہاں وقت اور جماعت کی ایک عظیم ضرورت کی تکمیل کی ہے وہیں اپنی سعادتوں کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر کیا ہے۔ یقیناً ان کے کاموں کی نوعیت جداگانہ اور متنوعانہ ہے، اور ایک مجاہدانہ و سرفروشانہ عزم وول ولے کے ساتھ آپ لوگ سرگرم عمل ہوئے ہیں۔ بس ہمیں دعا کرنے دیں کہ اللہ کریم آپ کی ان سرگرمیوں میں مزید حرارت بخشے، مشکلات کی تحلیل فرمائے، آپ لوگوں کو جگ جگ سلامت رکھے اور اپنی رضا کے کام لے۔

یہ ویب سائٹ تو دراصل نیٹ پر بیٹھ کر دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے، اس کی خوبیاں کہاں تک حیطۂ بیان میں آئیں، تاہم ذیل میں ہم اس کا ایک اجمالی خاکہ قارئین کی خدمت میں پیش کیے دیتے ہیں۔

ویب سائٹ میں بہت سارے شعبہ جات (Sections) بنائے گئے ہیں، جن میں سے مرکزی شعبے کچھ یوں ہیں:

کتبِ اعلیٰ حضرت سیکشن: یہ ویب سائٹ کا سب سے اہم اور Main سیکشن ہے، یہاں پر تا دم تحریر ۲۲۸ر کتب اعلیٰ حضرت اپنی پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہیں۔ ان میں کتبِ اعلیٰ حضرت کا وہ ذخیرہ بھی دنیا بھر میں پڑھنے کے لیے آن لائن (Online) دست یاب ہے جو کہ مارکیٹ سے غائب ہیں اور ہندوپاک کے علاوہ دیگر ممالک میں تو شاید ان میں سے دو چند کتابیں بھی نہ مل سکیں۔ اس لیے یہ سیکشن شیفتگانِ علم ومعرفت کے لیے ایک نعمت بے بہا ہے۔ مزید برآں مخطوطاتِ اعلیٰ حضرت جو کہ دنیا کی نظروں سے عرصہ سے اوجھل تھے الحمدللہ اب اس یوسف گم گشتہ کی بازیافت بھی ہوگئی ہے اور اس ویب سائٹ کی بدولت مشرق ومغرب کے ہر کونے سے انھیں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ کوئی مردِ میدان آگے آئے اور ان مخطوطات پر تحقیقی کام کرے اور کچھ نہ سہی تو ابتداءً ان کا اردو ترجمہ ہی کردے۔

عالم اسلام خصوصاً دنیائے رضویت میں پہلی بار اس ویب سائٹ کو یہ اعزاز ملا کہ اس نے اتنی بڑی تعداد میں کتبِ اعلیٰ حضرت اور مخطوطاتِ اعلیٰ حضرت کو آن لائن پیش کرکے دنیا جہاں کے لیے افکار وتعلیماتِ اعلیٰ حضرت سے استفادے کی راہیں آسان کردی ہیں۔

فتاویٰ رضویہ سیکشن: اس سیکشن میں فتاویٰ رضویہ (جدید) کی مکمل ۳۰ جلدیں یعنی ۲۱۵۰۰ر سے زائد صفحات ہمہ وقت آن لائن دست یاب ہیں۔ alahazratnetwork.org دنیا کی پہلی (اور تا حال) واحد ویب سائٹ ہے جسے مکمل ''فتاویٰ رضویہ'' آن لائن لانے کا شرف حاصل ہے۔ (ایک اطلاع کے مطابق حال ہی میں کئی سنی ویب سائٹس نے ''فتاویٰ رضویہ'' فراہم کردیا ہے۔ مرتب)

عربی سیکشن: اس سیکشن میں حضور سیدنا اعلیٰ حضرت کی عربی کتب نیز آپ کے کوائف وخدمات کے اعتراف میں بہ زبان عربی لکھی گئیں کتابیں دست یاب ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سیکشن کی ضخامت بھی بڑھتی جارہی ہے۔

انگلش سیکشن: اس سیکشن میں اعلیٰ حضرت کی کتب کے انگلش ترجمے (Translations) موجود ہیں۔ نیز اعلیٰ حضرت پر انگریزی زبان میں لکھی گئیں کتابیں بھی شاملِ سیکشن ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر کتب اور فقہی سوال وجواب بھی اس سیکشن کا حصہ ہیں۔

اعلیٰ حضرت پر لکھے گئے مضامین/ آرٹیکلز: اس سیکشن میں تاحال ۲۵۰ر کے قریب مضامین ومقالات (Articles) شامل کیے جاچکے ہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت پر اب تک لکھے گئے آرٹیکلز کا خاصا بڑا ذخیرہ ہے اور روز افزوں اضافے کا عمل بھی جاری ہے۔

مولانا حسن رضا سیکشن: اس سیکشن میں استاذِ زمن مولانا حسن رضا خاں علیہ الرحمہ کے اشہب قلم سے نکلے ہوئے شاہ کار شامل ہیں۔ ان کی بعض کتابیں ایسی ہیں جن کے ہم نے صرف نام ہی سنے تھے مگر اس سائٹ کی بدولت انھیں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

پی۔ ایچ۔ڈی سیکشن: یہ سیکشن امام اہل سنت، مجددِ دین وملت پر کیے گئے پی۔ ایچ۔ ڈی مقالات کا حامل ہے۔

ڈاؤن لوڈ سیکشن: اگر آپ انٹرنیٹ کا استعمال کم کرتے ہیں، یا انٹرنیٹ کی بچت چاہتے ہیں اور سب کچھ انٹرنیٹ سے منسلک (Connect) رہتے ہوئے نہیں پڑھ سکتے تو آپ کی سہولت کے لیے ویب سائٹ نے ڈاؤن لوڈ (Download) کا بھی اہتمام وانتظام کیا ہے کہ آپ اپنی من چاہی کتاب ڈاؤن لوڈ کر کے اپنے کمپیوٹر میں محفوظ کرلیں اور فرصت کے اوقات میں جب چاہیں ان کے مطالعہ سے اپنے دیدہ ودل کی سیرابی کا سامان کریں۔ اس سیکشن میں تقریباً تمام کتب ڈاؤن لوڈنگ کے لیے دستیاب ہیں۔

کتبِ احادیث سیکشن: انٹرنیٹ پر ہر طرف بدعقیدوں کے ترجمے بکھرے پڑے تھے۔ اگر بخاری شریف کا اردو ترجمہ کوئی تلاش کرنا چاہتا تو حیرت کی بات ہے کہ اسے صرف قادیانیوں کا کیا ہوا اُردو ترجمہ نظر آتا تھا۔ وقت کی اس اہم ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے alahazratnetwork.org نے الحمدللہ، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداوٗد، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی، جامع ترمذی یعنی صحاح ستہ کے ساتھ مشکوٰۃ شریف، مرآت المفاتیح شرحِ مشکوٰۃ المصابیح اور المواہب اللدنیہ وغیرہ کے تراجم علمائے اہل سنت کو آن لائن کردیا ہے، تاکہ دنیا حدیث کے صحیح معنی ومفہوم سے آشنائی حاصل کرسکے۔ زیادہ تر ترجمے علامہ عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری علیہ الرحمہ کے ہیں، جو جماعت کے ایک مستند عالم دین سمجھے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی درجنوں سیکشن ویب سائٹ کی زینت ہیں جن میں نایاب کتب وآرٹیکل آن لائن ریڈنگ اور ڈاؤن لوڈنگ کے لیے ہمہ وقت حاضر ہیں۔ علاوہ بریں علمائے اہل سنت کی بہت سی مشہور ومعروف کتابیں اور شروحات بھی اس سائٹ پر دست یاب ہیں، بس ایک کلک کی دیر ہے جہانِ کتب آپ کی نگاہوں کے سامنے۔

ویب سائٹ کی مقبولیت: الحمدللہ! امام اہل سنت مجددِ دین وملت حضور سیدنا اعلیٰ حضرت کے دیوانے شیدائی دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں۔ انھیں جب اعلیٰ حضرت پر اس قدر مواد آن لائن نظر آیا تو انھوں نے اس ویب سائٹ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس سائٹ کی پذیرائی کا اندازا آپ اس سے کرسکتے ہیں کہ تاحال یہ ویب سائٹ ہر ماہ ۸۰ر سے زائد ممالک میں Visit کی جاتی ہے، جن میں ٹرینڈاڈ جیسے دور دراز ممالک بھی شامل ہیں۔ ماہانہ Hits کی تعداد ۱۰ر لاکھ سے اوپر ہے:

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

ری سرچ ورک: کتبِ اعلیٰ حضرت پر کما حقہ ری سرچ کرنے کے لیے اعلیٰ حضرت نیٹ ورک نے ایک اور سنگِ میل بھی عبور کرلیا ہے اور وہ یہ کہ بیش تر کتبِ اعلیٰ حضرت کی کمپوزنگ کا کام مکمل ہوچکا ہے نیز فتاویٰ رضویہ کی ۳۰ر جلدیں بھی کمپوزنگ کے دشوار گزار مراحل سے گزر چکی ہیں، سردست جماعت کے مستند اور جید علما اس کی پروف ریڈنگ میں مشغول ہیں۔ اس کے بعد ڈیٹا بیس کے ذریعہ ان کتابوں پر ری سرچ کا کام کرنے کا خیال ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے منصوبوں میں کامیاب فرمائے۔

اگر آپ بھی اس کارِ خیر میں اپنا حصہ شامل کرنا چاہیں اور علمی معاونت کے لیے آپ کے پاس کوئی کتاب یا آرٹیکل موجود ہو یا اعلیٰ حضرت کے حوالے سے کوئی سی بھی چیز جسے قارئین کے لیے آپ نفع بخش سمجھتے ہوں تو پہلی فرصت میں ذیل کے پتے پر ارسال کرنے کی زحمت فرمائیں۔ نیز علمائے اہل سنت وجماعت سے بھی مودبانہ گزارش ہے کہ کتبِ اعلیٰ حضرت پر ری سرچ کے کام میں معاونت وراہ نمائی فرمائیں۔ بس اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

رابطے کا پتہ:
Website:www.alahazratnetwork.org
E-mail: fikrealahazrat@gmail.com
Cell. 0092 3006956324

ان کے بلبل کی خموشی بھی لبِ اظہار ہے

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ

مژدہ باد اے عاصیو! شافع شہ ابرار ہے
تہنیت اے مجرمو! ذاتِ خدا غفّار ہے

عرش سا فرش زمیں ہے فرش پا عرش بریں
کیا نرالی طرز کی نام خدا رفتار ہے

چاند شق ہو پیڑ بولیں جانور سجدے کریں
بَارَکَ اللہ مرجعِ عالم یہی سرکار ہے

جن کو سُوے آسماں پھیلا کے جل تھل بھر دیے
صدقہ اُن ہاتھوں کا پیارے ہم کو بھی درکار ہے

لب زلالِ چشمۂ کُن میں گندھے وقت خمیر
مُردے زندہ کرنا اے جاں تم کو کیا دشوار ہے

گورے گورے پاؤں چمکا دو خدا کے واسطے
نور کا تڑکا ہو پیارے گور کی شب تار ہے

تیرے ہی دامن پہ ہر عاصی کی پڑتی ہے نظر
ایک جان بے خطا پر دو جہاں کا بار ہے

جوشِ طوفاں بحرِ بے پایاں ہوا ناسازگار
نوح کے مولیٰ کرم کر لے تو بیڑا پار ہے

رحمۃٌ للعالمین تیری دہائی دب گیا
اب تو مولیٰ بے طرح سر پر گنہ کا بار ہے

حیرتیں ہیں آئینہ دارِ وفورِ وصفِ گل
ان کے بلبل کی خموشی بھی لبِ اظہار ہے

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وامنقار ہے

(ماخوذ: حدایق بخشش، حصہ اوّل، مطبوعہ دہلی)

نعت مختار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(امام احمد رضا کی زمین میں)

محمد عبد القیوم طارقؔ سلطان پوری

ذاتِ والاے نبی آنِ عجم، شانِ عرب
متفقہ یہ سمجھتے ہیں محبانِ عرب

حسن بخشِ چمنِ دہر بیابانِ عرب
برسا ہر بادیے پر ابرِ گل افشانِ عرب

آج جس اوج پہ ہے فکر و شعورِ انساں
یہ ہے طیبہ کا عطیہ، یہ ہے احسانِ عرب

کیا کہا جائے رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کے بعد
اس کی توصیف سے معمور ہے قرآنِ عرب

اس نے نرمی سے لیے موہ قلوبِ اعدا
حلم سے اس نے مسخر کیے اذہانِ عرب

اس کے آگے نہ زباں کھول سکیں اہلِ زباں
سامنے اس کے نہ دم ماریں فصیحانِ عرب

سفرِ نعت میں ہے میرا معین و رہ بر
اک رضاے عجمی، دوسرا حسانِ عرب

دیکھنے دیتا نہیں اور کوئی مے خانہ
ایسا جاں پرورِ منداں ہے خمستانِ عرب

ان کے دربارِ کرم کا ہوں قدیمی سائل
ملتا رہتا ہے مجھے حصۂ فیضانِ عرب

آج کی بات نہیں نعتِ محمد طارقؔ
روزِ میثاق سے ہوں واصفِ سلطانِ عرب

ظلِ علم مرتضٰی احمد رضا

حضرت احسن العلما سید شاہ مصطفٰی حیدر حسن میاں مارہروی قدس سرہٗ

چہرۂ زیبا ترا احمد رضا | آئینہ ہے حق نما احمد رضا
غوثِ اعظم مظہرِ شاہِ رسل | ان کا تو مظہر ہوا احمد رضا
علم تیرا بحرِ نا پیدا کنار | ظلِ علم مرتضٰی احمد رضا
تیرے مرشد حضرت آلِ رسول | ان کو تجھ پہ ناز تھا احمد رضا
اپنے برکاتی گھرانے کا چراغ | تجھ کو نوری نے کہا احمد رضا
سُنیوں پر یہ ترا احسان ہے | اپنے دامن میں لیا احمد رضا
سُنیت کی آبرو دم سے ترے | اب بھی قائم ہے شہا احمد رضا
جب بھی کوئی مرحلہ آ کر پڑا | تُو نے عُقدہ حل کیا احمد رضا
نام لیوا دید کے مشتاق ہیں | کھول دے چہرہ ذرا احمد رضا
مفتی اعظم ہوئے واصل بہ حق | ان سے راضی ہو خدا احمد رضا
تیری اُلفت میرے مرشد نے مجھے | دی ہے گھٹی میں پلا احمد رضا

یاد کرتا ہے تجھے تیرا حسنؔ
نعت اس کے حق میں کر دُعا احمد رضا

ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال

(سمت قبلہ پر تحقیق رضا کا تجزیہ)

حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی

بارگاہ امام احمد رضا میں شہر علی گڑھ سے یہ استفتا آیا کہ یہاں ایک پرانی عیدگاہ ہے۔ یہاں صدیوں سے علما کرام اور عوام الناس نماز عیدین ادا کرتے آرہے ہیں۔ لیکن اب بعض مہندسین اپنے حسابات وآلات کے ذریعہ یہ بتارہے ہیں کہ اس عیدگاہ کا رخ صحیح سمت قبلہ پر نہیں ہے۔ اس لیے یہاں کے مسلمانوں پر واجب ولازم ہے کہ اس کو توڑ کر نئی بنا قائم کریں۔ استطاعت نہ ہونے کی صورت میں اس عیدگاہ کے فرش پر صحیح قبلہ رخ خطوط کھینچ کر نماز ادا کریں، ورنہ موجودہ عیدگاہ کے رخ پر نماز مکروہ تحریمی ہوگی (ملخص فتاویٰ رضویہ، سوم، ص ۱۵)

امام احمد رضا **کلموا الناس علی قدر عقولھم** کے پیش نظر جس طرح مجالسہ ومذاکرہ کی محفل میں معروضات کے جوابات علمی اعتبار سے ارشادات فرماتے تھے (جیسے کہ الملفوظ کی عبارتوں سے ظاہر ہے) اسی طرح استفتا کے جواب میں بھی مقتضائے حال کے مطابق مستفتی اور اس کے ماحول کا خیال رکھ کر ہی جواب تحریر فرماتے تھے۔ کہیں **لا و نعم** پر اکتفا فرماتے اور کہیں تحقیق وتدقیق کا طوفان بپا کر دیتے تھے، مثلاً استاذنا الکریم سیدی وسندی فاضل بہار حضرت ملک العلما (شاگرد اعلیٰ حضرت مولانا ظفرالدین قادری رضوی) نے وضو کے تعلق سے ایک مختصر سا سوال کیا۔ تو اس کے جواب میں ایسی تحقیق انیق فرمائی کہ موجودہ دور کے بڑے بڑے علامہ فہامہ دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ قارئین کرام! اس سوال وجواب کو فتاویٰ رضویہ جلد اول کے پہلے سوال وجواب کو دیکھ کر اندازا لگا سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت علامہ فضل حق علیہ الرحمہ اور علامہ عبدالحق علیہ الرحمہ کے وطن مالوف خیرآباد سیتاپور سے سمت قبلہ کے بارے میں سوال آیا۔ امام احمد رضا نے جواب میں ایسی فن کاریاں قلم بند فرمائیں کہ دیکھنے کے لائق ہیں۔ اسے قارئین کرام ''فتاویٰ رضویہ'' جلد سوم ''باب القبلہ'' میں دیکھ سکتے ہیں۔

علی گڑھ سے آئے ہوئے سوال کے جواب میں اتنا لکھ دینا ہی کافی تھا کہ مہندس صاحب کا کہنا صحیح نہیں، بلکہ وہاں نمازیں درست ہیں، لیکن امام احمد رضا نے سائل ہی کو نہیں، بلکہ وہاں کے ماحول اور سوال میں ذکر کردہ مہندس کے کارنامے کو دیکھ کر جواب دیا۔ جواب کیا دیا، اسے جواب نہیں، بلکہ علم وفن کے سمندر کا دھارا بہانا کہتے ہیں۔ اگر زحمت نہ ہو، تو آیئے، امام اہل سنت کی تحقیق کی اٹھتی ہوئی موجوں

کا نظارہ کرنے کے لیے فتاویٰ رضویہ جلد سوم کے ص ۱۵ / تا ص ۴۱ / شروع سے آخر تک ایک بار ضرور مطالعہ کرلیں۔ اور ہمارے قول کی صداقت پر ایمان لے آئیں۔

علی گڑھ کے جواب میں سب سے پہلے امام احمد رضا نے سمت قبلہ کے تعلق سے فقہ وہیئت کی مختلف کتابوں سے یہ عطر نچوڑ کر پیش فرمایا کہ یہاں سمت قبلہ کی تحقیق میں کن کن باتوں کا جاننا ضروری ہے اور پھر افادۂ رابعہ کے عنوان سے ذیل میں بہ ذریعہ دائرہ ہندیہ علی گڑھ کے تقریبی سمت قبلہ کا استخراج فرمایا ہے اور پھر آخر میں بہ عنوان علی گڑھ کے تحقیقی سمت قبلہ کی بحث فرمائی ہے۔

تحقیقی سمت قبلہ کے استخراج میں امام احمد رضا نے وہاں کے طول وعرض کے پیش نظر وہ قاعدہ تحریر فرمایا ہے، جو کشف العلۃ کے دس قاعدوں کے ضمن میں مذکور ہے۔ چوں کہ یہ بحث مستقل طور پر ''کشف العلۃ'' (از امام احمد رضا) میں موجود ہے۔ اس لیے ہم یہاں اس کو نہیں بلکہ دائرہ ہندیہ سے استخراج کردہ بحث کو موضوع بناتے ہیں۔ دائرہ ہندیہ کے ذریعہ ہیئت کی کتابوں میں صرف اتنا بتایا جاتا ہے کہ بلد خاص سے قبلہ کا رخ کدھر ہے۔ وہاں یہ نہیں بتایا جاتا ہے کہ نقطۂ مغرب سے کتنی ڈگری انحراف یا نقطۂ شمال سے کتنی ڈگری انصراف ہے۔

دائرہ ہندیہ کی اس بحث کو امام احمد رضا نے پہلے ''اعمال ستینیہ'' کے ذریعہ اور پھر ''اعمال لوگارثمیہ'' کے ذریعہ حل فرمایا ہے۔ یہاں ہمارا مطلوب اعمال لوگارثمیہ ہے اگر حیات نے وفا کی تو اعمال ستینیہ کی بحث کو بھی کبھی پیش کریں گے۔

طول علی گڑھ	۰۶-۷۸	عرض علی گڑھ	۵۶-۲۷
طول مکہ شریف	۱۰-۴۰	عرض مکہ شریف	۲۵-۲۱
فرق طول	۵۶-۳۷	فرق عرض	۳۱-۶

علی گڑھ اور مکہ شریف کے طولین کا تفاضل ۵۶-۳۷ اور عرضین کا تفاضل ۳۱-۶ ہے۔ حاصل شدہ تفاضل کو فرق بھی کہتے ہیں۔ سامنے پیش کردہ دائرہ نما شکل کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

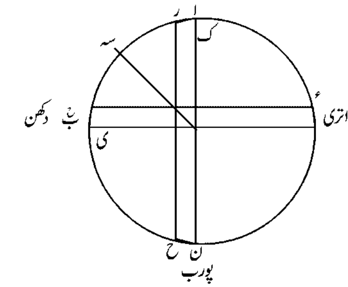

یہ دائرہ علی گڑھ کا افق ہے۔

ان = خط اعتدال علی گڑھ

ل ب = خط زوال علی گڑھ

رح = خط اعتدال مکہ شریف

ءح = خط زوال مکہ شریف

ک ر = جیب تفاضل عرض = م ط

ح ی = جیب تفاضل طول = م ہ

کسی بھی دائرہ کے مرکز سے گزرنے والا خط اس دائرہ کا قطر اور قطر کے متوازی کھینچا ہوا خط وتر کہلاتا ہے۔ وتر کے کسی بھی سرا سے قطر پر واقع ہونے والا عمود قطر اور وتر کے مابین واقع شدہ قوس کی جیب ہے۔ اس لیے اس دائرہ میں 'ا ر' قوس کی جیب 'ک ر' اور اسی طرح 'ح ب' قوس کی جیب 'ح ی' ہے۔

علی گڑھ کے خط اعتدال وزوال کا نقطۂ تقاطع 'ہ' ہے۔ یعنی یہ مقام علی گڑھ ہے، مکہ شریف کے خط اعتدال وزوال کا نقطۂ تقاطع 'ط' ہے۔ یعنی یہ مقام مکہ شریف ہے۔ 'ہ' سے 'ط' ہوتا ہوا 'سہ' تک خط سمت ہے۔ 'اسہ' کے درمیان واقع شدہ زاویہ یعنی دائرہ کے اندر بنا ہوا مثلث 'م ہ ط' کا زاویہ 'ہ' قدر انحراف ہے۔ اس لیے اگر مثلث 'م ہ ط' کو حل کرلیا جائے تو قدر انحراف معلوم ہوجائے گا۔

یہاں اس مثلث کا خط 'م ہ' چوں کہ خط 'ح ی' جیب کے برابر ہے اور خط 'م ط' چوں کہ خط 'ک ر' جیب کے برابر ہے اور زاویہ 'م' چوں کہ قائمہ ہے۔ اس لیے بہ شکل عروسی 'م ہ' کا مربع اور 'م ط' کا مربع کو جمع کرکے جذر لیا جائے، تو خط 'ہ ط' معلوم ہوجائے گا۔ اس طرح اس مثلث کے تینوں ضلع معلوم ہوجائیں گے۔ اور چوں کہ مثلث قائمۃ الزاویہ کے کسی بھی زاویۂ حادہ کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس زاویہ کے عمود کو وتر سے تقسیم کرلیا جائے۔ حاصل قسمت زاویۂ مطلوبہ کی جیب ہوتی ہے اس لیے یہاں زاویۂ حادہ 'ح' کے عمود 'م ط' کو خط 'ہ ط' یعنی وتر سے تقسیم کرنے پر زاویہ 'ہ' کی جیب اور پھر اس جیب سے بعد برعکس کارگزاری اس زاویہ کی مقدار نکل جائے گی۔

یہاں کچھ باتیں لوگارثم اور جیب کے تعلق سے درج کی جاتی ہیں۔ انھیں ضرور دھیان میں رکھیں۔

(۱) آپ کسی بھی زاویہ یا قوس کی جیب اصلی یا جیب لوگارثمی جداول ہائے ریاضیہ سے معلوم کرسکتے ہیں۔ اسی طرح اس کا برعکس عمل بھی جداول سے معلوم کرسکتے ہیں، یا پھر آپ خود ہی کلکولیٹر سے قوس یا زاویہ کی جیب اصلی پھر اس کا لوگارثم حاصل کرسکتے ہیں۔ اگر ایسی صورت میں حاصل شدہ لوگارثم منفی ہو، تو آپ اس پر لوگارثم کا ایک دور یعنی ۱۰/ عدد صحیح بڑھا کر مثبت کامل کرسکتے ہیں۔ اب اس لوگارثم کو تکمیلی لوگارثم یا جیب لوگارثمی کہیں گے۔ اس پورے عمل کو عمل راست کہتے ہیں۔ اور پھر جب اس تکمیلی لوگارثم سے زاویہ یا قوس معلوم کرنا چاہیں، تو پہلے اس تکمیل لوگارثم کی تجرید اور پھر انٹی لوگارثم کے ذریعہ

جیب اصلی اور پھر انورس کے ذریعہ زاویہ یا قوس معلوم کر سکتے ہیں۔

(۲) تجرید کی دو صورت ہوتی ہے، اول تجرید ناقص یعنی ۱۰/عدد صحیح کو تکمیلی لوگارثم کے صرف عدد صحیح سے گھٹائیں اور اعشاریہ کو اپنی جگہ برقرار رکھیں اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ عدد صحیح کے اوپر علامت منفی لگی ہوتی ہے۔ جیسے ۲̄ء۰۰۰- دوم تجرید تام یعنی پورے تکمیلی لوگارثم یعنی عدد صحیح مع اعشاریہ سے ۱۰ کو گھٹائیں۔ تاکہ پورا عدد منفی ہو جائے اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ پورے عدد کے بائیں جانب منفی کی علامت لگی ہوتی ہے جیسے ۲ء۰۰۰-

(۳) دوسری صورت میں تکمیلی لوگارثم سے جیب اصلی حاصل کرنے کے لیے بعد تجرید پورے منفی لوگارثم میں انٹی لوگارثم کا عمل کریں اور پہلی والی صورت میں صرف اعشاریہ والے حصہ میں انٹی لوگارثم کا عمل کریں اور پھر دیکھیں کہ عدد صحیح جو منفی ہے، وہ ایک ہے، دو ہے، کیا ہے؟ اگر ایک ہو، تو حصہ اعشاریہ کے انٹی لوگارثم سے جو جیب حاصل ہوتی ہے، اس میں علامت اعشاریہ کو ایک درجہ مزید بائیں رکھیں اور اگر ۲ ہو، تو ۲ درجہ مزید بائیں رکھیں۔

(۴) لوگارثم کے جذر حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی تنصیف کرلیں۔ اس کا نصف لوگارثم جذر ہوگا۔ لیکن اگر لوگارثم میں صرف عدد صحیح منفی ہو اور اعشاریہ مثبت ہو اور اس منفی رقم کی صحیح تنصیف نہ ہو، تو ایسی صورت میں چاہیے کہ عدد صحیح، جو منفی ہے، اس پر اتنا عدد منفی اور بڑھا دیں کہ اس کا صحیح صحیح نصف ہو اور اتنا ہی عدد مثبت اعشاریہ والے حصہ پر بڑھا دیں اور پھر دونوں حصوں کا نصف حاصل کر کے ایک ساتھ لکھ لیں۔

نوٹ: اگر اعداد عامہ میں ضرب مقصود ہو، تو مضروبین کے لوگارثم کو جمع کر کے اس کا عدد عام حاصل کرلیں اور اگر تقسیم مقصود ہو، تو مقسوم کے لوگارثم سے مقسوم علیہ کا لوگارثم تفریق کر کے حاصل تفریق کا عدد عام حاصل کرلیں۔ البتہ اگر عدد عام میں جمع و تفریق کا عمل مقصود ہو، تو یہ ان کے لوگارثم کے ذریعہ نہیں ہو پاتا۔ بلکہ ان لوگارثموں کا اعداد عامہ حاصل کر کے ان میں عمل جمع و تفریق کرنا لازم ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تکمیلات میں عدد صحیح اکائی سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اکائی کے علاوہ دہائی وغیرہ کو ساقط کر دیا جاتا ہے۔ جسے ''مخط'' کہتے ہیں۔

(۵) علم ہندسہ میں ایک شکل ایسی ہے، جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مثلث کے کسی بھی زاویہ کے جیب و وتر میں جو نسبت ہوتی ہے، وہی نسبت اس مثلث کے ہر ایک زاویہ کے جیب و وتر میں ہوتی ہے۔ اسی شکل کو امام احمد رضا نے شکل نافع سے تعبیر کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مثلث قائمۃ الزاویہ کے کسی بھی زاویہ حادہ کو معلوم کرنا ہو، تو اس زاویہ کے عمود کو وتر سے تقسیم کرلو حاصل قسمت مطلوبہ زاویہ کی جیب ہوگی۔

ماسبق میں یہ گزرا ہے کہ اس مسئلہ کا حل مثلث 'م ہ ط' کے حل پر موقوف ہے جس کا حل تین طریقے سے ہوسکتا ہے (۱) بہ ذریعہ اعداد عامہ (۲) بہ ذریعہ لوگارثم بدون تکمیل (۳) بہ ذریعہ تکمیل لوگارثم۔ ''ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال'' میں تیسرے طریقے سے حل کیا گیا ہے۔ ہم پہلے دونوں طریقوں کو بھی درج کرتے ہیں تاکہ اہل ذوق ہر طریقے سے لطف اندوز ہو سکیں۔

طول علی گڑھ	۰۶-۷۸	عرض علی گڑھ	۵۶-۲۷
طول مکہ شریف	۱۰-۴۰	عرض مکہ شریف	۲۵-۲۱
فرق طول	۵۶-۳۷	فرق عرض	۳۱-۶

پھر سے غور کیجیے، دائرہ ہندیہ کے بیچ میں بنا ہوا مثلث جسے حل کرنا ہے، یوں ہے:

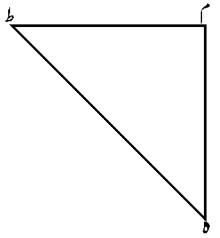

(۱) طریقۂ اول بذریعہ اعداد عامہ

فرق طول کی جیب ۰ء۶۱۴۷۴۴۱۶۶ = م ہ اس جیب کا مربع ۰ء۳۷۷۹۱۰۳۹

اور فرق عرض کی جیب ۰ء۱۱۳۴۹۲۲۲۷ = م ط اس جیب کا مربع ۰ء۰۱۲۸۸۰۴۸۵

اس لیے مجموع المربعین ۰ء۳۹۰۷۹۰۸۷۵ اس کا جذر یعنی وتر ۰ء۶۲۵۱۳۲۶۸۵ = ہ ط

اس لیے م ط ÷ ہ ط یعنی ۰ء۱۱۳۴۹۲۲۲۷ ÷ ۰ء۶۲۵۱۳۲۶۸۵ = ۰ء۱۸۱۵۴۹۰۲۱ =

مطلوبہ زاویہ کی جیب ہے بعد برعکس کارگزاری اس جیب کا زاویہ = ۱۰°-۴۷'-۳۶'' قدر انحراف از نقطہ مغرب بہ جانب جنوب۔

(۲) طریقہ دوم بہ ذریعہ لوگارثم بدون تکمیل

فرق طول کی جیب م ہ کا لوگارثم (۰ء۲۱۱۳۰۵۵۸۳-) اس لوگارثم کا مربع (۰ء۴۲۲۶۱۱۱۶۷-) اس لیے مربع اصلی ۰ء۳۷۷۹۱۰۳۹، اور فرق عرض کی جیب م ط کا لوگارثم (۰ء۹۴۵۰۳۳۸۸-) اس لوگارثم کا مربع (۱ء۸۹۰۰۶۷۷۶۲-) اس لیے مربع اصلی ۰ء۰۱۲۸۸۰۴۸۵ اس لیے مجموع المربعین اصلی ۰ء۳۹۰۷۹۰۸۷۵ اس کا لوگارثم (۰ء۴۰۸۰۵۵۵۸۵-) مجموع المربعین اصلی کا جذر یعنی وتر ۰ء۶۲۵۱۳۲۶۸۵ = ہ ط اس کا لوگارثم (۰ء۲۰۴۰۲۷۷۹۳-) اب لوگارثم م ط جیب سے لوگارثم ہ ط وتر تفریق کیا یعنی (۰ء۹۴۵۰۳۳۸۸-) سے (۰ء۲۰۴۰۲۷۷۹۳-) کو تفریق کیا =

(-۰ء۷۴۱۰۰۶۰۸۷) بعد عمل انٹی لوگارثم اور انورس = ۳۶-۲۷-۱۰° قدر انحراف از نقطہ مغرب بجانب جنوب۔

(۳) طریقہ سوم بہ ذریعہ تکمیل لوگارثم

(۱) فرق طول کی جیب لوگارثمی ۹ء۷۸۸۶۹۴۴۱۶ اس جیب لوگارثمی کا مربع ۹ء۵۷۷۳۸۸۸۳۳ یہی مربع بعد تجرید ناقص ۱̄ء۵۷۷۳۸۸۸۳۳ پھر وہی مربع بعد تجرید تام (-۰ء۴۲۲۶۱۱۱۶۷) اس لئے اصلی مربع ۰ء۳۷۷۹۱۰۳۹۔

(۲) فرق عرض کی جیب لوگارثمی ۹ء۰۵۴۹۶۶۱۱۹، اس جیب لوگارثمی کا مربع ۸ء۱۰۹۹۳۲۲۳۹ یہی مربع تجرید ناقص ۲̄ء۱۰۹۹۳۲۲۳۹ پھر وہی مربع بعد تجرید تام (-۱ء۸۹۰۰۶۷۷۶۲) اس لئے اصلی مربع ۰ء۰۱۲۸۸۰۴۸۵۔

(۳) اس لئے مجموع المربعین بعد اصلی ۰ء۳۹۰۷۹۰۸۷۵ اس کا جذر ۰ء۶۲۵۱۳۲۶۸۵ اصلی مجموع المربعین کا لوگارثم بعد تکمیل و تجرید ناقص ۱̄ء۵۹۱۹۴۴۱۴۔ اس کا جذر = ۱̄ء۷۹۵۹۷۲۲۰۷۔ یہی بعد تکمیل ۹ء۷۹۵۹۷۲۲۰۷ پھر اصلی مجموع المربعین کا لوگارثم بعد تجرید تام (-۰ء۴۰۸۰۵۵۵۸۵) اس کا لو جذر = (-۰ء۲۰۴۰۲۷۷۹۲) یہی بعد تکمیل ۹ء۷۹۵۹۷۲۲۰۸ اس لئے لوم ط یعنی ۹ء۰۵۴۹۶۶۱۱۹ سے لوہ ط یعنی ۹ء۷۹۵۹۷۲۲۰۸ کو تفریق کیا = (-۰ء۷۴۱۰۰۶۰۸۹)

بعد انٹی لوگارثم اور انورس = ۳۶-۲۷-۱۰° = جواب یعنی قدر انحراف از نقطہ مغرب بجانب جنوب۔

نوٹ (۱) لوگارثم تکمیلی میں امام احمد رضا نے تجرید کرنے کی صورت میں تجرید ناقص سے کام انجام دیا ہے۔ لیکن یہاں تجرید تام و تجرید ناقص دونوں اعتبار سے کام کیا گیا ہے۔ کیونکہ نتیجہ کے لحاظ سے دونوں صورتیں متلازم ہیں (۲) جہاں کہیں صرف عدد صحیح منفی ہے، وہاں حسب قاعدہ مذکورہ اس عدد صحیح کے اوپر علامت منفی لگا دی گئی ہے۔ لیکن جہاں پوری رقم یعنی عدد صحیح مع اعشاریہ دونوں منفی ہے وہاں حسب قاعدہ اس رقم کے بائیں طرف علامت منفی لگا کر قوسین کے مابین گھیر دی گئی ہے، تاکہ علامت منفی اور ڈیش کے مابین اشتباہ نہ پیدا ہو جائے۔

☆☆☆

(خواجۂ علم و فن کا یہ مقالہ مشہور محقق رضویات محترم ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی عنایت سے ملا ہم ان کے ممنون کرم ہیں-مرتب)

تعارفِ حسام الحرمین

عبدالسلام رضوی مہوا کھیڑوی
استاذ: جامعہ نوریہ رضویہ، باقر گنج، بریلی شریف

مرزا غلام احمد قادیانی، امیر حسن و امیر احمد سہسوانی، نذیر حسین دہلوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی۔ ان لوگوں نے ایسی عبارات کتابوں میں لکھیں اور چھاپیں جو ضروریاتِ دین کے انکار پر مشتمل تھیں اور کفری معنی میں صریح و متبیّن ہی نہیں بلکہ متعین اور ناقابل تاویل تھیں۔ لہٰذا مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان کے بارے میں حکم شریعت کا بیان فرمایا، اور ان پر اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں پر کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا۔ کہ یہ آپ کا فرض منصبی اور عوام اہل اسلام کے ایمان کی حفاظت کا تقاضا تھا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے پہلے بھی علمائے کرام ومفتیان عظام نے ان پر کفر و زندقہ کا فتویٰ دیا جیسا کہ آئندہ صفحات سے معلوم ہوگا۔ اعلیٰ حضرت کا یہ فتویٰ سب سے پہلے ۱۳۲۱ھ میں پٹنہ سے شایع ہوا۔

ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ میں یہ فتویٰ برائے تصدیق علمائے حرمین شریفین کی بارگاہوں میں پیش کیا گیا تو اس وقت کے ۳۳؍ جلیل القدر اور عظیم المناصب علمائے ذوی الاحترام نے اس فتوے کو حرف بہ حرف درست وحق بتایا اور اس پر اپنی زوردار تصدیقات ثبت فرمائیں اور اعلیٰ حضرت کو عظیم و جلیل القاب سے یاد کیا اور آپ کے حق میں دعائیں فرمائیں۔ یہ تصدیقات ماہ ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ کے پہلے عشرے میں پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ ان ہی تصدیقات جلیلہ کے مجموعے کا تاریخی نام ہے ''حُسَامُ الْحَرَمَیْن عَلٰی مُنْحَرِ الْکُفْرِ وَالْمَیْن''یعنی کفر اور جھوٹ کے گلے پر حرمین شریفین کی شمشیر برّاں۔ یہ حسام الحرمین کا اجمالی تعارف ہے۔ تفصیل آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

سیف اللہ المسلول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کی عربی تصنیف ''المعتقد المنتقد'' (۱۲۷۰ھ) علم عقائد و کلام میں ایک عظیم الشان اور جامع تصنیف ہے۔ جس میں عقائد اہل سنت کا بیان واضح اور نجدیوں وہابیوں وغیرہ کی گمراہیوں کا ردِّ بلیغ ہے۔ یہ کتاب اہل علم کے مابین مشہور و معروف اور معتمد و مستند ہے۔

۱۳۲۰ھ میں اعلیٰ حضرت نے اس کتاب کی عربی زبان ہی میں ایک مختصر و جامع شرح تصنیف فرمائی جس کا تاریخی نام ''المعتمد المستند، بناء نجاۃ الابد'' ہے۔

حضرت علامہ بدرالدین صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کی اشاعت کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے: اس شرح کو اس کے متن کے ساتھ سب سے پہلے حضرت مولانا قاضی عبدالوحید صاحب حنفی فردوسی رئیس پٹنہ بہار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۱۳۲۱ھ میں پٹنہ سے شایع فرمایا، پھر مولانا انوارالاسلام قادری نے ۱۳۸۸ھ میں مکتبۂ حامدیہ لاہور سے اور ۱۳۹۵ھ میں مولانا حسین حلمی ابن سعید نے استنبول ترکی سے اس کی اشاعت کی۔(۱)

ماضی قریب میں رضا اکیڈمی ممبئی کی سعی وتعاون سے زیرنگرانی ''المجمع الاسلامی، مبارک پور'' صفر المظفر ۱۴۲۰ھ میں اس کی اشاعت ہوئی۔ اکیڈمی ہی کے تعاون سے محرم الحرام ۱۴۲۲ھ میں یہ کتاب دوبارہ طبع ہوئی اور اب تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں قبلہ ازہری دامت برکاتہم العالیہ نے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ فرمایا ہے جو ادارہ ''المجمع الرضوی'' بریلی شریف سے ۱۴۲۸ھ میں شایع ہوا ہے۔(حسام الحرمین کا ایک جدید ایڈیشن رضا اکیڈمی ممبئی سے ۲۰۰۹ء/۱۴۳۰ھ میں عمدہ کاغذ پر شایع ہوا-مرتب)

اعلیٰ حضرت نے ''المعتمد المستند'' کے آخری مبحث میں مذکور الصدر لوگوں کے اقوالِ کفریہ قطعیہ التزامیہ پر بحث فرمائی اور ان کا کفر صریح وقطعی ہونا ثابت فرما کر ان لوگوں پر اور ان کے اتباع پر کافر ومرتد ہونے کا حکم شرعی صادر فرمایا۔ جیسا کہ مذکور ہوا کہ یہ فتویٰ پہلی بار ۱۳۲۱ھ میں شہر پٹنہ صوبہ بہار سے شایع ہوا۔ فتوائے مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں:

هٰؤلاء الطَّوائِفُ كلُّها مُرتَدُّوْنَ خارِجُوْنَ عَنِ الْاِسْلَامِ بِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ. وَقَدْ قَالَ فی الْبِزَازِيَة، وَالدُّرَرِ، وَالْغُرَرِ، وَالْفَتَاوٰی الخيرية، وَمَجْمَعِ الْاَنْهُرِ والدُّرِّ المختار وغيرها من مُعْتَمَدَاتِ الْاَسْفارِ فی مثلِ هٰؤلاءِ الكفَّارِ "مَنْ شَكَّ فی كُفْرِهٖ وَعَذَابِهٖ فَقَدْ كَفَر."

یہ طائفے (یعنی قادیانی، مولوی امیر حسن وامیر احمد، میاں نذیر حسین دہلوی، مولوی نانوتوی، مولوی گنگوہی، مولوی انبیٹھی، مولوی تھانوی اور ان کے ہم عقیدہ چیلے چانٹے) سب کافر ومرتد ہیں۔ باتفاق امت خارج عن الاسلام ہیں۔ اور بے شک بزازیہ، درر، غرر، فتاویٰ خیریہ، مجمع الانھر اور درمختار وغیرہ معتبر کتابوں میں ایسے کافروں کے حق میں فرمایا کہ ''جو شخص ان کے کفری عقائد سے آگاہ ہو کر ان کے کافر ہونے اور عذاب پانے میں شک کرے تو وہ بھی کافر ہے۔''(۲)

وہ کفری اقوال جن کی بنیاد پر کفر کا فتویٰ دیا گیا

مرزا غلام احمد قادیانی: اس کے درجنوں اقوال کفریہ ہیں اور اس کا ادعائے نبوت تو عام ہے۔ یہاں تک کہ پاکستان میں بھٹو کے دورِ حکومت میں اس کے ماننے والوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ علمائے دیوبند بھی اس کی تکفیر کے قائل ہیں۔ لہٰذا اس کے اقوال یہاں ذکر نہیں کیے جا رہے ہیں۔

مدعیان شش مثل: غیر مقلد میاں نذیر حسین دہلوی، مولوی امیر حسن اور مولوی امیر احمد سہسوانیان، فتنۂ شش مثل میں گرفتار ہوئے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہماری زمین کے علاوہ دیگر چھ طبقاتِ زمین میں بھی انبیا ہیں۔ جو حضور سید الانبیا والمرسلین کی طرح اپنی اپنی زمین میں خاتم النبیین ہیں بلکہ تمام صفات کمالیہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شریک ہیں۔ اسی لیے ان کا اور ان کے اتباع کا نام اعلیٰ حضرت نے ''وہابیہ امثالیہ'' رکھا ہے۔ ان لوگوں کا یہ قول ودعویٰ ختم نبوت کے قطعی واجمالی عقیدے کے منافی اور تکذیب قرآن کو مستلزم ہے۔ لہٰذا قطعاً کفر وارتداد ہے۔

میاں نذیر حسین دہلوی نے بخاری ومسلم کی ایک روایت میں اپنی مقصد براری کے لیے اپنی طرف سے ایک لفظ کا اضافہ کر دیا تھا۔ اس پر اعلیٰ حضرت انھیں شرم وغیرت دلاتے ہوئے فرماتے ہیں، اور ضمناً ان کے قول شش مثل کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

مردانہ پن کا دعویٰ ہے تو صحیحین میں اس عبارت کا نشان دیجیے۔ ایک زمانے میں آپ کو خبط کفری جاگا تھا کہ زمین کے طبقاتِ زیریں میں حضور پرنور منزہ عن المثل والنظیر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاذ اللہ چھ مثل موجود ہیں۔ یہ بخاری ومسلم شاید الٰہی طبقات کی ہوں گی۔(۳)

حضرت علامہ مولانا سید شاہ عبدالصمد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک متبحر عالم اور جامع شریعت وطریقت تھے۔ بخاری شریف کے حافظ تھے۔ مزار اقدس پھپھوند شریف ضلع اوریّا یوپی میں ہے۔ جناب حکیم ظہیر السجاد صاحب نے آپ کے حالات وواقعات وملفوظات مرتب کیے ہیں۔ کتاب کا تاریخی نام ہے ''ملفوظ مصابیح القلوب''۔(۱۳۷۶ھ)

وہ اس میں لکھتے ہیں: ''مولوی امیر حسن سہسوانی نے شش مثل کا فتنہ اٹھایا۔ یعنی مدعی ہوئے کہ زمانۂ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چھ شخص تمام صفات کمالیہ میں مثل حضور کے دوسرے طبقاتِ ارض میں موجود تھے۔ اس کا رد مدرسہ بدایوں سے ہوا۔ اس پر مخالفت بڑھی۔ مولوی امیر حسن نے اپنے بیٹے مولوی امیر احمد کے ایک شاگرد تراب علی میرٹھی کے نام سے ''افاداتِ ترابیہ'' اسی مبحث میں لکھی۔ جس کا جواب قبلۂ عالم (حضرت مولانا شاہ سید عبدالصمد علیہ الرحمہ) نے ''افاداتِ صمدیہ'' کے نام سے تحریر فرمایا۔(۴)

یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت مولانا شاہ سید عبدالصمد علیہ الرحمہ بدایوں میں السیف المسلول حضرت علامہ فضل رسول اور ان کے صاحب زادے تاج الفحول حضرت علامہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ علیہما سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔

ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ میں بعد نماز عیدالاضحیٰ اس مسئلہ میں مولوی امیر حسن سے آپ کی گفتگو بھی ہوئی۔ یہ گفتگو سہسوان ہی میں مولوی امیر حسن کے گھر کے قریب ہوئی۔ تقریباً ایک گھنٹہ اس مسئلہ پر بات

چیت رہی۔ آخر میں امیر حسن یہ کہہ کر اپنے گھر چلے گئے: ''اب دوپہر ہوگئی ہے اور میرے سر میں درد ہونے لگا ہے اس کے متعلق تمھیں پھر سمجھاؤں گا۔'' لیکن اس موعودہ پر ''پھر'' کی نوبت امیر حسن کی زندگی میں کبھی نہیں آئی۔ اس وقت حضرت کی عمر ۱۷ رسال تھی اور طالب علمی کا زمانہ تھا۔ (۵) واقعہ طویل ہے اس کو مختصر کرکے لکھا گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہو کہ حضرت کا وطن بھی سہسوان ہی تھا۔ بعد میں پھپھوند شریف میں منتقل ہوئے۔

۱۲۸۸ھ میں شیخوپورہ ضلع بدایوں میں اس موضوع پر مناظرہ بھی ہوا۔ مولانا شہاب الدین رضوی، پروفیسر محمد ایوب قادری کی کتاب ''مولانا احسن نانوتوی'' ص ۸۵ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''۱۲۸۲ھ میں قصبہ شیخوپورہ ضلع بدایوں میں مسئلہ امکان و امتناع نظیر پر مولانا عبدالقادر بدایونی اور مولانا امیر احمد سہسوانی کے درمیان ایک مناظرہ منعقد ہوا۔ مولانا نذیر احمد سہسوانی نے ہر دو فریق کے مفصل حالات و تحریرات پر مشتمل ایک کتاب مناظرۂ احمدیہ کے نام سے طبع کرادی۔ جس میں اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی زیر بحث آیا۔ (۶)

علمائے اہل سنت نے اس فتنہ کا سختی سے رد فرمایا۔ یہاں تک کہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے راہی ملک عدم ہوگیا اور یہ باطل و کفری نظریہ اپنے حاملین ہی کے ساتھ دفن ہوگیا۔ اس فتنہ کی بیخ کنی میں رئیس المتکلمین حضرت علامہ شاہ محمد نقی علی خاں بریلوی اور تاج الفحول حضرت علامہ شاہ عبدالقادر بدایونی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مساعی جمیلہ سرفہرست ہیں۔ تفصیل مندرجہ ذیل کتابوں میں ہے۔

تنبیہ الجہال، مصنفہ مفتی حافظ بخش آنولوی۔ التحقیقات المحمدیہ، مصنفہ فضل مجید بدایونی۔ مولانا نقی علی بریلوی، مصنفہ مولانا محمد شہاب الدین رضوی۔

نانوتوی صاحب کی کفری عبارت: اپنی کتاب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں: ''عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔'' (۷) (واضح رہے کہ صلعم لکھنا ممنوع ہے پورا درود یعنی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا چاہیے۔)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔'' (۸)

اور ترقی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔'' (۹)

نانوتوی صاحب نے ان عبارات میں سے ہر ایک میں ''خاتم النبیین'' کے اس معنی کا انکار کیا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ وائمہ سے متواتر اور ضروریات دین سے ہیں اور جس

کے مخالف کو فقہائے کرام نے کافر کہا ہے۔ اور وہ معنی یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی ہیں۔ آپ کا زمانۂ اقدس تمام انبیائے کرام کے بعد ہے۔ آپ کے بعد کوئی جدید نبی نہ ہوگا۔

اقتباس اول میں تو ان لوگوں کو ناسمجھ قرار دیا ہے جو خاتم النبیین کے یہ معنی سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ لفظ ''عوام'' اہل فہم کے مقابلہ میں بولا ہے لہٰذا یہاں لفظ ''عوام'' سے مراد ناسمجھ لوگ ہی ہوئے۔

حضرت علامہ مفتی بدرالدین علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان عبارات پر یوں بحث فرمائی ہے:

''مولوی قاسم نانوتوی کی اس عبارت (عبارت اول) کا صاف، صریح و واضح مطلب یہی ہے کہ خاتم النبیین کا یہ معنی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی ہیں یہ ناسمجھ لوگوں کا خیال ہے۔ سمجھ دار لوگوں کے نزدیک یہ معنی غلط ہیں کیوں کہ زمانے کے لحاظ سے سب سے پہلے یا سب سے پیچھے ہونا اپنی ذات کے اندر کوئی خوبی اور فضیلت کی بات نہیں۔

ساڑھے تیرہ سو برس سے بھی زیادہ پیش تر سے اب تک تمام اگلے پچھلے اولیا و علما و عوام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ آیت کریمہ میں ''خاتم النبیین'' کے صرف یہی معنی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی ہیں۔ یہی معنی تمام ائمہ اسلام، صوفیائے عظام، متکلمین، فقہائے اعلام، مفسرین عالی مقام نے بتائے۔ یہی معنی صحابۂ کرام نے تابعین کو سمجھائے بلکہ یہی معنی خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیکڑوں حدیثوں میں ارشاد فرمائے۔ علامہ ابن نجیم ''الاشباہ والنظائر'' میں تحریر کرتے ہیں:

اذالم یعرف ان محمدًا صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اٰخر الانبیاء فلیس بمسلمٍ لانہ من الضروریات.

یعنی کوئی شخص جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ جانے تو وہ مسلمان نہیں۔ کیوں کہ حضور کو آخری نبی ماننا ضروریات دین سے ہے۔ (الاشباہ والنظائر مع حموی، ص ۲۶۷)

خود مفتی دیوبند مولوی محمد شفیع دیوبندی اپنے رسالہ ''ہدیۃ المہدیین'' ص ۲۱ رمیں لکھتے ہیں کہ ''اِنَّ لُغَۃَ الْعَرَبِیَّۃَ حَاکِمَۃٌ بِاَنَّ معنٰی خاتمَ النبیین فی الْاٰیَۃِ ھُوَ اٰخِرُ الْاَنْبِیاء لاغیر.'' یعنی بے شک عربی زبان کا اٹل فیصلہ ہے کہ آیت کریمہ کے اندر ''خاتم النبیین'' کا معنی صرف آخرالانبیا ہے۔ دوسرا کوئی نہیں۔

یہی مفتی دیوبند دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ''اَجْمَعَتُ علیہ الْاُمَّۃُ فَیُکَفَّرُ مُدَّعِی خِلافہ وَیُقْتَلُ اِنْ اَصَرَّ'' یعنی امت محمدیہ کا خاتم النبیین کے اس معنی پر اجماع و اتفاق ہے۔ لہٰذا خاتم النبیین کا دوسرا معنی گڑھنے والا کافر قرار دیا جائے گا اور اگر اپنے گڑھے ہوئے معنی پر اصرار کرے تو قتل کیا جائے گا۔

حوالہ جات مذکورہ بالا نے آفتاب کی طرح روشن کر دیا کہ خاتم النبیین کا معنی صرف آخرالانبیا

ہے۔یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ انبیاے سابق کے زمانے کے بعد ہے، اور حضور سب سے آخری نبی ہیں اور یہ معنی ضروریاتِ دین سے ہے۔ نیز جو شخص اس معنی کے علاوہ کوئی دوسرا معنی بتائے وہ کافر و مرتد ہے۔ مولوی قاسم نانوتوی نے اس اجماعی اتفاقی دینی معنی کا انکار کرتے ہوئے ''خاتم النبیین'' کا ایک نیا معنی ''خاتم ذاتی'' گڑھا ہے اور تحذیر الناس میں سارا زور اس معنی کو ثابت کرنے کے لیے خرچ کیا ہے۔ چناں چہ ایک مقام پر لکھتے ہیں ''بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔'' (تحذیر الناس، ص۴۳)

اس عبارت نے صاف فیصلہ کر دیا کہ اگر مولوی قاسم کے نزدیک خاتمیت محمدی کا یہ معنی ہوتا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ حضور کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا۔ تو وہ کس طرح جائز مانتے کہ حضور کے بعد نیا نبی پیدا ہونے سے خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

ظاہر بات ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ حضور کے بعد کوئی دوسرا نبی پیدا ہوسکتا ہے تو پھر حضور آخر الانبیا کیسے قرار پائیں گے؟ حضور کے بعد نئے نبی کے پیدا ہونے کو فرض کرنا (اور اس سے خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ ماننا) کھلے طور پر بتا رہا ہے کہ مولوی قاسم کے نزدیک خاتمیت محمدی کا معنی ختم زمانی نہیں بلکہ ختم ذاتی ہے۔ لہٰذا ان حقایق سے ثابت ہوگیا کہ مولوی قاسم ''خاتم النبیین'' بہ معنی ''آخر الانبیا'' کا انکار کر کے ایک ضروریِ دین کے منکر ہوئے اور بہ حکم شریعت اسلامیہ اور بہ فتواے مولوی شفیع دیوبندی کافر و مرتد ہوئے۔ (۱۰)

نانوتوی صاحب کے اس باطل نظریہ اور کفری قول کا علماے حق نے پرزور رد فرمایا۔ اور اس کے ابطال میں اسی زمانہ میں مندرجہ ذیل کتابیں لکھی گئیں:

(۱) تحقیقات محمدیہ — مولانا فضل مجید بدایونی

(۲) الکلام الاحسن — مولانا ہدایت علی بریلوی

(۳) تنبیہ الجہال — مولانا حافظ بخش ساکن آنولہ

(۴) القول الفصیح — مولانا فصیح الدین بدایونی

(۵) ابطال اغلاط قاسمیہ — شیخ محمد تھانوی (۱۱)

تحذیر الناس کی عبارتوں پر مولوی محمد شاہ پنجابی اور نانوتوی صاحب کے درمیان مناظرہ بھی ہوا۔ (۱۲)

حتیٰ کہ خود علماے دیوبند بھی اس نظریہ کے مخالف تھے۔ تھانوی صاحب کے ملفوظات میں ہے:

''جس وقت مولانا قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس لکھی ہے کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہیں کی۔ بہ جز مولانا عبدالحی کے۔'' (۱۳)

''کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہیں کی۔'' یہ جملہ صاف صاف اعلان کر رہا ہے کہ علماے اہل سنت تو اس باطل نظریہ کے مخالف تھے ہی علماے دیوبند بھی موافق نہیں تھے۔ اگر عدم موافقت صرف علماے اہل سنت کی طرف سے ہوتی تو تھانوی صاحب یوں نہ کہتے کہ ''کسی نے ہندوستان بھر میں، الخ'' بلکہ یوں کہتے کہ علماے بریلی و بدایوں و رام پور نے موافقت نہیں کی۔ تو ثابت ہوا کہ علماے دیوبند کے نزدیک بھی نانوتوی صاحب کا قول غلط و باطل تھا۔ ورنہ موافقت سے کیا چیز مانع تھی جب کہ نانوتوی صاحب کی عظمت اور ان کا علمی مقام اہل دیوبند کے نزدیک مسلّم تھا۔ خود تھانوی صاحب نے بھی موافقت نہیں کی ورنہ جس طرح مولوی عبدالحی کی موافقت کا ذکر کیا ہے اپنی موافقت کا بھی کرتے۔

بلکہ دیوبندی جماعت کے نام ور اور مایۂ ناز محدث انور شاہ کشمیری صاحب نے تو تحذیر الناس کا کھلم کھلا رد کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''وارادۃ مابالذات وما بالعرض عرف فلسفہ است نہ عرف قرآن مجید و جوارِ عرب و نہ نظم قرآن را ہیچ گونہ ایماءٔ دلالت بر آں۔ پس اضافۂ استفادۂ نبوت زیادت ست بر قرآن بمحض اتباع ہوا یعنی ما بالذات اور ما بالعرض کا ارادہ (جیسا کہ تحذیر الناس میں ہے) فلسفہ کا عرف ہے۔ قرآن مجید یا عرب کا محاورہ نہیں اور نہ نظم قرآن کا اس کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ پس استفادہ نبوت کا اضافہ محض اتباع ہوا کی وجہ سے قرآن پر زیادتی ہے۔'' (۱۴)

المہند مصنفۂ مولانا خلیل احمد انبیٹھی میں نانوتوی صاحب کے اسی مضمون کی صفائی میں لکھا ہے:

''ہمارے شیخ و مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اپنی دقت نظر سے عجیب دقیق مضمون بیان فرمایا، کہ آپ کی خاتمیت کو کامل و تام ظاہر فرمایا۔ (مضمون کی تشریح کرنے کے بعد لکھا ہے) اور یہ دقیق مضمون جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلالت و رفعت شان و عظمت کے بیان میں مولانا کا مکاشفہ ہے۔ (۱۵)

المہند پر جن علماے دیوبند کی تصدیقات ہیں ان میں تھانوی صاحب بھی ہیں۔ تعجب بالاے تعجب ہے کہ خود تھانوی صاحب کے بہ قول مولوی قاسم کے جس باطل و ناحق مضمون کی ایک مولوی عبدالحی کے علاوہ ہندوستان بھر میں کسی نے موافقت نہیں کی اور جو مضمون مولانا انور شاہ کشمیری شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کے نزدیک محض اتباع ہوا (خواہش نفس کی پیروی) ٹھہرا۔ اب وہی مضمون علماے دیوبند اور خود تھانوی صاحب کے نزدیک خاتمیت نبوی کو کامل و تام بیان کرنے والا دقیق مضمون بن گیا اور رفعت و عظمت رسول کے بیان میں نانوتوی صاحب کا مکاشفہ ہوگیا۔ ع

ناطقہ سربہ گریباں ہے اسے کیا کہیے

نانوتوی صاحب کو بہ خوبی علم تھا کہ میرے قول کا پرزور رد ہو رہا ہے اور اس بنیاد پر میری تکفیر بھی ہو رہی ہے۔ اسی لیے اس زمانے میں جب شہر رام پور گئے تو اپنی آمد کو مخفی رکھنے کی کوشش کی تاکہ اس موضوع پر کوئی بحث ومباحثہ نہ چھڑے۔

ارواح ثلاثہ میں ہے (یہ کتاب دیوبندی بزرگوں کی حکایات پر مشتمل ہے اور دیوبندی جماعت میں معتبر ہے۔ حکایات پر تھانوی صاحب کے حواشی بھی ہیں۔) مولانا نانوتوی جب رام پور پہنچے تو وہاں وارد وصادر کا نام اور پورا پتا وغیرہ داخلۂ شہر کے وقت لکھا جاتا ہے۔ حضرت نے اپنا نام خورشید حسن (تاریخی نام) بتایا اور لکھا دیا۔ اور ایک نہایت ہی غیر معروف سرائے میں مقیم ہوئے۔ اس میں بھی ایک کمرہ چھت پر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تحذیر الناس کے خلاف اہل بدعات میں ایک شور برپا تھا۔ مولانا کی تکفیریں تک ہو رہی تھیں۔ حضرت کی غرض اس اخفا سے یہی تھی کہ میرے علانیہ پہنچنے سے اس بارے میں جھگڑے اور بحثیں نہ کھڑی ہو جائیں۔ (۱۶)

قوسین کے اندر ''خورشید حسن'' کو تاریخی نام بتایا ہے۔ فاضل دیوبند محمد حنیف گنگوہی نے نانوتوی صاحب کی تاریخ ولادت ۱۲۴۸ھ بتائی ہے (۱۷) اور خورشید حسن کے اعداد ۱۲۳۸ھ ہیں۔ پھر یہ تاریخی نام کیسے ہو گیا؟ اس اقتباس میں مذکور ہے کہ تحذیر الناس کے خلاف اہل بدعات میں ایک شور برپا تھا اور اہل بدعات سے ان کی مراد بریلوی علمائے کرام ہیں لیکن حق وہی ہے جو تھانوی صاحب نے لکھا ہے کہ علمائے دیوبند بھی تحذیر الناس کے خلاف تھے۔

اس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ نانوتوی صاحب کے قول پر علما نے احتجاج کیا، کتابیں لکھیں، مناظرہ ہوا، تکفیر کی گئی، ہندوستان بھر میں بہ جز مولوی عبدالحی کے کسی نے موافقت نہیں کی، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے رد کیا اس سب کے باوجود نانوتوی صاحب نے اپنے قول سے رجوع نہ کیا۔

گنگوہی صاحب کا موجب کفر دستخطی ومہری فتویٰ: گنگوہی صاحب سے سوال کیا گیا کہ زید وعمرو کذب باری میں گفتگو کرتے تھے۔ تیسرے شخص بکر نے زید کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُوْن مادُوْنَ ذٰلک الخ

آیت میں لفظ ''ما'' عام ہے۔ اگر مومن کسی مومن کو عمداً قتل کر دے یہ اس کے گناہ کو بھی شامل ہے۔ تو آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس مومن کی بھی مغفرت فرما دے گا جو کسی مومن کو قصداً قتل کرے۔

اور دوسری آیت میں ہے: مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجزاءُ هٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا الخ (استفتا میں اسی طرح مرقوم ہے لیکن یہ درست نہیں۔ آیت میں لفظ قَتَلَ نہیں ہے بلکہ یَقْتُلُ ہے۔)

یہاں لفظ ''مَنْ'' عام ہے۔ یہ اس مومن کو بھی شامل ہے جو عمداً کسی مومن کو قتل کر ڈالے۔ اس

سے معلوم ہوا کہ مومن کو عمداً قتل کرنے والے مومن کی مغفرت نہ ہو گی۔

اس پر عمرو نے بکر سے کہا: آپ کے استدلال سے وقوع کذب باری ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ پہلی آیت میں وَیَغْفِرُ ہے نہ کہ وَیُمْکِنُ اَنْ یَّغْفِر

یہ سن کر بکر نے جواب دیا: ''میں نے کب کہا ہے کہ میں وقوعِ کذب کا قائل نہیں ہوں (اس کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ بکر باری تعالیٰ کے کذب کے واقع ہونے کا قائل ہے اور اس کا عقیدہ ہے کہ خدائے پاک معاذ اللہ بالفعل جھوٹا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔)

سائل نے پوچھا یہ قائل مسلمان ہے یا کافر؟ اور مسلمان ہے تو بدعتی ضال یا اہل سنت و جماعت، کذب باری تعالیٰ کا قول کرنے کے باوجود۔ بینوا توجروا.

راقم السطور نے بہ غرض سہولت اس استفتا کے پیرائے میں کچھ تبدیلی کی ہے اور چند مقامات پر الفاظ کو سہل کر دیا ہے۔ لیکن اصل مضمون میں کوئی تغیر نہیں ہے۔ استفتا اور فتویٰ کا متن عن قریب نقل ہو گا۔

گنگوہی صاحب کا جواب نقل کرنے سے پہلے منقولہ آیات کے تعلق سے کچھ وضاحت ضروری ہے۔ عمرو نے اپنی جہالت سے دوسری آیت کو پہلی آیت کے مخالف ومتعارض سمجھا۔ اس کی سمجھ میں یہ آیا کہ آیت اولیٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''وہ شرک کے سوا ہر گناہ بخش دے گا'' اور آیت ثانیہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ ''مومن کو قصداً قتل کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا خواہ وہ مومن ہی ہو'' یعنی اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشے گا۔ حالاں کہ قتل مذکور شرک نہیں۔ تو یہ ارشاد آیت اولیٰ میں کیے ہوئے وعدہ کے خلاف ٹھہرا۔ اس لیے اس نے بکر سے کہا آپ کے استدلال سے وقوع کذب باری ثابت ہوتا ہے، اور اس جاہل بکر نے بھی ایسا ہی سمجھا۔ حالاں کہ ان کا یہ سمجھنا سراسر باطل ہے۔ ان ہر دو آیات میں نہ کوئی تعارض ہے اور نہ دوسرا ارشاد پہلی آیت میں مذکور وعدۂ الٰہیہ کے خلاف ہے۔ تفصیل یہ ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (پ۵، ع۴)

بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر کے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی جو کفر پر مرے اس کی بخشش نہیں۔ اس کے لیے ہمیشگی کا عذاب ہے اور جس نے کفر نہ کیا خواہ وہ کتنا ہی گنہ گار ومرتکب کبائر ہو، اور بے توبہ بھی مر جائے تو اس کے لیے خلود نہیں (یعنی جہنم میں ہمیشہ رہنا نہیں) اس کی مغفرت اللہ کی مشیت میں ہے۔ چاہے معاف فرما دے یا اس کے گناہوں پر عذاب کرے پھر اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے۔ (خزائن العرفان) قرآن حکیم میں لفظ ''شرک'' کفر کے معنی میں بھی آیا ہے۔ یہاں بھی کفر ہی کے معنی میں ہے۔

دوسری آیت:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا (پ۵، ع۱۰)

اس آیت شریفہ کے بارے میں جلالین شریف اول میں ہے "هٰذا مؤوّل بما يستحلّه" (۱۸)

یعنی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو مومن کو قصداً قتل کرے اور اس قتل کو حلال و جائز سمجھے تو اس کی جزا جہنم ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔

کیوں کہ قتل مومن کو حلال سمجھنا کفر ہے اور کفر کی سزا جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے۔ تو اس آیت میں جہنم میں ہمیشہ رہنا کفر کی سزا ہے اور پہلی آیت میں اس گناہ کی مغفرت کا ذکر ہے جو کفر نہ ہو۔ لہٰذا دونوں آیات میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

علامہ بیضاوی کا قول ہے کہ اس آیت میں "خلود" طول مکث کے معنی میں ہے یعنی مدت دراز تک رہنا۔ (۱۹) اس لیے اعلیٰ حضرت نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے: "اور جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے" اس صورت میں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے تحت خزائن العرفان میں ہے: "خلود کا لفظ مدت دراز کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ خلود کا لفظ مدت طویلہ کے معنی میں ہوتا ہے تو قرآن کریم میں اس کے ساتھ لفظ "اَبَد" مذکور نہیں ہوتا اور کفار کے حق میں "خلود" بہ معنی دوام آیا ہے تو اس کے ساتھ لفظ "اَبَد" بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔

یہ تو سوال میں منقولہ آیات سے متعلق ایک ضروری وضاحت تھی۔ اب گنگوہی صاحب کا جواب پڑھیے۔ لکھتے ہیں:

اگر چہ شخص ثالث (بکر) نے تاویل آیات میں خطا کی مگر تاہم اس کو کافر کہنا یا بدعتی ضال کہنا نہیں چاہیے کیوں کہ وقوع خلف وعید کو جماعت کثیرہ علمائے سلف کی قبول کرتی ہے۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ خلف وعید خاص ہے اور کذب عام ہے کیوں کہ کذب بولتے ہیں خلاف واقع کو۔ سو گاہ وہ وعید ہوتا ہے، گاہ وعدہ، گاہ خبر۔ اور سب کذب کے انواع میں۔ اور وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے۔ انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہوگا۔ لہٰذا وقوع کذب کے معنی درست ہوگئے اگر چہ بضمن کسی فرد کے ہو۔ پس بناءً علیہ اس ثالث کو کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہیے۔ (خلاصۂ فتویٰ گنگوہی صاحب)

اس فتوے کا صاف صریح مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے کہا کہ خدا سے کذب واقع ہوا، خدا جھوٹ بولا، خدا جھوٹا ہے (معاذ اللہ صد بار معاذ اللہ) وہ گنگوہی صاحب کے نزدیک مسلمان ہے۔ اسے کافر، بدعتی یا گم راہ کہنا تو درکنار اسے کوئی سخت کلمہ بھی نہ کہنا چاہیے۔ پھر خود اپنی ایک دلیل باطل سے صاف صریح کہہ دیا کہ "وقوع کذب کے معنی درست ہوگئے۔" یعنی یہ بات ٹھیک ہوگئی کہ خدا سے کذب

واقع ہوا۔

اللہ تعالیٰ کو وجوبی طور پر سچا اور صادق ماننا اور کذب وغیرہ قبائح سے منزہ ماننا ضروریات دین سے ہے۔ گنگوہی صاحب وقوع کذب باری کو درست کہہ کر اور خدائے سبوح وقدوس کو کاذب مان کر اس ضروری دینی کے منکر ہوئے اور بارگاہ رب العزت میں شدید اور صریح گستاخی و دشنام کے مرتکب ہوئے۔ لہٰذا ضرور کافر و مرتد ہوئے۔

سوال اور گنگوہی صاحب کے فتوے کا متن: ما قولکم رحمکم اللّٰہ. دو شخص کذب باری میں گفتگو کرتے تھے۔ ایک کی طرف داری کے واسطے تیسرے شخص نے کہا "اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ الخ لفظ "ما" عام ہے۔ شامل ہے معصیت قتل مومن کو۔ پس آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ پروردگار مغفرت مومن قاتل بالعمد بھی فرمادے گا۔ اور دوسری آیت میں ہے: مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا الخ لفظ "من" عام ہے۔ شامل ہے مومن قاتل بالعمد کو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن قاتل مومن بالعمد کی مغفرت نہ ہوگی۔ اس قائل کے خصم نے کہا: کہ آپ کے استدلال سے وقوع کذب باری ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ آیت میں "وَيَغْفِرُ" ہے نہ "وَيُمْكِنُ اَنْ يَغْفِرَ" یہ سن کر اسی قائل نے جواب دیا: میں نے کب کہا ہے کہ میں وقوع کا قائل نہیں ہوں۔ اور دوسرا قول اسی قائل کا یہ ہے کہ کذب علی العموم قبیح بہ معنی منافر للطبع نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض مواضع میں جائز رکھا ہے اور توریہ اور عین کذب بعض مواضع میں دونوں اولیٰ ہیں۔ نہ فقط توریہ۔ آیا یہ قائل مسلمان ہے یا کافر؟ اور مسلمان ہے تو بدعتی ضال یا اہل سنت وجماعت باوجود قبول کرنے کذب باری تعالیٰ کے۔ بینوا توجروا

الجواب: اگر چہ شخص ثالث نے تاویل آیات میں خطا کی مگر تاہم اس کو کافر کہنا یا بدعتی ضال کہنا نہیں چاہیے۔ کیوں کہ وقوع خلف وعید کو جماعت کثیرہ علمائے سلف کی قبول کرتی ہے چناں چہ مولوی احمد حسن صاحب رسالۂ تنزیہ الرحمٰن اپنے رسالہ میں تصریح کرتے ہیں بہ قولہ علاوہ اس کے مجوزین خلف وعید وقوع خلف کے بھی قائل ہیں چناں چہ ان کے دلائل سے ظاہر ہے حیث قالوا لانه ليس بنقص بل هو كمال الخ اس سے ظاہر ہوا کہ بعض علما وقوع خلف وعید کے بھی قائل ہیں اور یہ بھی واضح ہے کہ خلف وعید خاص ہے اور کذب عام ہے۔ کیوں کہ کذب بولتے ہیں خلاف واقع کو۔ سو وہ گاہ وعید ہوتا ہے گاہ وعدہ گاہ خبر۔ اور سب کذب کے انواع ہیں۔ اور وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے۔ انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہووے گا۔ لہٰذا وقوع کذب کے معنی درست ہوگئے اگر چہ بضمن کسی فرد کے ہو۔ پس بناءً علیہ اس ثالث کو کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہیے۔ کہ اس سے تکفیر علمائے سلف کی لازم آتی ہے۔ ہر چند یہ قول ضعیف ہے مگر تاہم متقدمین کے مذاہب پر صاحب دلیل قوی کو تضلیل صاحب دلیل ضعیف کی

درست نہیں۔ دیکھو حنفی شافعی پر، رو برعکس بوجہ قوت دلیل اپنی کے طعن و تضلیل نہیں کرسکتا۔ انّا مومنٌ ان شاء اللہ کا مسئلہ کتب عقائد میں خود لکھتے ہیں۔ لہٰذا اس ثالث کو تضلیل و تفسیق سے مامون کرنا چاہیے۔ البتہ بہ نرمی اگر فہمائش ہو تو بہتر ہے۔ البتہ قدرت علی الکذب مع امتناع الوقوع مسئلۂ اتفاقیہ ہے۔ کہ اس میں کسی کا خلاف نہیں۔ اگرچہ اس زمانے میں بعض لوگوں کو انکار بے جا ہوگیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰھَا وَلٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اجمعین الآیۃ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ احقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ مہر رشید احمد (۲۰)

سرکار اعلیٰ حضرت کے پاس اس فتوے کی اصل موجود تھی۔ (۲۱)

اجمل العلما حضرت علامہ مفتی محمد اجمل شاہ علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ ''اس فتوے کا فوٹو میرے پاس بھی موجود ہے۔'' (۲۲)

یہ فتویٰ گنگوہی صاحب کی حیات میں متعدد بار رد کے ساتھ شایع ہوا۔ کفر کا فتویٰ بھی ان پر دیا گیا لیکن انھوں نے مرتے دم تک اس فتوے سے انکار نہ کیا۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

زید سے اس کا مہری فتویٰ اس کی زندگی و تندرستی میں علانیہ نقل کیا جائے، اور وہ قطعاً یقیناً کفر صریح ہو، اور سالہا سال اس کی اشاعت ہوتی رہے، لوگ اس کا رد چھاپا کریں، زید کو اس کی بنا پر کافر بتایا کریں زید اس کے بعد پندرہ برس جیے اور یہ سب کچھ دیکھے سنے اور اس فتوے کی اپنی طرف نسبت سے انکار اصلاً شایع نہ کرے، بلکہ دم سادھے رہے، یہاں تک کہ دم نکل جائے۔ کیا کوئی عاقل گمان کرسکتا ہے کہ اس نسبت سے انکار تھا یا اس کا مطلب کچھ اور تھا۔ (۲۳)

حضرت علامہ مفتی محمد اجمل شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس فتوے کی اشاعت کے بارے میں یوں تفصیل ذکر کی ہے۔

واضح ہو کہ مولوی گنگوہی صاحب کا یہ فتویٰ جب ماہ ربیع الآخر ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء میں میرٹھ سے شایع ہوا تو ملک میں اس کے خلاف بڑی ہلچل مچی اور اس پر ہر طرف سے اعتراض شروع ہوئے۔ (رد شہاب ثاقب، ص ۲۹۳)

مولانا نذیر احمد خاں رام پوری ثم احمد آبادی نے وقوع کذب باری تعالیٰ ماننے کے سبب مولوی رشید احمد پر کفر کا فتویٰ دیا جو ۱۳۰۹ھ میں مطبع خیر المطابع میرٹھ سے چھپ کر شایع ہوا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۲۷)

مولوی رشید احمد کے اس ایمان سوز فتوے کے رد میں ایک رسالہ ''صیانۃ الناس'' مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ سے چھپ کر شایع ہوا۔ (رد شہاب ثاقب، ص ۲۹۳)

پھر یہی فتویٰ مع رد بلیغ ۱۳۱۸ھ میں مطبع گلزار حسینی بمبئی سے چھپ کر شایع ہوا۔ (رد شہاب ثاقب، ص ۲۹۳)

پھر یہی فتویٰ مع رد قاہر ۱۳۲۰ھ مطبع تحفہ حنفیہ پٹنہ سے چھپ کر شائع ہوا۔ (رد شہاب ثاقب ۲۹۳)

حضرت علامہ بدر الدین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مسلسل پندرہ برس تک مولوی گنگوہی صاحب اپنے کافر و مرتد ہونے کا اعلان خاموشی کے ساتھ سنتے رہے اور پھر ۱۳۲۳ھ میں مر بھی گئے۔ ان کی زندگی میں ان کے مریدین، معتقدین، تلامذہ اور خلفا بھی چپ چاپ بہرے گونگے بنے رہے۔ بس گنگوہی صاحب کا مرنا تھا کہ مرید، شاگرد، خلیفہ سب کے منہ میں زبان پیدا ہوگئی اور سب صاحب قلم ہو گئے اور کہہ دیا یہ فتویٰ ہمارے حضرت گنگوہی کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ لیکن چھوٹے بڑے ہر وہابی کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس فتوے سے انکار کا حق صرف مولوی گنگوہی کو تھا۔ جب انھوں نے انکار نہیں کیا تو گنگوہی صاحب کے مرجانے کے بعد ٹانڈوی، سنبھلی اور دربھنگی وغیرہ کسی وہابی کو اب نہ تو انکار کا حق ہے اور نہ انکار صحیح مانا جائے گا۔ (۲۴)

انبیٹھی صاحب کی کفری عبارت: الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (۲۵)

براہین قاطعہ انبیٹھی صاحب کی تصنیف اور گنگوہی صاحب کی مصدقہ ہے۔

تقریظ میں گنگوہی صاحب لکھتے ہیں: ''بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ نے اس کتاب مستطاب براہین قاطعہ کو اول سے آخر تک بغور دیکھا، الحق کہ بندہ کے نزدیک یہ رد اور جواب کافی اور الزام و حجت وافی ہے اور فی الواقع یہ براہین قاطعہ اپنے مصنف کی وسعت نور علم دینیہ و فسحتِ ذکا و فہم و حسن تقریر و بہائے تحریر پر دلیل واضح۔'' (۲۶)

اس ناپاک عبارت میں محبوب خدا، افضل الانبیا، اعلم الخلق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم شریف سے معاذ اللہ شیطان کے علم کو زیادہ قرار دیا گیا ہے جو بلاشبہ آپ کی بارگاہ اقدس میں سخت ترین کھلی ہوئی توہین اور کفر ہے۔ کہ شیطان کے لیے علم محیط زمین کا ثابت مانا اور حضور اعلم المخلوقات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں وسعت علم کا انکار کیا بلکہ آپ کے حق میں اس کے اثبات کو شرک ٹھہرایا۔ چہ بوالعجبی ست کہ جو بات شیطان کے لیے نص یعنی قرآن و حدیث سے ثابت مانی گئی اس بات کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا شرک قرار دیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ اگر علم محیط زمین اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے تو یہ صفت شیطان کے لیے کیسے

ثابت ہوئی وہ بھی نص سے؟ اور اگر صفت خاصہ نہیں ہے تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں اس کا اثبات کیوں کر شرک ٹھہرا؟

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ عبارت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں سخت اور صریح وواضح گستاخی ہے اور قطعاً یقیناً موجب کفر وارتداد ہے۔

۳ر شوال المکرّم ۱۳۰۶ھ میں حضرت علامہ غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مولوی خلیل احمد کے درمیان براہین قاطعہ کی عباراتِ مردودہ پر ریاست بھاول پور میں تحریری مناظرہ ہوا۔ اس وقت مولوی خلیل احمد ریاست بھاول پور کے مدرسہ عربیہ میں مدرس اول تھے۔ انبیٹھوی صاحب کے معاونین میں مولوی محمود حسن مدرس دارالعلوم دیوبند بھی تھے۔ چند علماے اہل سنت بھی تحقیق حق کے واسطے بلوائے گئے تھے۔ یہ مناظرہ اعیانِ ریاست کی تحریک پر ہوا تھا۔ مناظرہ کے حَکم نواب ریاست ھٰذا کے پیرو مرشد شیخ المشائخ حضرت مولانا شیخ غلام فرید صاحب سجادہ نشین چاچڑاں شریف تھے۔ مجلس مناظرہ میں ارکان ریاست اور بہت سے علما وشرفا بھی جمع تھے۔ حضرت علامہ قصوری نے براہین کے اقوال مردودہ پر سات اعتراض فرمائے تھے۔ ایک اعتراض اس عبارت پر بھی تھا جو یہاں زیر بحث اور انبیٹھوی صاحب کے کفر قطعی کی بنیاد ہے۔

مناظرے کی روشنی میں حَکم مناظرہ حضرت شیخ المشائخ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ مولوی خلیل احمد مع اپنے معاونین کے وہابی ہیں۔ اہل سنت سے خارج ہیں۔ جب اعیانِ ریاست پر مولوی خلیل احمد کی حقیقت ظاہر ہوگئی تو انھیں ذلت کے ساتھ ریاست سے نکال دیا گیا۔

۱۳۰۷ھ میں حضرت علامہ قصوری کو حج وزیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ نے اس مبارک سفر میں تحریرات مناظرہ یعنی اپنے اعتراضات، مولوی خلیل احمد کے جوابات اور جوابات الجوابات کا عربی میں ترجمہ کیا اور اس کو ''تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل'' کے نام سے موسوم کیا۔ یہ کام جمادی الآخرہ ۱۳۰۷ھ میں ممبئی سے شروع ہوا اور ماہ ذی قعدہ ۱۳۰۷ھ کو مکہ مکرمہ میں پورا ہوا۔ (۲۷)

آپ نے یہ کتاب مکہ مکرمہ میں مذاہب اربعہ کے مفتیان کرام اور مفتی مدینہ منورہ اور چند دیگر علماے کرام کی خدمت میں پیش کی۔ انھوں نے اس کا مطالعہ کیا اور حضرت علامہ قصوری کے اعتراضات کو حق وصواب قرار دیا اور مولوی خلیل احمد اور ان کے مؤیدین کے خلاف فتوے صادر فرمائے۔

مفتی مکہ مکرمہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال مکی نے اپنی تقریظ میں تحریر فرمایا: ''یقیناً حکم صاحب براہین کا مع اپنے مددگاروں اور براہین پر تقریظ لکھنے والوں کا حکم زندیقوں کا ہے۔ چناں چہ فقہا ومحدثین کی کتابوں میں اس پر تصریح ہے ہم حق تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اس سے جو سبب ہو ندامت اور رسوائی کا،

اور موجب ہو افسوس اور روسیاہی کا قیامت کے دن میں۔ میں اپنے رب کو پاک جانتا ہوں، دروغ گو ناشکرے (یعنی مولوی خلیل احمد انبیٹھوی) کی گفتگو سے جس نے اپنی کتاب کا نام ''براہین قاطعہ'' رکھا ہے اور اس کا حکم سوا اس کے کچھ نہیں کہ جلاد اس کے بدن سے گردن جدا کردے۔ تاکہ کج رو جاہلوں کے لیے عبرت ہو۔ (حضرت علامہ قصوری کے لیے دعاؤں کے بعد لکھتے ہیں) اس کے لکھنے کا حکم کیا شریعت کے خادم حق تعالیٰ کے پوشیدہ لطف کے امیدوار محمد صالح کمال ابن مرحوم صدیق کمال حنفی نے جو فی الحال مکہ مکرمہ کا مفتی ہے۔ خداے تعالیٰ ان دونوں کا مددگار رہو۔'' (۲۸) حسام الحرمین میں بھی آپ کی تقریظ ہے۔

فاضل ربانی حضرت مولانا عثمان ابن عبدالسلام مفتی مدینہ منورہ نے اپنی تقریظ میں براہین قاطعہ پر حضرت علامہ قصوری کے اعتراضات کو مضبوط اور حق وصواب قرار دیا ہے اور صاحب براہین کو کاذب، کم عقل، بحر ضلالت میں گہرے غوطے لگانے والا اور حق تعالیٰ کی طرف سے سزاوار رسوائی فرمایا ہے۔ (۲۹) حسام الحرمین پر بھی آپ کی تقریظ ہے۔

مولوی خلیل احمد نے حضرت علامہ قصوری کے اعتراضات کے جو جوابات دیے اور ان میں براہین کی عبارات کو حق ودرست ثابت کرنے کی جو کوشش کی ان سب کا مفتی مکرمہ مکرمہ حضرت شیخ صالح کمال حنفی اور مفتی مدینہ منورہ اور دیگر مصدقین نے مطالعہ فرمایا تھا۔ کہ تقدیس الوکیل ان ہی تحریرات کا مجموعہ ہے، اس کے باوجود ان حضرات نے مولوی خلیل احمد کو زندیق گردن زدنی، کاذب، کم عقل اور گم راہ قرار دیا۔

اس کا صاف صاف یہ مطلب ہوا کہ مولوی خلیل احمد نے براہین کی گستاخانہ عبارات کی صحت و صفائی اور انھیں اسلامی ثابت کرنے کے لیے جو تقریرات وتوجیہات کیں اور جو استدلالات پیش کیے وہ سب کے سب ان حضرات کے نزدیک غیر مقبول اور مردود وباطل ٹھہرے۔

تقدیس الوکیل پر حضرت مولانا محمد رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی کی تصدیق بھی ہے۔ آپ ہندوستان میں کیرانہ کے باشندے تھے۔ مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے تھے۔ حکومت کی طرف سے آپ کو پایۂ حرمین اور قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا گیا تھا۔ فاضل جامعہ ازہر مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی دہلوی نے لکھا کہ آپ مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد کے استاد ہیں۔ (۳۰)

آپ لکھتے ہیں: ''مدت سے بعض باتیں مولوی رشید احمد کی سنتا تھا جو میرے نزدیک اچھی نہ تھیں۔ اعتبار نہ کرتا تھا کہ انھوں نے ایسا کہا ہوگا اور مولوی عبدالسمیع صاحب کو جوان کو میرے سے رابطہ شاگردی کا ہے۔ جب تک مکہ معظّمہ نہیں آئے تھے تحریراً منع کرتا تھا۔ اور مکہ معظّمہ میں آنے کے بعد تقریراً بہت تاکید سے بالمشافہ منع کرتا تھا کہ آپس میں مختلف نہ ہوں اور علماے مدرسہ دیوبند کو اپنا بڑا سمجھو۔ پر وہ مسکین کہاں تک صبر کرتا اور میرا اعتبار نہ کرنا کہاں۔ تک ممتد رہتا کہ حضرات علماے دیوبند کی تحریر اور

تقریر بہ طریق تواتر مجھ تک پہنچی کہ تمام افسوس سے کہنا پڑا اور چپ رہنا خلاف دیانت سمجھا۔

سو کہتا ہوں کہ میں جناب مولوی رشید کو رشید (ہدایت یافتہ) سمجھتا تھا۔ پر وہ میرے گمان کے خلاف کچھ اور ہی نکلے (مطلب یہ ہے کہ غیر رشید یعنی گم راہ نکلے) جس طرف آئے ایسا تعصب برتا کہ اس میں ان کی تقریر اور تحریر دیکھنے سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔'' (۳۱)

اس کے بعد براہین کے بعض گستاخانہ و گم راہانہ اقوال (مثلاً امکان کذب باری تعالیٰ، محفل میلاد مبارک کے لیے توہین آمیز تشبیہ، علم سرکار کو علم شیطان سے گھٹانا وغیرہ) کا ذکر کر کے ان کا رد و ابطال کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: ''**نعوذ باللّٰہ من ھٰذہ الخرافات**۔ میں تو ان امور مذکورہ کو ظاہر و باطن میں بہت برا سمجھتا ہوں اور اپنے محبین کو منع کرتا ہوں کہ وہ مولوی رشید اور ان کے چیلے چانٹوں کی ایسی باتیں نہ سنیں۔'' (۳۲)

تقریظ کے آخر میں لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ حضرت مولوی غلام دستگیر صاحب کو ان کے رد میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ العبد محمد رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن غفر لہا المنان ۱۵؍ذی قعدہ ۱۳۰۷ھ از مکہ معظّمہ۔''

ان امور کو بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ انبیٹھی صاحب نے حضرت علامہ غلام دستگیر قصوری سے مناظرہ میں شکست پائی، حَکم مناظرہ نے وہابی ہونے اور جماعت اہل سنت سے خارج ہونے کا فیصلہ دیا۔ ذلت کے ساتھ ریاست بھاول پور سے نکالے گئے، مفتی مکہ معظّمہ اور مفتی مدینہ منورہ نے براہین کی عبارات خبیثہ کی وجہ سے زندیق، گردن زدنی، کاذب، کم عقل اور بحر ضلالت میں گہرے غوطے کھانے والا قرار دیا، ان کے استاد حضرت مولانا محمد رحمت اللہ مہاجر مکی نے براہین کے مضامین شنیعہ کی مذمت اور ان کا رد فرمایا۔ پھر بھی انبیٹھی صاحب اپنی بات پر اڑے رہے اور انھیں رجوع و توبہ کی توفیق نہ ہوئی۔

تھانوی صاحب کی کفری عبارت: اپنی کتاب حفظ الایمان میں لکھتے ہیں: ''پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمرو، بلکہ ہر صبی و مجنون، بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ (۳۳)

اس عبارت کا یہ ناپاک و دل خراش جملہ کہ ''اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو الخ'' حضور افضل المخلوقات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں سخت دشنام اور کھلی ہوئی توہین ہے کہ اس میں لفظ ''ایسا'' کے ذریعہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم شریف کو (خاکش بہ دہن) زید و عمرو بلکہ صبی و مجنون بلکہ حیوانات و بہائم کے علم کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ معاذ اللہ۔

فاضل جامعہ ازہر مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی دہلوی لکھتے ہیں: ''حفظ الایمان کی عبارت براہین قاطعہ کی عبارت سے قباحت اور شناعت میں بڑھی ہوئی ہے۔ (براہین کی عبارت سے وہ عبارت مراد ہے جس میں محفل میلاد کو کنہیا کے جنم کے سانگ سے تشبیہ دی گئی ہے) حفظ الایمان چار پانچ ورق کا اردو رسالہ ۸؍محرم ۱۳۱۹ھ کو مولوی اشرف علی صاحب نے لکھا ہے (حفظ الایمان کی عبارتِ کفریہ مردودہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) اس رسالہ کے چھپتے ہی ہندوستان کے طول و عرض میں عام طور پر مسلمانوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ اللہ کے نیک بندے متحیر تھے کہ مولوی صاحب نے یہ کیا لکھا ہے۔ کہاں جناب محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم شریف، چاہے وہ علم شریف ایک بدیہی امر کا کیوں نہ ہو اور کہاں زید و عمرو اور صبی و مجنون اور حیوانات و بہائم کا علم۔'' (۳۴)

دوسرے مقام پر اسی عبارت حفظ الایمان اور براہین قاطعہ میں محفل میلاد کے لیے قبیح تمثیل کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے: ''تعجب ہے اس مسلمان پر جو اس قسم کی عبارات سن کر متالّم (دردمند) نہ ہو۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ع گر سنگ ازیں بنالد عجب مدار'' (۳۵)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ: ''رسالہ چھپتے ہی مولوی صاحب پر اعتراض شروع ہو گئے تھے۔'' (۳۶)

مولانا شاہ فاروقی صاحب کی مذکورہ عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت پر صرف اعلیٰ حضرت ہی کو اعتراض نہیں تھا بلکہ دیگر حضرات بھی معترض تھے اور اس عبارت کی وجہ سے ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمان بے چینی کا شکار تھے بلکہ اس عبارت کے سقم کا علمائے دیوبند کو بھی خاموش اعتراف ہے۔ اگرچہ وہ جھوٹی عزتِ نفس اور بے جا حمایت و طرف داری کی وجہ سے اسے بے غبار اعلان کرتے ہیں۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ حسام الحرمین کے بعد علمائے دیوبند کی طرف سے ایک کتاب شایع کی گئی جس کا نام ''المہند'' اور دوسرا نام ''عقائد علمائے دیوبند'' ہے۔ یہ کتاب سوالات و جوابات پر مشتمل ہے۔ سوالات علمائے دیوبند کے عقائد اور قابل اعتراض عبارات کے بارے میں ہیں۔ علمائے دیوبند کے بقول یہ سوالات علمائے حرمین شریفین کی طرف سے کیے گئے ہیں۔ ان سوالات کے جوابات مولوی خلیل احمد انبیٹھی نے دیے ہیں اور ان پر تصدیق اکابر علمائے دیوبند نے کی ہے۔

اس میں عبارت حفظ الایمان کی صفائی میں یہ مکاری کی ہے کہ اس عبارت کے عربی ترجمہ میں وہ لفظ ہی بدل دیا جس سے معاذ اللہ علم رسول علیہ الصلاۃ والسلام زید و عمرو بلکہ صبی و مجنون کے علم کے مشابہ و مماثل ٹھہرتا ہے اور جو مبنائے تکفیر ہے۔ یعنی لفظ ''ایسا'' کی جگہ لفظ ''بعض'' رکھ دیا تاکہ مماثلت و مساوات کا مفہوم ختم ہو جائے۔ چناں چہ ''المہند'' میں اس عبارت کا عربی ترجمہ اس طرح ہے۔

''**ثم لو صح ھٰذا الاطلاق علی ذاتہ المقدسۃ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم علٰی**

قول السائل، فتستفسر منه ماذا اراد بھٰذا الغیب؟ هل اراد کل واحد من افراد الغیب او بعضه، ای بعض کان؟ فان اراد بعض الغیوب فلا اختصاص له بحضرة الرسالة صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم "فانَّ عِلُمَ بَعُضِ الغیوب" وان کان قلیلاً حاصل لزید و عمرو بل لکل صبی و مجنون بل لجمیع الحیوانات والبھائم ۔ اس کے بالمقابل اردو ترجمہ اس طرح ہے: ''پھر یہ کہ حضرت کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا اطلاق اگر بقول مسائل صحیح ہو تو ہم اس سے دریافت کرتے ہیں کہ اس غیب سے مراد کیا ہے؟ یعنی غیب کا ہر فرد یا بعض غیب کوئی کیوں نہ ہو۔ پس اگر بعض غیب مراد ہے تو رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخصیص نہ رہی کیوں کہ ''بعض غیب'' کا علم اگرچہ تھوڑا سا ہو زید و عمرو بلکہ ہر بچہ اور دیوانے، بلکہ حیوانات اور چوپایوں کو بھی حاصل ہے۔ (۳۷)

ہر صاحب علم ادنیٰ تامل سے سمجھ سکتا ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت اور اِس عبارت میں فرق واضح ہے۔ حفظ الایمان کی جس عبارت کی بنیاد پر تھانوی صاحب کی تکفیر کی گئی ہے وہ اور ہے اور ''المہند'' میں جو عبارت لکھی گئی وہ اور ہے۔

یہ تو ایسا ہے جیسے زید ایک صاحب تقویٰ وطہارت عالم دین ہے لیکن اس کی آواز بہت بھاری ہے، جب وہ بولتا ہے تو سامعین کو گرانی محسوس ہوتی ہے، عمرو نے بکر سے پوچھا کہ ہم زید کو اپنے یہاں کی جامع مسجد میں خطیب رکھنا چاہتے ہیں تمھاری کیا راے ہے؟ بکر نے کہا: ارے زید تو گدھے کی طرح بولتا ہے اس کو خطیب مت رکھنا، خالد نے ایک مفتی سے سوال کیا کہ زید عالم دین کے بارے میں بکر کا یہ قول کیسا ہے؟ مفتی نے جواب دیا کہ بکر بڑا جری بے باک ہے، اس کا یہ قول زید کی شان میں سخت گستاخی و بے ادبی ہے وہ توبہ کرے، اسی قول کے بارے میں دوسرے شخص حامد نے اس طرح سوال کیا کہ ''بکر سے جب زید کو خطیب رکھنے کے بارے میں مشورہ کیا گیا تو اس نے یہ کہا کہ ''ان کی آواز بھاری ہے جب وہ بولتے ہیں تو لوگوں کو گرانی محسوس ہوتی ہے۔'' تو اس پر مفتی نے یوں جواب دیا کہ ''اس قول کی وجہ سے بکر پر کوئی مواخذہ نہیں کہ یہ زید کی شان میں گستاخی نہیں بلکہ بکر نے صرف مشورہ کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے اظہار واقعہ کیا ہے۔''

اب حامد لوگوں کو سے کہے کہ بکر کے قول میں کوئی خرابی نہیں، دیکھو مفتی نے اس کو کلین چٹ دی ہے، تو اس کو یہی جواب دیا جائے گا کہ ارے مکار و فریبی! مفتی نے جس قول پر بکر کو کلین چٹ دی ہے وہ بکر کا قول ہے کب؟ اس کا قول تو وہ ہے جس پر اس کو گستاخ وخطا کار قرار دیا گیا ہے۔ ''المہند'' کے مولف اور مصدقین کا معاملہ بھی حامد جیسا ہی ہے۔

تھانوی صاحب کی عبارت کو ردّ و بدل کر کے علماے حرمین شریفین کی بارگاہ میں پیش کرنا جہاں کھلا ہوا فریب ہے وہیں اس بات کا خاموش اعتراف بھی ہے کہ علماے دیوبند کے نزدیک بھی اس

عبارت میں ضرور سقم وخرابی ہے۔ انھیں اندیشہ تھا کہ اگر عبارت کو جوں کے توں پیش کیا گیا تو وہی حکم ہوگا جو امام احمد رضا لگا چکے ہیں اور جس پر علماے حرمین شریفین نے تصدیقات ثبت کی ہیں۔ ورنہ کیا داعی و باعث تھا جو عبارت میں تبدیلی کی گئی۔

دوسری عبارات میں بھی یہ مکر کیا ہے کہ اصل عبارات لکھنے کی بجائے اپنے طور پر ان کے مطلب گڑھ کر لکھ دیے۔ حالاں کہ تقاضاے دیانت یہ تھا کہ اصل عبارات کا عربی میں ترجمہ کر کے علماے حرمین شریفین کو پیش کرتے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔ ''المہند'' میں اس قسم کے مکاید و اکاذیب کی بھرمار ہے۔ حضور صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ''التحقیقات لدفع التلبیسات'' میں اور حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے ''رادّ المہند'' میں اس کتاب کی دھوکہ بازیوں کا پردہ فاش فرمایا ہے۔

حفظ الایمان کی اس عبارت کی صفائی میں ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ: ''اور لفظ ''ایسا'' ہمیشہ تشبیہ کے لیے نہیں آتا۔ بلغاے اہل لسان اپنے محاوراتِ فصیحہ میں بولتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا قادر ہے مثلاً تو کیا یہاں خداے تعالیٰ کے قادر ہونے کو دوسرے کے قادر ہونے سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔ ہرگز نہیں۔'' (۳۸)

اس کا جواب شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی نے اس طرح دیا ہے ''لفظ ''ایسا'' تو لغوی بحث ہے۔ اردو کی مستند کتابوں میں دیکھ لیا جائے صورت حال ظاہر ہو جائے گی۔ کتابوں میں ہے کہ لفظ ایسا دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ یا تو یہ لفظ صفت واقع ہوتا ہے اور اس صورت میں اس کے معنی مماثل، مساوی اور اس قسم کے ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ خط تم نے لکھا، ایسا خط تو بچہ بھی لکھ لے، یہ کام تم نے کیا کیا؟ ایسا کام تو کوئی ہوش مند نہ کرے۔ یا یہ لفظ تابع فعل واقع ہوتا ہے اور اس صورت میں اس کے معنی اس قدر اور اتنا عمدہ کے ہوتے ہیں۔ مثلاً تم نے ایسا خط لکھا کہ دل خوش ہو گیا۔ ایسی بات کہی کہ دل میں بیٹھ گئی۔ ایسا پڑھایا کہ یاد ہو گیا۔ مولوی صاحب کی عبارت میں لفظ ''ایسا'' صفت واقع ہو رہا ہے اور یہ عبارت کہ ''حضور ہی کی کیا تخصیص ہے'' معاملہ کو واضح کر رہی ہے۔'' (کہ اس عبارت میں لفظ ایسا تشبیہ ہی کے لیے ہے۔)(۳۹)

شاہ صاحب کے ان اقتباسات میں اس عبارت کے تعلق سے مندرجہ ذیل تاثرات ظاہر کیے گئے ہیں:

(۱) حفظ الایمان کی عبارت قبیح و شنیع ہے۔
(۲) اس مسلمان پر تعجب ہے جس کا دل حفظ الایمان کی عبارت سن کر دکھی نہ ہو۔
(۳) یہ عبارت اس قدر سخت ہے کہ اگر اس کی وجہ سے سنگ بھی رونے لگے تو تعجب نہیں۔

(۴) اس عبارت میں یہ متعین ہے کہ لفظ ''ایسا'' تشبیہ ہی کے لیے ہے۔

حضرت موصوف اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہ مریدین میں سے ہیں نہ تلامذہ میں سے۔ اور نہ احباب و متعلقین میں سے بلکہ وہ مولوی عبدالعلی کے شاگرد ہیں۔ جو دہلی کے مدرسہ عبدالرب میں پڑھاتے تھے۔ اور مولوی عبدالعلی مولانا احمد علی سہارن پوری کے شاگرد اور مولوی قاسم نانوتوی کے خاص تلمیذ اور شیدا تھے۔ (۴۰)

حق یہ ہے کہ جس کے دل میں بھی عدل و انصاف کی رمق باقی ہوگی وہ اس عبارت اور دیگر عبارات ملعونہ کی حمایت نہیں کرے گا بلکہ ان کو دشنام و کفر ہی قرار دے گا۔

حاصل یہ کہ تھانوی صاحب کی اس عبارت سے مسلمان بے چین ہو اٹھے، علما کی طرف سے اعتراض کیے گئے لیکن تھانوی صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے اور انھیں یہی اصرار رہا کہ یہ عبارت بالکل بے غبار ہے، حق ہے۔

یہ صریح و صاف کفری عبارات اور خدا و رسول کی مقدس بارگاہوں میں یہ کھلی ہوئی گستاخیاں اور دشنام طرازیاں اعلیٰ حضرت کو پہنچیں اور آپ نے یہ کفری عبارات خود اپنی چشمان مبارک سے ملاحظہ کیں۔ اور کامل غور و خوض، ہر طرح کی جانچ پڑتال اور تحقیق و تفتیش کے باوجود ان عبارات میں اصلاً اصلاً ہرگز کوئی گنجائش اور کوئی تاویل نہ نکل سکی اور ان عبارات میں ضروریاتِ دین کا انکار اور ان کا خدا و رسول کی شان میں دشنام و توہین ہونا قطعی یقینی واضح اور روشن طریقہ سے ظاہر ہو گیا تب آپ نے ۱۳۲۰ھ میں یہ فتویٰ دیا کہ یہ عبارتیں قطعاً و یقیناً کفر و ارتداد ہیں۔ اور ان کے قائلین اور ان کے اتباع یقینی طور پر کافر و مرتد اور خارج از اسلام ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حرمین شریفین کے ۳۳/ اور غیر منقسم ہندوستان کے دو سو اڑسٹھ علمائے کرام و مفتیان عظام میں سے کسی نے بھی آپ کے فتوے میں کوئی خامی نہ پائی۔ اور سب نے بالاتفاق اپنی تصدیقات سے آپ کے فتوے کی حقانیت کو آفتاب کی طرح روشن کر دیا۔

اعلیٰ حضرت کو ان لوگوں سے ہرگز ہرگز کوئی عداوت نہ تھی۔ نہ ان کے ساتھ کوئی زمین جائیداد کا جھگڑا تھا۔ نہ یہ لوگ آپ کی عظمت خداداد کے لیے کچھ مضر تھے کہ معاذ اللہ یہ وہم کیا جائے کہ آپ نے مسلمانوں میں ان مولویوں کی حیثیت و وقعت گھٹانے کے لئے یہ اقدام کیا تھا۔ بلکہ آپ نے ان پر فتوائے کفر صادر فرما کر صرف اور صرف حکم شرع کی تعمیل اور خیر خواہی مسلمین کے تقاضے کی تکمیل فرمائی۔ کیوں کہ جب ایک شخص نے کسی ضروری امر دینی کا انکار کیا اور وہ انکار متحقق ہو گیا تو شرعاً اس کی تکفیر ضروری ہے۔ خود ایک بڑے دیوبندی عالم مولوی مرتضیٰ حسن سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند ایسے شخص کا یہی حکم بتاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

جب ایک شخص نے قطعاً یقیناً ایک ضروری دین کا انکار کیا اور وہ انکار متحقق ہو گیا تو اب اس کو کافر نہ کہنا خود بے احتیاطی سے کافر و مرتد ہونا ہے۔ (۴۱)

مزید لکھتے ہیں: ''جیسے کسی مسلمان کو اقرار توحید و رسالت وغیرہ عقائد اسلامیہ کی وجہ سے کافر کہنا کفر ہے کیوں کہ اس نے اسلام کو کفر بتایا۔ اسی طرح کسی کافر کو عقائد کفریہ کے باوجود مسلمان کہنا بھی کفر ہے۔ کیوں کہ اس نے کفر کو اسلام بتایا۔ حالاں کہ کفر کفر ہے، اسلام اسلام ہے۔ اس مسئلہ کو مسلمان خوب اچھی طرح سمجھ لیں۔ اکثر لوگ اس میں احتیاط کرتے ہیں۔ حالاں کہ احتیاط یہی ہے کہ جو منکر ضروری دین ہو اسے کافر کہا جائے۔ کیا منافقین توحید و رسالت کا اقرار نہ کرتے تھے؟ پانچوں وقت قبلہ کی طرف نماز نہ پڑھتے تھے؟ مسیلمہ کذاب وغیرہ مدعیانِ نبوت اہل قبلہ نہ تھے؟ انھیں بھی مسلمان کہو گے؟'' (۴۲)

دیوبندی مولوی مرتضیٰ حسن کے اس قول سے ان دیوبندیوں کا رد بھی ہو گیا جو مسلمانوں کو فریب دینے کے لیے کہا کرتے ہیں کہ: ''کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے کیوں کہ ہو سکتا ہے وہ مسلمان ہو جائے۔''

مولوی مذکور اسی کتاب میں لکھتے ہیں: ''اگر خان صاحب (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے نزدیک بعض علمائے دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انھوں نے انھیں سمجھا تو خان صاحب پر ان علما ایس دیوبند کی تکفیر ضروری تھی۔ اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو وہ خود کافر ہو جاتے۔'' (۴۳)

اعلیٰ حضرت کے نزدیک مذکورہ عبارات کے لکھنے والے علمائے دیوبند واقعی منکر ضروریاتِ دین تھے۔ خدا و رسول کی شان میں کھلے گستاخ اور دشنام گو تھے۔ ورنہ آپ ہرگز ہرگز ان کی تکفیر نہ کرتے۔ تصدیق کنندہ علمائے حرمین شریفین اور متحدہ ہندوستان کے کثیر علما و مشائخ کے نزدیک بھی یہ حضرات واقعی ایسے ہی تھے۔ اس لیے تو انھوں نے اعلیٰ حضرت کے فتوے کی حرف بہ حرف تصدیق فرمائی۔

مولوی مرتضیٰ حسن کے قول کے مطابق بھی اعلیٰ حضرت پر ان علمائے دیوبند کی تکفیر ضروری تھی۔ اگر آپ اس فرض کو ادا نہ کرتے تو خود آپ کے ہاتھوں سے دولت ایمان نکل جاتی۔ لہٰذا آپ نے یہ فرض ادا فرمایا اور اپنے اور اپنے دینی بھائیوں کے ایمان کی حفاظت فرمائی۔ اس میں ہرگز ہرگز کوئی دنیاوی غرض شامل نہیں تھی۔

یہ فتویٰ جن علمائے دیوبند سے متعلق تھا ان میں جو اس وقت زندہ تھے انھیں اس فتوے کا علم تھا۔ لیکن وہ چپ سادھے رہے۔ نہ توبہ کی اور نہ کسی قسم کی صفائی پیش کی۔ اور صفائی دیتے بھی کیا اس کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

اس کا اعتراف دیوبندیوں کے مشہور مناظر مولوی منظور سنبھلی نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''سب سے پہلے ۱۳۲۰ھ میں اپنی کتاب المعتمد المستند میں ان حضرات کی قطعی تکفیر کی۔ لیکن ان کی فتوے بازی اور کافر سازی بدنام ہو چکی تھی اس لئے اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ جن بزرگوں کی

تکفیر کی گئی انھوں نے بھی کوئی نوٹس نہیں لیا۔‘‘ملخصاً (۴۴)

ہاں تھانوی صاحب نے ۱۳۲۹ھ میں عبارتِ حفظ الایمان کی صفائی میں ایک کتابچہ ’’بسط البنان‘‘ لکھا۔لیکن وہ صفائی نہیں بلکہ فتوائے کفر کو اور مضبوط کرتی ہے۔اس لیے کہ اس عبارت کو جس کفری معنی میں واضح وصریح ومتعین قرار دے کر فتوائے کفر صادر کیا گیا اس معنی کو خود تھانوی صاحب نے بھی کفر ہی قرار دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں والدین کریمین کے ساتھ حج وزیارت کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں دوسری بار یہ شرف حاصل ہوا۔اس مرتبہ آپ کے برادر خرد حضرت مولانا محمد رضا خاں عرف ننھے میاں اور خلف اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں بھی ساتھ تھے۔اس بار آپ کا جانا اچانک ہوا تھا۔پہلے سے کوئی ارادہ نہ تھا۔

واقعہ یوں ہے کہ برادر خرد اور خلف اکبر مع متعلقین بہ ارادۂ حج بریلی سے روانہ ہوئے۔اعلیٰ حضرت ان حضرات کو لکھنؤ تک پہنچا کر بریلی واپس تشریف لے آئے لیکن طبیعت میں بڑا اضطراب رہا اور ایک روز بعدِ عصر حاضری کے لیے دل بہت ہی بے چین ہوا۔بالآخر بعدِ مغرب رزرویشن کے لیے ایک آدمی کو اسٹیشن بھیجا اور اسی دن بعد نماز عشا ان حضرات کی روانگی کے ایک ہفتہ بعد والدہ ماجدہ سے اجازت لے کر آپ بھی روانہ ہو گئے۔اور اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان کہ آپ کو بھی اسی جہاز میں جگہ مل گئی جس میں آپ کے بھائی اور صاحب زادے سفر کرنے والے تھے۔چناں چہ بمبئی سے ان ہی کے ساتھ روانہ ہوئے اور حج وزیارت کے شرف سے مشرف ہوئے۔اعلیٰ حضرت نے اس مبارک سفر کی مفصل روداد بیان فرمائی ہے جو الملفوظ دوم مطبوعہ کتب خانہ صندل خاں بازار بریلی شریف کے ص۲ سے ص۵۵ تک ہے۔

اس موقع پر حضرت حجۃ الاسلام نے ’’المعتمد المستند‘‘ کا وہ حصہ جو غلام احمد قادیانی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی، اشرف علی تھانوی وغیرہم کی کفری عبارات اور فتوائے تکفیر پر مشتمل تھا ۲۱/ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ بروز جمعرات مکہ مکرمہ میں نقل کیا اور برائے تصدیق وتائید علمائے حرمین شریفین کے حضور پیش کیا۔

آپ نے المعتمد المستند کے اس حصہ کی نقل سے پہلے علمائے حرمین شریفین کی بارگاہ میں سلام اور کلماتِ تکریم کے بعد اس طرح گزارش کی ہے:

’’ہمارے شہروں کے علما میں سے ایک مرد نے (یعنی سرکار اعلیٰ حضرت نے) جو ہمارے سرداروں اور عمائد کی زبان پر لقب عالم اہل سنت وجماعت سے ملقب ہے اپنی جان کو ان گم راہیوں کے دفع میں (جو ہندوستان میں پھیل رہی ہیں) وقف کر دیا۔کتابیں تصنیف کیں اور بیانات لکھے۔ان میں سے ’’المعتمد المستند‘‘ کی شرح ’’المعتقد المنتقد‘‘ ہے۔اس کی ایک مبحث شریف میں ان کفری بدعات

کے اصول پر کلام کیا ہے جو ہندوستان میں شایع ہو رہی ہیں۔ہم بعض فرقوں کا ذکر اس کی عبارت میں آپ حضرات پر عرض کرتے ہیں۔تا کہ آپ حضرات کی نگاہ وتصدیق سے مشرف ہو۔اور سنت شاداں اور مسرور ہو اور آپ حضرات کی تصحیح وتحقیق کی برکت سے مذہب اہل سنت سے ہر مشکل دور ہو۔

اور صاف ذکر فرمائیے کہ وہ سرداران گمراہی جن کا ذکر اس مبحث میں کیا ہے آیا ایسے ہی ہیں جیسا مصنف نے کہا ہے؟ تو جو حکم اس میں (المعتمد المستند) میں اس نے لگایا سزاوار قبول ہے یا ان لوگوں کو کافر کہنا جائز نہیں نہ عوام کو ان سے بچانا اور نفرت دلانا روا ہے اگر چہ وہ ضروریاتِ دین کا انکار کریں، اور اللہ رب العٰلمین اور اس کے رسول معزز وامین کو برا کہیں، اور اپنا یہ اہانت بھرا کلام چھاپیں اور شایع کریں، کہ وہ عالم ومولوی ہیں اگر چہ وہابی ہیں، تو ان کی تعظیم شرعاً واجب ہے اگر چہ اللہ ورسول کو گالیاں دیں جیسا کہ بعض جاہلوں کا گمان ہے جن کے دلوں میں ایمان مستقر نہ ہوا۔

اور اے ہمارے سردارو! اپنے رب عزوجل کے دین کی مدد کو بیان فرمایے کہ یہ لوگ جن کا مصنف نے نام لیا اور ان کا کلام نقل کیا (اور ہاں یہ ہیں کچھ ان کی کتابیں جیسے قادیانی کی اعجاز احمدی، اور ازالۃ الاوہام، اور فتویٰ رشید احمد گنگوہی کا فوٹو، اور براہین قاطعہ کہ در حقیقت اسی گنگوہی کی ہے اور نام کے لیے اس کے شاگرد خلیل احمد انبیٹھی کی طرف نسبت ہے) (۴۵) اور اشرف علی تھانوی کی حفظ الایمان کہ ان کتابوں کی عبارات مردودہ پر امتیاز کے لیے خط کھینچ دیے ہیں (علمائے حرمین شریفین کو دکھانے کے لیے یہ کتابیں ساتھ لے جائی گئی تھیں اور فتوائے گنگوہی جس کی اصل مہری دستخطی اعلیٰ حضرت کے پاس تھی اس کا فوٹو بھی ساتھ تھا۔جیسا کہ تمہید ایمان مکتبہ مشرق بریلی شریف ص ۷۷ میں مذکور ہے۔-ع) آیا یہ لوگ اپنی باتوں میں ضروریاتِ دین کے منکر ہیں؟ اگر منکر ہیں اور مرتد کافر ہیں تو آیا مسلمانوں پر فرض ہے کہ انھیں کافر کہیں جیسا کہ تمام منکرانِ ضروریاتِ دین کا حکم ہے جن کے بارے میں علمائے معتمدین نے فرمایا ’’جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔جیسا کہ شفاء السقام وبزازیہ ومجمع الانھر ودر مختار وغیرہا روشن کتابوں میں ہے۔اور جو ان میں شک کرے یا انھیں کافر کہنے میں تامل کرے یا ان کی تعظیم کرے یا ان کی تحقیر سے منع کرے تو شرع میں ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ آپ حضرات ہمیشہ فضل خدا سے مسلمانوں پر احکام دین کا افاضہ فرماتے رہیں۔اور درود وسلام نازل ہو تمام رسولوں کے سردار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب سب پر۔‘‘(۴۹)

اس کے بعد المعتمد المستند کی بحث نقل کی ہے اور نقل کے اختتام پر رقم طراز ہیں ’’یہاں تک المعتمد المستند‘‘ کا کلام ختم ہوا۔یہ ہے وہ جسے ہم نے آپ پر پیش کرنا چاہا۔اور آپ کے پاس سے ہر خیر وبرکت کی امید ہے۔ہمیں جواب افادہ کیجیے اور آپ کے لیے بادشاہِ کثیر العطا کی طرف سے بہت ثواب ہے۔اور درود وسلام رہ نمائے حق اور ان کے آل واصحاب پر روز جزا وشمار تک۔۲۱/ذی الحجہ یوم پنج شنبہ

۱۳۲۳ھ مکہ مکرمہ میں لکھا گیا اللہ اس کا شرف اور اعزاز زیادہ کرے۔'' (۴۷)

عالم محقق حضرت علامہ محمد احمد صاحب قبلہ مصباحی پرنسپل الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے صراحت فرمائی ہے کہ ''المعتمد المستند'' کا یہ حصہ حضرت حجۃ الاسلام نے علماے حرمین شریفین کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ (۴۸) حسام الحرمین کے تمہیدی کلمات کے لب ولہجہ سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ناقابل وپیش کنندہ حضرت حجۃ الاسلام تھے۔ لیکن چوں کہ یہ کام یقیناً اعلیٰ حضرت کی فرمائش و رضا سے ہوا اور آپ خود بھی اس وقت موجود تھے اور اس کام میں شریک رہے نیز ناقل وپیش کنندہ کے طور پر حضرت حجۃ الاسلام کا نام مذکور نہیں ہے اور متعدد تصدیقات میں اس امر کی نسبت اعلیٰ حضرت ہی کی طرف کی گئی ہے۔ حضرت مولانا محمد سعید بابصیل کی تصدیق میں ہے ''حضرت مولانا احمد رضا نے اپنی کتاب المعتمد المستند سے کچھ خلاصہ کیا ہے۔'' حضرت مولانا علی بن حسین مالکی کی تحریر میں ہے ''حضرت مولانا احمد رضا نے مجھے کچھ اوراق پر اطلاع دی ہے جن میں ان گم راہوں کے نام ہیں جو ہند میں پیدا ہوئے۔'' حضرت مولانا محمد صالح ابن بافضل راقم ہیں ''امام احمد رضا نے اس رسالہ میں جس پر میں نے نظر تفتیش کی اپنی کتاب مذکور سے خلاصہ کیا ہے۔'' لہٰذا المعتمد المستند کو خلاصہ کرنے اور اسے پیش کرنے کی نسبت اعلیٰ حضرت کی طرف کرنا بھی درست ہے اور یہ کوئی تاریخی غلطی نہیں ہے۔

اس تفصیل کی ضرورت یوں پیش آئی کہ ایک صاحب نے اس الجھن کا اظہار کیا تھا کہ اکثر کتب ورسائل میں مذکور ہے کہ المعتمد المستند کا خلاصہ اعلیٰ حضرت نے پیش کیا لیکن بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کام حضرت حجۃ الاسلام نے انجام دیا تھا۔ اصل واقعہ کیا ہے؟ لہٰذا یہ تفصیل ذکر کی گئی۔

عالی جناب محمد عمر فاروق صاحب مقیم حال امریکہ نے صدر العلما حضرت علامہ شاہ محمد تحسین رضا صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کو ایک مکتوب میں لکھا تھا: ''یہ بات کہیں مطالعہ سے گزری ہے لیکن حوالہ یاد نہیں کہ اعلیٰ حضرت نے پہلے اپنے صاحب زادے کو حج اور فتوے پر تصدیق کے لیے بھیجا۔ پھر بعد میں خود آپ کا ارادہ بنا تو عازم حج ہوئے۔

یہ بات درست ہے کیوں کہ فتوے پر تصدیق کا خیال مکہ مکرمہ پہنچ کر نہیں ہوا بلکہ یہیں سے تصدیقات حاصل کرنے کا پروگرام تھا۔ اس لیے علماے دیوبند کی ضروری کتابیں اور گنگوہی صاحب کے دستخطی ومہری فتوے کا فوٹو ساتھ لیا گیا تھا۔ تاکہ علماے حرمین شریفین کو حوالے دکھائے جاسکیں۔ جیسا کہ تمہید ایمان مطبوعہ مکتبہ مشرق بریلی کے ص ۷۷ پر مذکور ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ خدمت حضرت حجۃ الاسلام ہی کو سونپی گئی ہوگی اور ان ہی کے ساتھ یہ کتابیں گئی ہوں گی۔ کہ وہی حج و زیارت کے لیے جارہے تھے۔ اعلیٰ حضرت کا ارادہ تو ان کی روانگی کے ایک ہفتہ بعد یکا یک ہوا تھا اور آپ بہ عجلت بسا یر روانہ ہوئے تھے جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا۔ کہ ایک روز بعد عصر حاضری کے لیے دل بے چین ہوا۔ بعدِ

مغرب رزرویشن کے لیے ایک صاحب کو اسٹیشن بھیجا اور بعد عشا آپ روانہ ہوگئے۔

مکہ مکرمہ کے بیس اور مدینہ منورہ کے تیرہ علماے کرام ومفتیانِ عظام نے آپ کے فتوے پر زوردار تصدیقات وتقریظات تحریر فرمائیں۔ فتوے کی حرف بہ حرف تصدیق وتوثیق کی۔ خدمت دین کے سلسلے میں آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ آپ کو عظیم وجلیل فضائل سے یاد کیا اور متفقہ طور پر مرزا غلام احمد قادیانی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھی اور اشرف علی تھانوی کو ان کی گندی عبارات کے سبب بلاشک وشبہہ کافر ومرتد وبے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا۔

ان مبارک تصدیقات کا سلسلہ مکہ مکرمہ میں ۲۱؍ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کے بعد شروع ہوا اور مدینہ منورہ میں ماہ فاخر ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ کے عشرۂ اولیٰ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ (۴۹) ان تصدیقات کے مجموعہ کا تاریخی نام ''حُسَامُ الْحَرَمَیْن عَلٰی مُنْحَرِ الْکُفْرِ وَالْمَیْن'' رکھا گیا۔ (۱۳۲۴ھ) یعنی کفر وکذب کے گلے پر حرمین شریفین کی شمشیر براں۔

اعلیٰ حضرت ماہ ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ میں مدینہ منورہ سے رخصت ہوئے۔ واپسی میں جدہ کو آتے ہوئے منزلوں پر قیام کے دوران آپ نے حسام الحرمین کی تلخیص فرمائی۔ جس کا تاریخی نام ''خلاصۂ فوائد فتاویٰ'' رکھا تاکہ جن لوگوں کو حسام الحرمین کا مطالعہ گراں گزرے وہ کم ازکم اس خلاصہ ہی کو پڑھ لیں اور ایمان کے رہ زنوں سے محفوظ رہیں۔

منزلوں پر قیام کے دوران ہر شخص اپنے کام میں ہوتا مگر اعلیٰ حضرت اپنے دینی بھائیوں کی خیر خواہی کے جذبہ سے سرشار علماے حرمین شریفین کی تصدیقات کی تلخیص وترتیب میں مصروف رہتے۔ (۵۰)

۱۳۲۵ھ میں شہزادۂ استاذ زمن حضرت علامہ حسنین رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''حسام الحرمین'' کا سلیس اردو میں ترجمہ فرمایا۔ جو ہر صفحہ میں عربی کے بالمقابل تحریر ہے۔ ترجمہ کا تاریخی نام ''مبین احکام وتصدیقات اعلام'' (۱۳۲۵ھ) ہے۔

۱۳۲۶ھ میں اعلیٰ حضرت نے ''تمہید ایمان بآیات قرآن'' تصنیف فرمائی۔ اس کے مطالعہ سے سچا حقیقی ایمان نظر آتا ہے اور مسلمان کا ایمان ترقی ونور پاتا ہے۔ اس میں آیاتِ قرآنی کی روشنی میں ان امور کا ذکر کیا گیا ہے۔

تعظیم ومحبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت واہمیت۔
دعواے تعظیم ومحبت کی صداقت کے لیے معیار اور طریقۂ امتحان۔
دشمنان وگستاخانِ خدا ورسول سے نفرت قطع تعلق پر عظیم بشارتیں۔
ایسا نہ کرنے والوں کے لیے شدید وعیدیں۔
قابل اعتراض عبارات کا شرعی محاسبہ۔

گستاخانِ خدا اور سول سے نفرت وقطع تعلق اوران کو برا جاننے کے تعلق سے چند اعذار کا جواب
اس مکر کا جواب کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے۔ اور اہل قبلہ کا صحیح معنی۔
گستاخانِ رسول کی تکفیر سے باز رکھنے کے لیے جو فریب دیے جاتے ہیں، ان کا رد۔
باب تکفیر میں اعلیٰ حضرت کی عظیم احتیاط کا بیان اوراس پر شواہد۔
اس افترا کا جواب کہ علماے اہل سنت ذرا ذرا سی بات پر کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔

اس کتاب کو ''حسام الحرمین'' کا مقدمہ کہنا چاہیے۔ آخر کتاب میں تحریر فرماتے ہیں: ''بات بحمداللہ ہر ذی علم مسلمان کے نزدیک اعلیٰ بدیہیات سے تھی۔ مگر ہمارے عوام بھائیوں کو مہریں دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مہریں علماے کرام حرمین طیبین سے زائد کہاں کی ہوں گی؟ جہاں سے دین کا آغاز ہوا۔ اور بہ حکم احادیث صحیحہ وہاں شیطان کا دور دورہ نہ ہوگا۔ لہٰذا اپنے بھائیوں کی زیادت اطمینان کو مکہ معظّمہ و مدینہ طیبہ کے علماے کرام ومفتیان عظام کے حضور فتویٰ پیش ہوا جس خوش اسلوبی و جوش دینی سے ان عمائد اسلام نے تصدیقیں فرمائیں بحمداللہ کتاب مستطاب ''حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین'' میں گرامی بھائیوں کے پیش نظر، اور ہر صفحہ کے مقابل سلیس اردو میں اس کا ترجمہ ''مبین احکام و تصدیقات اعلام'' جلوہ گر۔ الٰہی اسلامی بھائیوں کو قبول حق کی توفیق عطا فرما اور ضد ونفسانیت یا تیرے اور تیرے حبیب کے مقابل زید وعمرو کی حمایت سے بچا۔ صدقہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجاہت تھا۔ آمین۔ آمین۔ آمین۔ والحمدللہ رب العلمین، وافضل الصلاۃ واکمل السلام علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وحزبہ اجمعین۔ آمین۔ (۵۱)

تمہید ایمان کے اس اقتباس سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ حسام الحرمین پہلی بار ۱۳۲۶ھ میں طبع ہوئی ہوگی۔ میرے پیش نظر حسام الحرمین کے دو نسخے ہیں۔ قدیم نسخہ حضرت مولانا الحاج صوفی اقبال احمد نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتبہ ''رضوی کتب خانہ صندل خاں بازار بریلی شریف'' سے شایع ہوا ہے۔ اس میں پہلے تمہید ایمان اس کے بعد ''خلاصۂ فوائد فتاویٰ'' ہے۔ پھر حسام الحرمین ہے۔ ان تینوں پر صفحہ نمبر مسلسل ہے۔ اول صفحہ ۶۴ر تک ہے دوم صفحہ ۸۸ر تک ہے اور سوم صفحہ ۲۲۳ر تک ہے۔

حسام الحرمین کے دوسرے نسخہ میں کل صفحات ۱۳۶ر ہیں۔ اس کے شروع میں ''پیرایۂ آغاز'' کے عنوان سے حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ کی مفید تحریر ہے۔ اس میں عربی متن نہیں ہے۔ صرف اردو ترجمہ ہے۔ ''خلاصۂ فوائد فتاویٰ'' بھی نہیں ہے۔ ایسا خریداروں کی سہولت کے لیے کیا گیا ہوگا۔ تمہید ایمان آخر میں ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۹ء میں مکتبہ نبویہ لاہور سے طبع ہوا تھا اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۷ء میں رضوی کتاب گھر دہلی نمبر ۶ سے شایع ہوا ہے۔

حسام الحرمین بلاشبہہ اسم بامسمّیٰ ہے۔ جیسا نام ہے ویسا ہی اس کا کام ہے۔ ایمان افروز اور کفر

سوز ہے۔ اہل حق کے لیے موجب سکون وقرار اور اہل باطل کے حق میں یقیناً سدفرار ہے۔ جہاں اس سے گستاخانِ خدا اور سول کا حکم معلوم ہوتا ہے وہیں اعلیٰ حضرت کی عظمت وجلالت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

علماے حرمین شریفین نے اعلیٰ حضرت کو کیسے عظیم وجلیل فضائل اور تکریمی کلمات سے یاد فرمایا، کس شان سے آپ کی تعریف وتوصیف کی، کس طرح دعاؤں سے نوازا، اوران دشنامیوں کے حق میں کیا احکام صادر فرمائے، ان کے حق میں کیسے سخت ترین کلمات لکھے یہ جاننے کے لیے حسام الحرمین یا پھر ''خلاصۂ فوائد فتاویٰ'' کا مطالعہ کیا جائے۔ یہاں بہ طور نمونہ بعض تصدیقات کے صرف وہ حصے نقل کیے جاتے ہیں جو حکم سے متعلق ہیں:

شیخ الائمہ حضرت مولانا شیخ احمد ابوالخیر میر داد، مدرس وامام مسجد حرام شریف:

جو ان اقوال کا معتقد ہو جن کا حال اس رسالہ میں (یعنی خلاصۂ المعتمد المستند میں) مشرح لکھا ہے وہ بے شک کافر ہے۔ گم راہ گر ہے۔ دین سے نکل گیا جیسے تیر نشانے سے نکل جاتا ہے۔ تمام علماے اہل اسلام کے نزدیک جو ملت اسلام ومذہب اہل سنت وجماعت کی تائید کرنے والے اور اہل بدعت و ضلالت وحماقت کو چھوڑنے والے ہیں۔ (۵۲)

امام العلما، سابق مفتی حنفیہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال مکی، مدرس حرم شریف:

بے شک گم راہی کے وہ پیشوا جن کا نام آپ نے لیا ایسے ہی ہیں جیسا آپ نے کہا۔ اور آپ نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا سزاوار وقبول ہے۔ تو ان کا جو حال آپ نے بیان کیا اس پر وہ کافر اور دین سے باہر ہیں۔ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ لوگوں کو ان سے ڈرائے، اور ان سے نفرت دلائے، اور ہر مجلس میں ان کی تحقیر واجب ہے، اور ان کی پردہ دری امر درست ہے۔ (یہ تقریظ آخری محرم الحرام ۱۳۲۴ھ میں لکھی گئی) (۵۳)

فاضل ربانی حضرت مولانا عثمان داغستانی، سابق مفتی مدینہ منورہ:

دین سے نکلنے والوں میں مدعی نبوت غلام احمد قادیانی ہے اور شانِ الوہیت ورسالت کو گھٹانے والا قاسم نانوتوی، اور رشید احمد گنگوہی، اور خلیل احمد انبیٹھی اور اشرف علی تھانوی اور جو ان کی راہ چلا۔ اللہ تعالیٰ حضرت احمد رضا کو جزائے خیر عطا کرے، کہ اس نے شفا دی، اور کفایت کی اپنے فتوے سے جو کتاب ''المعتمد المستند'' میں لکھا۔ (۵۴)

غیظ المنافقین حضرت مولانا سید اسماعیل ابن سید خلیل مکی، محافظ کتب حرم:

یہ طائفہ جن کا تذکرہ سوال میں واقع ہے غلام احمد قادیانی اور رشید احمد اور جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبیٹھی اور اشرف علی تھانوی وغیرہ ان کے کفر میں کوئی شبہہ نہیں نہ شک کی مجال۔ بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے بلکہ کسی طرح کسی حال میں انھیں کافر کہنے میں توقف کرے اس کے کفر میں بھی

شبہہ نہیں۔(۵۵)

شیخ الدلائل عالم کبیر حضرت مولانا شیخ عبدالحق الٰہ آبادی مہاجر مکی:

آپ کی ذات گرامی دنیائے عرب و ہند میں محتاج تعارف نہیں۔آپ ہندوستان میں ضلع الٰہ آباد کے قصبہ نارہ کے باشندے تھے۔حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کے سب سے نامور خلیفہ تھے۔ آپ پر حاجی صاحب کو سب سے زیادہ اعتماد تھا۔کیوں کہ آپ علم و فضل میں اپنی نظیر آپ تھے۔آپ کے علم کے انوار مکہ معظّمہ میں چمک رہے تھے۔علم و فضل کی یہ شان تھی کہ آپ نے تفسیر مدارک التنزیل پر سات ضخیم جلدوں میں حاشیہ لکھا جو''تفسیر اکلیل'' کے نام سے موسوم ہے۔(۵۶)

آپ تقریظ میں لکھتے ہیں:''حمد وصلاۃ کے بعد میں اس شرف والے رسالہ پر مطلع ہوا۔اور وہ خوش نما تحریر اور زیبا تقریر جو اس میں مندرج ہے دیکھی تو میں نے اسے ایسا پایا کہ اس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں نہ غیر سے۔اور وہی ہے جسے کان جی لگا کر سنیں کہ اس کی خوبی اور فیض ظاہر ہے۔اس کے مؤلف علامہ، عالم جلیل، دریائے زخار، پُر گو، بسیار فضل، کثیر الاحسان، دلیر، بلند ہمت، ذہین، دانش مند، بحر نا پیدا کنار، شرف و عزت میں سبقت والے، صاحب ذکا، ستھرے، نہایت کرم والے، ہمارے مولیٰ، کثیر الفہم، حاجی احمد رضا نے کہ وہ جہاں ہو اللہ اس کا ہو۔اور ہر جگہ اس کے ساتھ لطف فرمائے۔اس تفصیل و تحقیق، ربط و ضبط و تدقیق میں راہِ صواب پائی۔انصاف و عدل کیا، اور رہ نمائی و ہدایت کی،تو واجب ہے کہ شبہہ کے وقت اسی تحقیق کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی پر اعتماد ہو۔''(۵۷) یہ تقریظ ۸/صفر المظفر ۱۳۲۴ھ میں لکھی گئی۔

غیر منقسم ہندوستان کے دو سو اڑسٹھ علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے بھی حسام الحرمین کی تصدیق کی اور اس میں بیان کردہ احکام شرعیہ سے کامل اتفاق کیا۔ان علمائے کرام کی تصدیقات کے مجموعہ کا نام ''الصوارم الہندیہ'' ہے۔جس کو مناظر اسلام شیر بیشۂ اہل سنت حضرت علامہ حشمت علی خاں پیلی بھیتی علیہ الرحمہ نے مرتب فرمایا۔

افسوس صد افسوس! علمائے مکہ معظّمہ نے فرمایا کہ یہ عبارات و نظریات صاف و صریح کفری اور گستاخانہ ہیں، علمائے مدینہ منورہ نے فتویٰ دیا کہ یہ عبارات موجب کفر و ارتداد ہیں، دو سو اڑسٹھ علمائے متحدہ ہندوستان نے حکم بیان فرمایا کہ یہ عبارات بارگاہِ خدا و رسول میں سخت ترین دشنام اور توہین ہیں۔ مولوی رشید احمد اور مولوی خلیل احمد کے استاذ حضرت مولانا محمد رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے براہین قاطعہ کی قابل اعتراض عبارات کی مذمت کی۔ان لوگوں کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا شیخ عبدالحق الٰہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت کے فتوے سے اتفاق فرمایا لیکن علمائے دیو بند کے کانوں پر جوں نہ رینگی، ان کے دلوں

سے شقاوت و قساوت کے غلاف نہ ہٹے، جھوٹی عزت نفس نے انھیں حق کی طرف نہ آنے دیا۔

یہاں تک کہ جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ میں جب تھانوی صاحب بریلی شریف آئے تو عبارات کفریہ سے متعلق کچھ عمائد مسلمین علمی سوالات ان کے پاس لے گئے۔سوالات دیکھ کر بہت سراسیمہ ہوئے اور صاف صاف کہہ دیا''میں مباحثہ کے واسطے نہیں آیا نہ مباحثہ چاہتا ہوں۔میں اس فن میں جاہل ہوں اور میرے اساتذہ بھی جاہل ہیں۔جو شخص تم سے دریافت کرے اسے ہدایت کرو۔طبیب کا کام نسخہ لکھ دینا ہے یہ نہیں کہ مریض کی گردن پر چھری رکھ دے کہ تو پی لے۔تم اپنی امت میں سب کو داخل کر لو میں جو کچھ کہہ چکا ہوں وہی کہوں گا۔مجھے معقول بھی کر دیجیے تو وہی کہے جاؤں گا۔مجھے معاف کیجیے آپ جیتے اور میں ہارا۔''(۵۸)

اس واقعہ کا ذکر بسط البنان کے پیش لفظ میں مولوی مقصود حسن نے بھی کیا ہے مگر اس کو''جواب جاہلاں باشد خموشی'' کا عنوان دیا ہے۔حالاں کہ تھانوی صاحب کے پاس جانے والے حضرات عمائد مسلمین تھے۔وہ لکھتے ہیں۔

''بلکہ ایک دفعہ جب بریلی میں ایسے اشتہارات کے جواب لکھنے پر اصرار کیا گیا تو انھوں نے یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیا کہ:''آپ جیتے ہم ہارے'' فی الواقع یہ بہت عمدہ جواب تھا جو دیا جا سکتا تھا۔کیوں کہ بزرگوں کا قول ہے: جوابِ جاہلاں باشد خموشی''(۵۹)

ان لوگوں کا حال اس ارشاد قرآنی کے عین مطابق ہے **واذ قیل لہ اتق اللہ اخذتہ العزۃ بالاثم فحسبہ جہنم** (پ۲ع۹) یعنی جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی، ایسے کو دوزخ کافی ہے''

علمائے دیوبند نے حسام الحرمین کی وقعت گھٹانے کے لیے طرح طرح کے الزامات تراشے اور جھوٹی باتیں گڑھیں لیکن علمائے اہل سنت نے ان کے الزامات واکاذیب کے دنداں شکن جوابات دیے اور بر سر عام ان کے مکر و فریب کا پردہ فاش کر دیا۔اسی طرح بسط البنان میں عباراتِ حفظ الایمان کے سلسلے میں فریب دینے کی جو کوشش کی گئی اور بعد کے دیوبندی علما مذکورہ عبارات مردودہ کی جو لایعنی اور غلط سلط تاویلات و توجیہات کرتے ہیں ہمارے علمائے کرام نے ان سب کے محققانہ جوابات لکھ کر ان کے مکر و فریب کو طشت از بام کر دیا۔چند کتابوں کے نام یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔**وقعات السنان، ادخال السنان** یہ دونوں کتابیں حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیں۔ان میں تھانوی صاحب کی بسط البنان کا مفصل رد ہے۔یہ دونوں کتابیں تھانوی صاحب کو بھیجی گئی تھیں لیکن کوئی جواب نہ دے سکے۔ **الموت الاحمر** یہ بھی آپ ہی کی تصنیف ہے۔نانوتوی، گنگوہی، انبیٹھی اور تھانوی کی تکفیر کے تعلق سے جو شبہات و اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں اس میں ان سب کا مدلل و مفصل جواب ہے۔

بہت ہی معرکۃ الآرا کتاب ہے۔اس میں اس اعتراض کا بھی شافی جواب ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اسماعیل دہلوی کے کثیر کفریاتِ گنانے کے باوجود تکفیر سے کف لسان کیوں فرمایا؟

التحقیقات لدفع التلبیسات: حضور صدر الافاضل علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیف ہے۔ اس میں ان مکاریوں کا پردہ فاش کیا گیا ہے جو علمائے دیوبند نے اپنی کتاب ''المہند'' میں کی ہیں۔

رادّ المہند: حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔اس کا موضوع بھی ''المہند'' کا رد ہے۔

ردّ شہاب ثاقب: حضرت اجمل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔اس میں بڑی تفصیل سے مولانا حسین احمد ٹانڈوی کی ''شہاب ثاقب'' کا رد کیا گیا ہے۔عمدہ کتاب ہے۔نایاب تھی۔زمانۂ قریب ہی میں رضا اکیڈمی نے شایع کی ہے۔دہلی کے سنی مکتبوں سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ: حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ یہ دیوبندی مناظر مولوی منظور سنبھلی کی کتاب ''فیصلہ کن مناظرہ'' کا جواب ہے۔ تمام کفری عبارات پر مفصل و مدلل بحث کی گئی ہے۔فتوائے کفر پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں اور ان عبارات کی جو لایعنی اور باطل تاویلات کی جاتی ہیں اس کتاب میں سب کا محققانہ جواب دیا گیا ہے۔ بلاشبہہ اس موضوع پر بہت ہی مفید و گراں قدر کتاب ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے صدقہ میں ہمیں صراطِ مستقیم پر گام زن رکھے۔ایمان کے رہ زنوں کے مکر وفریب سے بچائے۔حق کہنے،حق سننے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔آمین یا رب العالمین. **اللھم صل وسلم وبارک علیٰ حبیبک الامی الامین، وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین. برحمتک یا ارحم الراحمین.**

حوالہ جات

(۱) سوانح اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ بدرالدین علیہ الرحمہ، ص
(۲) المعتقد المنتقد مع المعتمد المستند، ص ۲۳۱، رضا اکیڈمی ممبئی، طبع ثانی ۱۴۲۲ھ
(۳) فتاویٰ رضویہ، ج دوم، ص ۳۳۵، مکتبہ نعیمیہ محلّہ دیپا سرائے سنبھل، مراد آباد
(۴) ملفوظ مصابیح القلوب، جناب حکیم ظہیر السجاد، ص ۲۷، مکتبہ صمدیہ آستانہ عالیہ صمدیہ، پھپھوند شریف ضلع اوریّا، یوپی
(۵) ملفوظ مصابیح القلوب، ص ۳۳
(۶) مولانا نقی علی بریلوی، حضرت مولانا شہاب الدین رضوی، ص ۵۸، اشاعت ۱۹۹۵ء رضا اکیڈمی ممبئی
(۷) تحذیر الناس، مولانا محمد قاسم نانوتوی، ص ۴۔۵، دارالکتاب دیوبند
(۸) حوالہ سابق، ص ۲۲ (۹) حوالہ سابق، ص ۴۳
(۱۰) سوانح اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ بدرالدین احمد علیہ الرحمہ، ص ۲۲۵ تا ۲۲۷، اشاعت ۱۳۹۳ھ طبع پنجم، ناشر

گلشن رضا، احمد نگر، بکارو اسٹیل سٹی، دھن باد، بہار
(۱۱) دعوت فکر، مولانا محمد منشا تابش قصوری، ص ۱۳، مطبوعہ رضوی کتاب گھر بھیونڈی مہاراشٹر
(۱۲) دعوت فکر، ص ۱۳، بہ حوالہ کتاب: مولانا محمد احسن نانوتوی، پروفیسر محمد ایوب قادری، ص ۹۴، مکتبہ عثمانیہ کراچی
(۱۳) سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۲۳۰، بہ حوالہ افاضاتِ یومیہ، ج ۴، ص ۵۸۰
(۱۴) سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ، حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ، ص ۹۷، بہ حوالہ رسالہ خاتم النبیین، ص ۳۸، مولوی انور شاہ کشمیری
(۱۵) المہند، خلیل احمد انبیٹھی، ص ۲۱، ۲۲، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند، ص ۲۶۱
(۱۶) ارواح ثلاثہ، مرتبہ مولانا ظہور الحسن کسولوی سابق مدرس مظاہر العلوم سہارن پور، ص ۲۶۱، ناشر مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون
(۱۷) ظفر المحصلین باحوال المصنّفین، فاضل دیوبند محمد حنیف گنگوہی، ص ۲۹۲ ناشر حنیف بک ڈپو، دیوبند ضلع سہارن پور یوپی
(۱۸) جلالین شریف، اول، علامہ جلال الدین سیوطی، ص ۸۴، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی
(۱۹) جلالین شریف اول کا حاشیہ نمبر ۱۷، ص ۸۴
(۲۰) ردّ شہاب ثاقب، حضرت علامہ محمد اجمل شاہ صاحب علیہ الرحمہ، ص ۲۴۸، ۲۴۹۔ رضا اکیڈمی ممبئی و سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ، ص ۱۳۲
(۲۱) تمہید ایمان، امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ، ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ مشرق، کانکر ٹولہ بریلی شریف
(۲۲) ردّ شہاب ثاقب، ص ۲۴۸ (۲۳) تمہید ایمان، ص ۷۷
(۲۴) سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۲۳۲
(۲۵) براہین قاطعہ، مولانا خلیل احمد انبیٹھی، ص ۱۲۲، مطبوعہ دارالکتاب دیوبند
(۲۶) حوالہ سابق، ص ۵۳۷
(۲۷) یہ تفصیل ''تقدیس الوکیل'' کے سرورق اور ص ۹ تا ۱۱ سے ماخوذ ہے۔
(۲۸) حوالہ سابق، ص ۲۸ (۲۹) حوالہ سابق، ۸۵
(۳۰) بزم خیر از زید در جواب بزم جمشید، حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی دہلوی، ص ۲۸، مطبوعہ شاہ ابوالخیر اکاڈمی درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر، شاہ ابوالخیر مارگ دہلی ۶ طبع، دوم ۱۴۰۲ھ
(۳۱) تقدیس الوکیل، ص ۳۰۷ (۳۲) حوالہ سابق، ص ۳۰۹
(۳۳) حفظ الایمان، مولانا اشرف علی تھانوی، ص ۱۴، مطبوعہ پبلشنگ ہاؤس دیوبند
(۳۴) بزم خیر از زید، ص ۳۷ (۳۵) حوالہ سابق، ص ۳۲
(۳۶) حوالہ سابق، ص ۴۰ (۳۷) المہند، ص ۲۹، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند
(۳۸) بسط البنان مع حفظ الایمان، مولانا اشرف علی تھانوی، ص ۲۳، پبلشنگ ہاؤس دیوبند
(۳۹) بزم خیر از زید، ص ۴۱ (۴۰) حوالہ سابق، ص ۸۳

(۴۱) رشد العذاب، مولانا مرتضٰی حسن دیوبندی، ص۹

(۴۲) حوالہ سابق، ص۹ (۴۳) حوالہ سابق، ص۱۳

(۴۴) فیصلہ کن مناظرہ، مولانا منظور نعمانی سنبھلی، ص۱۷، سن اشاعت ۱۹۹۹ء مطبوعہ الفرقان بک ڈپو، نظیر آباد لکھنؤ

(۴۵) تذکرۃ الرشید، مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ج۲، ص۳۴۱، اس میں براہین قاطعہ کو گنگوہی صاحب کی تصنیفات میں گنایا ہے اور لکھا ہے کہ: ’’ردّ بدعات و تحقیق سنت میں وہ لاثانی کتاب ہے جس کو حضرت کے کمالات عملیہ و علمیہ کا مظہر کہیں تو بجا ہے۔‘‘

(۴۶) حسام الحرمین مع تمہید ایمان و فوائد خلاصۂ فتاویٰ، ص۹۲، مطبوعہ رضوی کتب خانہ صندل خاں بازار، بریلی شریف، ص۱۰، مطبوعہ رضوی کتاب گھر

(۴۷) حسام الحرمین، رضوی کتب خانہ صندل خاں بازار بریلی شریف، ص۱۱، اور رضوی کتاب گھر دہلی، ص۲۱

(۴۸) حدوث الفتن و جہاد اعیان السنن، علامہ محمد احمد مصباحی مبارک پور، ص۱۷۷، یہ کتاب اس ’’المعتقد المنتقد مع المعتمد المستند‘‘ کے آخر میں ہے۔ جو رضا اکیڈمی ممبئی نے دوسری بار شایع کی ہے۔

(۴۹) مستفاد، از الملفوظ دوم، ص۴۴، ۴۶، ۴۸، ۴۹، کتب خانہ صندل خاں بازار بریلی شریف

(۵۰) یہ معلومات خلاصہ کی تمہید سے ماخوذ ہیں۔ جو کتب خانہ صندل خاں بازار بریلی شریف کی مطبوعہ حسام الحرمین مع تمہید ایمان کے ص۵۰ پر ہے۔

(۵۱) تمہید ایمان ص ۴۶، مطبوعہ صندل خاں بازار بریلی شریف و صفحہ آخر مطبوعہ مکتبہ مشرق بریلی و مطبوعہ رضوی کتاب گھر دہلی

(۵۲) حسام الحرمین، ص۲۴ مطبوعہ رضوی کتاب گھر دہلی، سن اشاعت ۱۹۹۷ء

(۵۳) حوالہ سابق، ص۲۵ (۵۴) حوالہ سابق، ص۵۸

(۵۵) حوالہ سابق، ص۲۹

(۵۶) سوانح اعلیٰ حضرت، ص۲۹۹ و پیش لفظ ’’الصوارم الہندیہ‘‘ از علامہ اختر شاہ جہان پوری، ص۳۳، مطبوعہ مکتبہ الجمال، جمال نگر باجوڑی ٹولہ، رام پور و ’’سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ‘‘ ص۲۰

(۵۷) حسام الحرمین، ص۲۷، ۲۸، مطبوعہ رضوی کتاب گھر دہلی

(۵۸) وقعات السنان، سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ، ص۶۷، طبع دوم مطبوعہ شاہدی کتب خانہ متصل لال مسجد، محلّہ ملوک پور، بریلی شریف و تمہید ایمان، ص۸۷، مکتبہ مشرق بریلی شریف

(۵۹) پیش لفظ بسط البنان، از مولانا مقصود حسن، ص۱۸

☆☆☆

حضرت مفتی اعظم ہند

بہ حیثیت شیخ طریقت

حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی

وقت کی نابغۂ روزگار شخصیت اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ معتقدین کے جھرمٹ میں جلوہ افروز ہے کہ اچانک کسی نے ان کے نومولود ننھے منے بچے کو ان کی گود میں دے کر عرض کیا: ’’حضور! اپنے اس نونہال کے حق میں دعائے خیر فرمادیں۔‘‘ بچے کی کومل صورت پر نظر پڑتے ہی باپ کی نگاہ عاطفت میں محبت و پیار کی ہزاروں جوت جگ مگا اٹھیں، اور سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے بچے کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ حاضرین دیکھ رہے تھے کہ قطرہ سمندر میں ضم اور سمندر قطرے میں سمٹا جارہا ہے۔ باپ کی نگاہ کہاں تھی معلوم نہیں لیکن زبان سے جاری ہونے والے کلمات واضح طور پر لوگوں کی سماعت کو فیض بخش رہے تھے ’’میرا یہ بچہ مادرزاد ولی اور علم رسالت پناہ کا سمندر ہے۔‘‘

سامعین کو کیا معلوم کہ باپ کا یہ جملہ شفقت پدری کے جذبۂ صادق کی ترجمانی ہے یا لوح محفوظ کے مشاہدہ کا نتیجہ، الفاظ ہوا کہ دوش پر مچل کر فضا میں تحلیل ہوگئے لیکن ان کے معانی لوگوں کے خزانۂ خیال میں محفوظ ہوگئے۔ حال ماضی میں بدل گیا اور مستقبل سامنے آتے گئے رفتہ رفتہ بچے کے سمائے فراست پر بزرگی کے آثار ظاہر ہوتے گئے، تاآں کہ ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ والد گرامی کی بشارت کا ایک ایک لفظ حق و صداقت کا پیکر بن کر دنیا کے سامنے آگیا، یہ بچہ کون تھا؟ یہ بچہ وقت کے غوث العالم سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند (مولانا محمد مصطفیٰ رضا نوری) اور باپ مملکت اہل سنت کی راجدھانی کے تخت نشیں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان تھے۔

تاریخ و حالات پر مشتمل کتابیں گواہ ہیں کہ تاج دار اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت اپنے پیر و مرشد کے میکدہ گنج اولیا مارہرہ مطہرہ میں حاضر تھے۔ رات کا تین چوتھائی حصہ گزر چکا تھا۔ ساری کائنات محو استراحت تھی۔ امام احمد رضا آخر شب کی لذت سے ہم کنار ہونے کے لیے اپنے معمول کے مطابق مسجد کی طرف بڑھ رہے تھے، اسے اتفاق بلکہ حسن اتفاق کہیے کہ راہ میں قطب ربانی حضرت شیخ ابوالحسین نوری میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی۔ جو خود بھی اپنی ہزار شان بندگی کے ساتھ مسجد کی جانب جارہے تھے۔

دو پارۂ نور کے تصادم نگاہی نے تیسرے نور کے جنم کا ایک دوسرے کو پیغام دیا۔ یعنی ہر ایک نے

آنکھوں آنکھوں اپنے اپنے رویاے صادقہ کی سرگزشت بیان فرمائی، اس عطر النورین کا حاصل یہ تھا کہ امام احمد رضا کے دولت سرائے اقبال میں ایک چاند سے بچے کا تولد ہوا ہے۔ ولی کی بات ولی جانے لیکن حاضرین نے دیکھا کہ نماز فجر کے بعد قطب ربانی حضرت شیخ نوری میاں صاحب نے وہیں اسی حال میں اس نوزائیدہ بچے کی بیعت لی اور غائبانہ طور پر خلعت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔

کیا حضرت نوری میاں صاحب حال کے جھروکے سے مستقبل کو جھانک رہے تھے؟ گو یہ بات اس وقت صیغۂ راز میں رہی لیکن آنے والے حالات و واقعات نے اس راز کو راز رہنے نہیں دیا۔ اور پھر اسی دن بعد نماز عصر مجلس خاص میں حاضرین کے سامنے خواب کے جزئیات بیان کیے گئے اور آپ کا نام ''آل رحمٰن'' تجویز کیا گیا۔

دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینے میں بدلتے گئے تا آں کہ جب ماہ تاب چھٹی بار ہلال کی صورت میں نمودار ہوا تو قطب ربانی حضرت شیخ نوری میاں صاحب نے بہ نفس نفیس بریلی شریف تشریف لاکر بیعت و خلافت کے مراسم کی تجدید فرمائی۔

باب اجابت کو چومنے والی پیشین گوئی پر مشتمل پدر بزرگوار کی دعا اور ہزاروں میں خام کو کندن بنانے والی پیرو مرشد کی نگاہ نے عہد طفلی ہی میں بچے کو بسطامی شمائل اور جنیدی خصائل کا جامع بنا دیا۔

لیل و نہار اپنے نازک خرامی سے آگے بڑھتے گئے اور لوگوں کی بھیڑ تیزی سے قریب آتی گئی۔

اور پھر زمانہ کی آنکھوں نے دیکھا کہ آپ کی ذات مصدر الحسنات، منبع الفیضان اور مرجع الخلایق ہوگئی۔

آپ کی ذات سنت نبویہ کی سمٹی ہوئی کتاب اور آپ کی زندگی اس کی پھیلی ہوئی شرح بن گئی۔ آپ کا قول وقرار، رفتار و گفتار اور لیل و نہار قوم مسلم کے لیے مینارۂ رشد و ہدایت، اور آپ سے حسن عقیدت، دین وایمان کی علامت ہوگئی۔ اور پھر جب ذکر و فکر، صبر و شکر، عشق و عرفان، ضبط و تحمل، ایثار و توکل، تسلیم ورضا، خدمت و طاعت، عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ، عجز و انکسار اور صدق و صفا آپ کی زیست کی خمیر بن گئی تو آپ مقام غوثیت سے مقام محبوبیت پر فائز کر دیے گئے۔ دنیا کے مقتدر علماے کرام اور ذی وجاہت مشائخ عظام آپ کے جلوہ کے گرد پروانہ وار نثار ہونے لگے، آنکھیں تھیں جو آپ کے دیدار سے سیر نہیں ہو پاتیں۔ قلوب تھے جو آپ کی عقیدت سے شکیب آشنا نہیں ہو پاتے۔ زائرین کا حال یہ ہوتا کہ اسے جلوۂ جاناناں دل دیتا ہوں نذرانہ کہہ کر قدموں سے لپٹ جاتے۔

خیالوں کی دنیا میں آؤ اور سوچو کہ وہ منظر کتنا دیدہ زیب اور نظر نواز ہوگا جب کوئی ہستی رشد وہدایت کا منبع اور علم و آگہی کا پیکر بن کر پھولوں کے مالاؤں سے سج دھج کر ابو حنیفہ کا علم، عراقی کا تصوف، بایزیدی کا کردار اور جنید کا گفتار لوگوں میں بانٹ رہی ہوگی۔ اور علما، صلحا، مشائخ، اساتذہ، طلبا اور عوام اپنی اپنی بساط بھر لوٹ رہے ہوں گے۔ یہ کوئی عالم خیال کی منظر کشی نہیں بلکہ مفتی اعظم ہند کی بارگاہ کے روز

وشب ہیں۔ یہ کسی عالم خواب کی عکاسی نہیں بلکہ حضور مفتی اعظم ہند کی سرکار کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔

شیخ کامل کی تلاش و جستجو نے جب حضرت مخدوم بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان کو بے چین کر دیا تو مخدوم نے ہندوستان کے متعدد اولوالعزم مشائخ کرام کی بارگاہ تک سفر کیا۔ یہاں تک کہ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے آستانہ تک حاضری دی جہاں سے ہزاروں دردمندوں نے اپنا درماں حاصل کیا، لیکن مخدوم کا دل تھا کہ یہاں بھی سکون پذیر نہیں ہوا۔ سید المجاذب حضرت بوعلی شاہ قلندر کی پُر جلال چوکھٹ تک پہنچ گئے، لیکن یہ کہہ کر واپس لوٹ آئے کہ ''مردیست وے مغلوب الحال'' اور جب حضرت نجیب الدین فردوسی کی خانقاہ میں حاضر ہوئے تو جلوۂ زیبا دیکھتے ہی پسینہ پسینہ ہوگئے اور سارا جسم تھر تھر کانپ اٹھا۔ اور پھر حضرت نجیب الدین فردوسی علیہ الرحمہ کے فرمان پر کہ ''اے درویش! آ تمھارے زخمی دل کا علاج یہاں ہے'' ہاتھ بڑھا کر بیعت کر لی۔ یہ واقعہ ماضی کے اس حصہ کا ہے جسے ہم تاریخ کے اوراق سے معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہو بہو حال مشاہدہ کرنا ہو تو بارگاہ مفتی اعظم ہند میں آکر آپ روزانہ بے شمار ایسے حالات بہ چشم خود دیکھ سکتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک شیخ کامل کی واضح علامت ہے۔

ایک شیخ کامل کی یہ اولین شرط ہے کہ وہ راہ سلوک طے کرنے میں ہو اور شریعت پر اسی طرح سوار ہو کہ طبعی طور پر ہر ادا موافق شرع اور ہر قول دین کا آئینہ دار ہو۔ ان کی نشست و برخاست میں، قول وگفتار میں، عمل و کردار میں اسلام کی جھلکیاں نمایاں ہوں۔ اپنے ہم عصر مشائخ میں یہ اوصاف کامل طور پر صرف اور صرف سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم (علامہ محمد مصطفٰی رضا نوری بریلوی) میں اس طرح سمٹ کر آگئے تھے کہ گمان ہوتا کہ یہ انسان نہیں دھرتی کا فرشتہ ہے۔ غوث العالم کا جلال، خواجہ پیا کا جمال، بسطامی کا کمال، محبوب الٰہی کا نوال یک جا طور پر حضرت کی ذات میں محسوس کیا جاتا تھا۔ بارگاہ میں حاضری دینے والا آپ کو ہر رنگ میں مشاہدہ کرتا، کبھی ہیبت ولایت کا یہ حال ہوتا کہ وقت کے بڑے بڑے فضلا بارگاہ میں سر تسلیم خم کیے نظر آتے کسی میں جرأت نہیں ہوتی کہ لا و نعم کے سوا کچھ عرض کرتے۔ اور کبھی شان محبوبیت کا یہ حال ہوتا کہ امیر و غریب، نادار و بے کس علما اور عوام اپنی اپنی حاجت پیش کرتے اور آپ نہایت ہی شفقت کے ساتھ سماعت فرما کر اس کا مداوا کر دیتے۔

بالعموم آپ اس پر سکون جھیل کی طرح خاموش رہے جس کی سطح پر کنول کے پھول مسکرا رہے ہیں لیکن جب کوئی الجھا ہوا شرعی معاملہ درپیش آتا تو آپ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح لہرا اٹھتے اور اپنی اجتہاد سے مسئلہ کی تعریف و تشریح اور اس کے نظائر و امثال، براہین و استدلال اس طور پر بیان فرماتے کہ علماے دہر حیران و ششدر رہ جاتے۔ یہ کیفیت ولایت اور جلالت علم کا حال ہر جگہ اور ہر مقام پر یکساں ہوتا، سفر میں ہوں یا حضر میں، دولت کدہ پر ہوں یا باہر، یہی وجہ تھی کہ آپ جہاں کہیں بھی تشریف فرما ہوتے پلک زدن میں علما، عوام، اغنیا، فقرا کا میلہ لگ جاتا۔ آپ شمع ہوتے اور کائنات

پروانے۔ آپ پھول ہوتے اور خلقت عندلیب، آپ بدرِ کامل ہوتے اور لوگ پیاسی دھرتی، یقیناً یہ محبوبیت کی آیت بینہ تھی۔ اس عزیمت وتقویٰ کے عامل اور رخصت واجازت کے حاکم کی عجب نرالی شان تھی۔ جب کبھی ان کے متعلق سوچا گیا تو فیصلہ کرنا دشوار ہوگیا کہ آپ میں اخلاق وآداب کا غلبہ ہے یا وجدان وحسبان کا غلبہ ہے، فقہ وکلام کا زور ہے یا ملکہ واستحضار کا زور ہے، علم کے جبہ ودستار کو فضیلت ہے یا ردائے درویشی کو رفعت ہے جس کی طرف نگاہ اٹھی اس کی قسمت کا ستارا اوج ثریا پر نظر آنے لگا اور جدھر سے نگاہ پھیر لی اس کا بیڑا غرق ہوگیا، یقیناً یہ تصرف فی الامور کی آیات طاہرہ تھیں۔

بارہا لوگوں کی نگاہوں نے حیرت سے یہ منظر دیکھا ہے کہ پژمردہ کلیوں کا کوئی ہار آپ کے گلے میں ڈالا گیا۔ کمھلائے ہوئے پھولوں کا ہار زیب گلو ہوتے ہی پژمردگی شگفتگی میں بدل گئی، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ملہار راگ سے پھولوں میں جان پڑ گئی۔ عرس رضوی کا یہ حیرت انگیز منظر ہزاروں آنکھوں میں آج تک محفوظ ہوگا کہ جب آپ ڈائس پر تشریف رکھتے تو آپ کا مصحف رخ لمعات انوار کا ایسا مظہر بن کر رہ جاتا کہ لوگوں کی نگاہ اس پر ٹھہر نہیں پاتی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے جنت کی رعنائیاں ان کے کتابی چہرے پر نثار ہو رہی ہیں۔ یقیناً یہ حالت درجہ محبوبیت کی کھلی نشانی تھی۔

عام طور پر مشائخ کا یہ حال ہے کہ اپنا وطن جہاں ان کے شب وروز، صبح وشام، بچپن اور جوانی گزری ہوتی ہے وہاں کے لوگوں کی نگاہ میں ان کا کوئی خصوصی مقام نہیں ہوتا ہے لیکن اس عام ضابطہ سے حضور مفتی اعظم کی ذات مستثنیٰ تھی۔ آپ دور دراز علاقوں میں جس طرح جانے پہچانے جاتے اسی طرح اپنے وطن کے رہنے والوں کے دلوں پر بھی راج کرتے۔ بریلی شریف کا وہ کون سا دل ہے جس پر غوث العالم سیدنا حضور مفتی اعظم کا سکہ نہیں چل رہا ہے۔ وہ کون سی نگاہ ہے جس میں ان کے دیدار پُر جمال کا عکس نظر نہیں آتا۔ دل دھڑکتا ہے تو آپ کی یاد میں۔ آنکھیں ترستی ہیں تو آپ کی دید کے لیے۔ یقیناً یہ شان محبوبیت کی اعلیٰ نشانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص خانقاہوں کے مشائخ زمانہ کی زیارت اور مشاہد یگانہ کی برکت حاصل کرنے کی غرض سے ہندوستان کے طول وعرض کی سیر کرتے ہوئے آپ کے حدود تجلیات میں داخل ہوتا تو بے ساختہ پکار اٹھتا:

آفاقہا گر دیدہ ام   مہر تباں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام   لیکن تو چیزے دیگری

آخر میں اس شعر پر کلام کا اختتام کر کے رخصت ہو رہا ہوں:

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور مے خانہ

☆☆☆

امام احمد رضا اور علامہ عبدالحکیم شرف قادری

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری، لاہور

جناب ڈاکٹر ممتاز سدیدی ازہری، علامہ عبدالحکیم شرف قادری کے لایق وفایق فرزند ہیں۔ صالح مزاج ہیں۔ ملن سار ہیں۔ اخلاق وکردار کے جوہر سے آراستہ ہیں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی پر جامعۃ الازہر مصر سے بہ عنوان الشیخ احمد رضا خان البریلوی الھندی، شاعراً عربیاً ایم۔ فل کیا، پھر مزید ذوق تحقیق بڑھا، والد ماجد نے رہ نمائی کی اور برصغیر کی عظیم شخصیت علامہ فضل حق خیرآبادی (م ۱۲/صفر ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) پر ازہر سے ہی پی ایچ ڈی کیا، کئی ایک کتابوں کے مصنف اور مترجم ہیں، اعلیٰ حضرت کے رسائل کو عربی میں منتقل کر رہے ہیں۔ راقم نے گزارش کی کہ سفیر رضویات علامہ عبدالحکیم شرف قادری کی خدمات پر ایک مقالہ لکھ بھیجیں، عرض قبول ہوئی اور موصوف نے یہ مشاہداتی تحریر ارسال کی جس میں علامہ شرف کی ہمہ وصف شخصیت کے خط وخال واضح ہوتے ہیں۔ ہم اس عنایت پر ڈاکٹر سدیدی کے ممنون ہیں۔ علامہ شرف قادری رضا اکیڈمی کی خدمات سے متاثر تھے، جس کا اظہار کئی تحریروں میں فرمایا، راقم کے نام خط میں بھی رضا اکیڈمی کی خدمات اور الحاج محمد سعید نوری صاحب کی کد وکاوش کو سراہا۔ (مرتب)

ہمارے ایک فاضل دوست نے شیخ اکبر شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کی ایک کتاب کا ترجمہ کیا تو والد گرامی شرفِ ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ سے مقدمہ کے لیے درخواست کی، چند دنوں بعد میں نے انھیں حضرت والد گرامی کا لکھا ہوا مقدمہ پہنچایا تو انھوں نے مقدمہ پڑھنے کے بعد حوصلہ افزائی کے کلمات پر خوشی کا اظہار کیا اور پھر وہ مقدمہ میں امامِ اہلِ سنت سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے ذکر خیر اور شیخ اکبر کے متعلق آپ کے کلمات پڑھ کر مسکراتے ہوئے کہنے لگے: ’’حضرت شرف صاحب کو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سے ایسی بے پناہ محبت ہے کہ اگر اُن سے کھانے پکانے کی ترکیبوں پر مشتمل کسی کتاب پر مقدمہ لکھوایا جائے تو وہ اُس میں بھی کسی نہ کسی حوالے سے اعلیٰ

حضرت بریلوی کا تذکرہ فرمادیں گے۔'' اور پھر وہ کہنے لگے: ''ایسا ہونا بھی چاہیے کیوں کہ اغیار نے اپنے نام نہاد علما کے نام اور اُن کے چھوٹے چھوٹے کام بڑھا چڑھا کر بیان کر کے غلط بنیادوں پر نہ صرف لوگوں کی ذھن سازی کی ہے، بلکہ انتہائی دیدہ دلیری اور مہارت سے تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔''

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو سیدی اعلیٰ حضرت سے ایسی والہانہ محبت تھی کہ وہ فکر سیدی اعلیٰ حضرت پر کار بند تمام علما اور مشائخ کو محبت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، خواہ وہ کسی سلسلۂ طریقت سے تعلق رکھتے ہوں۔ اور کسی بھی سنّی عالم کے شاگرد ہوں اُن کے سامنے کبھی کسی نے فکر اعلیٰ حضرت پر کار بند کسی عالم کے بارے میں لب کشائی کی کوشش کی تو اُنھوں نے اُسے منع کر دیا، وہ اِس سلسلے میں کسی قسم کی رُو رعایت کے قائل نہیں تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں اُن کے سامنے رضویات کے ناشر ایک رسالے کے بارے میں کہہ بیٹھا: ''اس رسالے کا کوئی ادبی معیار نہیں ہے۔'' تو حضرت والد صاحب نے مجھے ڈانٹ دیا، اس ڈانٹ کا مفہوم مجھے اُس وقت تو سمجھ نہ آیا مگر ان کے وصال کے بعد دیگر کئی حقایق کے ساتھ منکشف ہوا، ایک مرتبہ میں ان کے سامنے کہہ بیٹھا: ''فلاں صاحب کے بارے میں کسی نے یہ کہا تھا۔'' تب انھوں نے فرمایا: ''ایسی بات نہیں کہتے۔'' میں نے گزارش کی: ''میں تو کسی کی بات نقل کر رہا ہوں۔'' فرمانے لگے: ''ایسی بات کو نقل کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔''

ایک مرتبہ مجھے فرمانے لگے: ''سیدی اعلیٰ حضرت، علامہ فضل حق خیر آبادی اور علما و مشائخ اہل سنت سے محبت اللہ تبارک وتعالیٰ اور اُس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا کے لیے ہی ہے نا؟ کسی خونی رشتے اور دنیاوی منفعت کے لیے تو نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اہل بیت عظام اور صحابۂ کرام، علماے دین اور اولیاے صالحین کی محبت پر مشتمل مسلک اعلیٰ حضرت سے وابستہ ہر عالم میرے لیے قابلِ احترام ہے خواہ وہ کسی بھی پیر کا مرید اور کسی بھی عالم کا شاگرد ہو، تذکرۂ اکابر اہل سنت، نور نور چہرے اور عظمتوں کے پاسبان تینوں کتابوں میں اہل سنت و جماعت کے راستے پر گام زن علما و مشائخ کے تذکرے کسی تفریق کے بغیر نظر آئیں گے، یہی بات مختلف کتابوں کے انتساب میں بھی دیکھنے کو ملے گی۔''

اُن کی شدید خواہش تھی کہ عربی زبان میں اہل سنت کے علما و مشائخ کا تذکرہ مرتب کر کے بیروت سے شایع کروایا جائے، اِس سلسلے میں انھوں نے مجھے بھی بار ہا تاکید بھی فرمائی مگر میں شدید خواہش کے باوجود ابھی تک اس کام کا آغاز نہیں کر سکا، میں نے حضرت والد گرامی کی تصنیف لطیف ''اندھیرے سے اجالے تک'' کا ترجمہ شروع کر رکھا ہے ان شاء اللہ اِس سے فراغت کے بعد عربی میں علما و مشائخ اہل سنت کے تذکرے کا بھی آغاز کروں گا۔

جامعۃ الازھر میں تحقیق اور تھنیت:

حضرت والد گرامی کی ایک خاص دعا کی برکت سے مجھ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہوا کہ اُس بے نیاز اور کریم مالک نے مجھے الازھر یونی ورسٹی قاھرہ میں تعلیم حاصل کرنے اور پھر اپنے ایک مقبول بندے حسان الہند سیدی اعلیٰ حضرت کی عربی شاعری پر ایم اے (عربی زبان وادب) کا مقالہ لکھنے کی سعادت عطا فرمائی جو زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے، اِس کے علاوہ علامہ فضل حق خیر آبادی کی عربی شاعری پر پی ایچ ڈی (عربی زبان وادب) کا مقالہ لکھنے کا اعزاز حاصل ہوا، یہ مقالہ ابھی منتظر اشاعت ہے، حضرت والد گرامی رحمہ اللہ ۱۶ر فروری ۲۰۰۴ کو پی ایچ ڈی (عربی زبان وادب) کے لیے پیش کیے گئے مقالہ کے وائیوا کی کارروائی سننے اور دیکھنے کے لیے قاہرہ تشریف لائے تو وائیوا کے بعد اُن کی خوشی دیدنی تھی اس موقع پر اُنھوں نے اپنے جذبات کو الفاظ کا پیرھن یوں پہنایا:

''**الحمد للّٰہ حمد الشاکرین، والصلاۃ والسلام علی افضل الأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ أجمعین. اما بعد**

میرے لیے یہ لمحہ کتنی مسرت اور شادمانی کا ہے کہ میرے عزیز از جان بیٹے ممتاز احمد سدیدی حفظہ اللہ تعالیٰ عالم اسلام کی عظیم ترین یونی ورسٹی مینارۂ علم ونور جامعہ ازھر شریف سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے میں کام یاب ہو رہے ہیں۔ اِس موقع پر رب کریم کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے، اگر ہر بُنِ مو زبان بن جائے اور شب و روز کے ہر لمحے میں رب عظیم وجلیل کی بارگاہ میں ہدیۂ سپاس پیش کرے تو اُس کریم کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ راقم نے عملی میدان میں قدم رکھنے کے بعد دو شخصیات پر خاص کام کیا:

(۱) امام اہل سنت امام احمد رضا خاں بریلوی

(۲) بطلِ حریت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہما اللہ تعالیٰ

قرۃ العیون اور راحتِ جاں ممتاز احمد سدیدی نے اِن دونوں حضرات پر مقالہ لکھ کر انھیں بین الاقوامی سطح پر متعارف کروانے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے، یاد رہے کہ پاک و ہند کے جانب دار مؤرخین نے دانستہ ان حضرات کو نظر انداز کیا اور اگر کہیں ان کا ذکر کیا بھی تو سوچے سمجھے پروگرام کے تحت اِن کی شخصیت کو مجروح کرنے سے گریز نہیں کیا، لیکن حق کو زیادہ دیر تک چھپایا نہیں جا سکتا، اللہ تعالیٰ نے اِنہیں بین الاقوامی پلیٹ فارم پر اِس طرح متعارف کروایا کہ ان کا شہرہ دور دور تک پہنچا۔ **فالحمد للہ رب العالمین اولا وآخرا.**''

ایمان افروز وصیت:

حضرت والد گرامی نے راقم الحروف کو وصیت میں بھی اِس حوالے سے تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

''فقیر کے پروگرام کو اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے بارے میں

آپ نے آگے بڑھایا اور قابل قدر حد تک آگے بڑھایا، مولائے کریم قبول فرمائے، اِس کے بعد حدیث، تفسیر اور تذکرۂ علما کے سلسلے میں کام کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔''

اس طرح اُنھوں نے میرے دل میں بھی امام اہلِ سنت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی وہ محبت نہایت خوش اُسلوبی سے منتقل فرمادی جو خود اُن کے اپنے دل میں فروزاں تھی۔ ایک مرتبہ مجھے فرمانے لگے:

''علمی دنیا میں مجھ سے کہیں بڑی شخصیات موجود ہیں مجھے جو عزت، شہرت اور محبت ملی ہے سب اعلیٰ حضرت کی بدولت ملی ہے۔''

اسانید حدیث اور نسبت رضا:

حضرت شرفِ ملت سے بعض عرب علما نے اجازتِ حدیث طلب کی تو انھوں نے ہندوستان اور پاکستان کے جید علما سے اجازتِ حدیث حاصل کی، بلکہ عرب علما سے بھی اجازات حاصل کیں پھر علمائے عرب وعجم کی ان اجازات کو **الجواهر الغالية من الأسانيد العاليه** کے نام سے مرتب فرمایا، اِس مجموعے میں شامل کثیر اسانید پاک و ہند کے مختلف علما و مشائخ کے ذریعے سیدی اعلیٰ حضرت تک پہنچتی ہیں، جب کہ علم و فضل اور تقویٰ کے پیکر مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ کے ذریعے آپ کی سند حدیث فقط ایک واسطے سے سیدی اعلیٰ حضرت تک پہنچتی ہے، علاوہ ازیں برصغیر کے دیگر علما و مشائخ کے ذریعے بھی یہ سندیں سیدی اعلیٰ حضرت تک پہنچتی ہیں، حضرت شرفِ ملت نے اسانید کے ساتھ شامل کیے گئے ملحق میں ذکر کیا ہے کہ اُن کے بیس عرب مشائخ کے ذریعے بھی اُن کی کثیر اسانید سیدی اعلیٰ حضرت تک پہنچتی ہیں ان مشائخ کا تعلق مصر، سوریا، کویت، عراق اور سعودی عرب سے ہے، وہ فرمایا کرتے تھے: ''لوگوں نے اپنے علما اور مشائخ کے نام اسانید حدیث اور اُن کے حالات عربی تذکروں کے ذریعے عرب علما تک پہنچا دیے ہیں جب کہ ہمارے عظیم القدر علما اور مشائخ کا ذکر خیر یا تو عرب دنیا تک پہنچایا ہی نہیں یا پھر ان حضرات کی شخصیتوں کو بری طرح مسخ کر کے پہنچایا گیا، حضرت شرفِ ملت کی خواہش تھی کہ وہ عربی میں اپنے پاکستانی اور ہندوستانی شیوخِ اجازت کے حالات مرتب کریں نیز اسانید حدیث میں آنے والی ایسی شخصیات کا صحیح علمی تعارف کروائیں جنھیں اغیار نے یا تو نظر انداز کیا یا پھر اُن کے ساتھ ناانصافی برتی ہے، انھوں نے ''سیدی اعلیٰ حضرت بہ حیثیت محدث'' کے عنوان سے ایک وقیع عربی مقالہ تحریر کیا تھا جو **الجواهر الغاليه** میں طبع ہو چکا ہے، ان کا یہ مجموعۂ اسانید عرب دنیا کے کثیر محدثین تک پہنچ چکا ہے۔

وہ سیدی اعلیٰ حضرت کی لکھی ہوئی نعتیں سنتے تو جھوم جھوم جاتے، لیکن اگر نعت پڑھنے والے نے کسی لفظ کی کمی بیشی کر دی یا سلامِ رضا میں کسی غیر معیاری شعر کا اضافہ کر دیا تو بہت ناخوش ہوتے

مگر نعت پڑھنے والے کو نرمی سے تنبیہ فرماتے تھے۔ اگر کسی نے آداب سے خالی اور غیر معیاری نعت پڑھی تو اُس کی بھی اچھے پیرائے میں اصلاح کر دیتے تھے، اُنھوں نے اپنی حیاتِ مستعار کے آخری ایام میں بعض معمولات اور رجحانات کی اصلاح اور فکر آخرت بیدار کرنے کے لیے ''خدا کو یاد کر پیارے'' کے عنوان سے ایک مختصر حجم کی کتاب تصنیف فرمائی اور یہ نام بھی سیدی اعلیٰ حضرت کے درجِ ذیل شعر سے لیا:

اندھیرا گھر، اکیلی جان دم گھٹتا، دل اُکتاتا
خدا کو یاد کر پیارے وہ ساعت آنے والی ہے

تحریک، تحقیق اور اشاعت:

جب '' **البريلويه**'' نامی کتاب کے ذریعے سیدی اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور قرآن وحدیث کی بنیادوں پر استوار ہونے والے آپ کے مسلک پر کیچڑ اُچھالنے کی کوشش کی گئی تو حضرت استادِ گرامی نے ''اندھیرے سے اُجالے تک''، ''شیشے کے گھر'' اور **من عقائد اهل السنة** کے ذریعے ان الزامات کے سنجیدہ اور متین جوابات دیے، یہ تینوں کتابیں لاہور سے طبع ہونے کے بعد بمبئی اور دہلی سے بھی شایع ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت شرفِ ملت نے سیدی اعلیٰ حضرت کے حوالے سے کئی اردو مقالات لکھے جو ''مقالاتِ رضویہ'' کے نام سے پاکستان اور ہندوستان میں شایع ہو چکے ہیں، سیدی اعلیٰ حضرت کی بعض تصنیفات اور آپ کے حوالے سے لکھی گئیں بعض کتب پر لکھے ہوئے اپنے مقدمات کو حضرت شرفِ ملت نے شدید علالت کے باوجود جمع فرمایا جنھیں ہمارے فاضل دوست محترم عبدالستار طاہر مسعودی نے حضرت صاحب کی ہدایت پر ''مقدماتِ رضویہ'' کے نام سے مرتب کیا۔ آپ نے پوری توجہ سے ان دونوں کتابوں کی پروف ریڈنگ خود بھی کی اور ان کی ترتیب کے سلسلے میں بھی نہایت توجہ سے مقالات اور مقدمات کی فہرستوں میں اصلاحات اور ترامیم کیں، یہ دونوں کتابیں آپ کے قائم کردہ ادارے مکتبۂ قادریہ سے شایع ہو چکی ہیں، جب کہ رضویات کے حوالے سے آپ کے عربی مقالات اور مقدمات زیرِ ترتیب ہیں۔

حضرت شرفِ ملت نے اپنے طویل تدریسی تجربے، عربی و اسلامی علوم میں مہارت اور اردو زبان پر دست رس کے ساتھ ''انوار القرآن'' کے نام سے مورخہ ۳۰ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۹ھ بہ مطابق ۲۲ر اکتوبر ۱۹۹۸ء کو قرآنِ کریم کے اردو ترجمہ کا آغاز فرمایا اور اسے اپنے وصال سے تقریباً چھ ماہ قبل مورخہ ۲۴ر محرم الحرام ۱۴۲۸ھ بہ مطابق ۱۳ر فروری ۲۰۰۷ء کو مکمل کیا، کئی تراجم اور تفاسیر سامنے رہتی تھیں مگر پھر بھی کنز الایمان شریف (از امام احمد رضا) ہر آیت کے ترجمے کے وقت پیشِ نظر رہتا تھا، میرے سامنے کسی نے حضرت والد صاحب سے کہا: ''اتنے قرآنی تراجم کے باوجود آپ نے نیا ترجمہ کیوں کیا؟ آپ

اتنے وقت میں کوئی اور کام کر لیتے۔" شاید کہنے والے کا خیال تھا کہ یہ ترجمہ پچھلے تراجم کی صدائے باز گشت کے علاوہ کچھ نہ ہوگا، حضرت والد صاحب چاہتے تو اُن صاحب کو اپنے ترجمۂ قرآن کی خصوصیات گنوا سکتے تھے، مگر وہ اپنے کام کا اجر گنوانا نہیں چاہتے تھے اُنھوں نے انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ فرمایا:" میرا یہ ترجمہ لوگوں کے علم میں اضافے کا باعث تو شاید نہ ہو مگر میرے اپنے علم میں اضافے اور میرے لیے روحانی طمانیت کا باعث ضرور ہے۔" اس کے علاوہ آپ فرمایا کرتے تھے:" مجھ پر قرآنِ کریم کے جو مفاہیم ترجمہ کرتے ہوئے کھلے وہ پہلے منکشف نہیں ہوئے تھے۔"

انھوں نے اپنے انتہائی محدود وسائل کے ساتھ امام اہل سنت اور دیگر علماے اہل سنت کی کتب کی اشاعت کے لیے ۱۹۶۰ء میں اپنے محدود وسائل کے ساتھ "مکتبۂ رضویہ" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور متعدد کتابیں شایع کیں۔ ۱۹۶۸ء میں ہری پور ہزارہ تشریف لے گئے تو رضوی لٹریچر کی اشاعت کا سلسلہ وہاں بھی جاری رہا، یہاں سے سیدی اعلیٰ حضرت کی تین تصنیفات: **الحجة الفائحة** (۱۳۰۷ھ)، **اتیان الارواح** (۱۳۲۱ھ) اور **شرح الحقوق** اردو ترجمہ کے ساتھ شایع کیں۔ یہی نہیں بلکہ ہری پور کی سرزمین پر آپ کی کوششوں سے پہلی مرتبہ یوم رضا بھی منایا گیا، شرفِ ملت نے ہری پور میں قیام کے دوران ہی سیدی اعلیٰ حضرت کی فارسی تصنیف:" **الحجة الفائحة** "(۱۳۰۷ھ) کے اردو ترجمہ کے ساتھ تحریر کے میدان میں قدم رکھا اور پھر اپنی پہلی تصنیف "یادِ اعلیٰ حضرت" کے ساتھ نہ صرف تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا بلکہ اُسے خود ہی شایع بھی کیا۔

ہری پور میں چار سال قیام کے بعد ۱۹۷۱ء میں چکوال تشریف لائے اور وہاں بھی تدریس کے ساتھ ساتھ امامِ اہل سنت کی تصنیفات: **راد القحط والوباء، أعز الاكتناه** اور **غاية التحقيق** شایع کیں، نیز ۱۹۷۳ء میں "یوم رضا و فضل حق خیر آبادی" منایا، ان دونوں حضرات سے والہانہ محبت حضرت شرفِ ملت کے رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی تھی۔

۱۹۷۳ء میں جامعہ نظامیہ لاہور تشریف لائے تو یہاں مکتبۂ قادریہ قائم کیا اور سیدی اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کے علاوہ اپنی اور دیگر علماے اہل سنت کی کتابوں کے تراجم اور حواشی شایع کیے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کئی نایاب کتابیں شایع کیں، خاص طور پر دو کتابوں کا ذکر کرنا چاہوں گا، آپ نے علامہ فضل حق خیر آبادی کی تصنیف "باغی ہندوستان" اور سیدی اعلیٰ حضرت کے خلیفہ مجاز مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی "المبین" شایع کیں اور پھر یہ دونوں کتابیں ہندوستان میں **المجمع الاسلامی** مبارک پور کی طرف سے بھی شایع ہوئیں، ان کے علاوہ آپ کی بعض اہل علم حضرات کے ساتھ مراسلت اور تبادلۂ کتب کی وجہ سے ہندوستان میں بھی رضوی لٹریچر کی اشاعت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا، آپ کا قائم کردہ "مکتبۂ قادریہ" فقط ایک اشاعتی ادارہ ہی نہ تھا بلکہ ایک اشاعتی تحریک بھی تھا،

سیدی اعلیٰ حضرت اور قرآن و حدیث پر مبنی آپ کے مسلک محبت پر گام زن علما و مشائخ کی نایاب تحریروں کو شایع کرنا، نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔ میں سوچتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے کہ دینی ادارے میں تدریسی خدمات سرانجام دینے والے ایک اُستاد کے مالی وسائل آخر ہوتے ہی کتنے ہیں؟ پھر یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ میں نے جب بھی اِس حوالے سے سوچا ہے یوں لگا جیسے کوئی مجھے کہہ رہا ہو: "جب زندگی کا کوئی مقصد متعین ہو جائے تو ایسے ناقابلِ یقین کارنامے سرزد ہو ہی جاتے ہیں۔" حضرت شرفِ ملت کو امام اہل سنت کی شخصیت اور آپ کے دینی مشن سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا، ایک مقبول خدا و منظورِ نظرِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت نے آپ سے یہ ناقابل یقین خدمات لے لیں۔

حضرت شرفِ ملت کا امامِ اہلِ سنت کے حوالے سے مصروفِ عمل اداروں کے ساتھ گہرا رابطہ رہا، مرکزی مجلسِ رضا لاہور کی طرف سے آپ کی تصانیف "اندھیرے سے اُجالے تک"، "شیشے کے گھر"، "سوانح سراج الفقہا" وغیرہ شایع ہوئیں، اس کے علاوہ مجلس کی طرف سے آپ کے مقدمہ کے ساتھ سیدی اعلیٰ حضرت کی تصانیف: **اعالی العطايا فی الاضلاع والزوايا، الوسائل الرضوية، رساله فی علم الجفر، الجراز الديانی علی المرتد القاديانی** وغیرہ شایع ہوئیں، جب کہ حضرت شرفِ ملت کے مقدمہ کے ساتھ مولانا محبوب علی خاں کی تصنیف "فیصلۂ مقدسہ" پروفیسر رفیع اللہ صدیقی کی تصنیف "فاضلِ بریلوی کے معاشی نکات" بھی شایع ہوئیں۔ پھر ۱۹۸۷ء میں جب رضا اکیڈمی (لاہور) کے نام سے ایک اور ادارہ قائم ہوا تو اُس کے ساتھ بھی آپ کا بے لوث تعاون جاری رہا۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے بانی حضرت سید ریاست علی قادری رحمہ اللہ سے ادارۂ تحقیقات کے قیام سے پہلے بھی مراسم تھے اور ادارہ کے قیام کے بعد بھی اُن سے رابطہ رہا۔ اُن کے وصال کے بعد عالمی سطح پر فکرِ رضا کے فروغ کے لیے کوشاں حضرت سید وجاہت رسول قادری مدظلہ العالی اور ماہر رضویات و مجددیات حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ بھی اخلاص اور للّٰہیت پر مبنی مراسم قائم رہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (کراچی) نے امام احمد رضا کانفرنس لاہور ۱۹۹۱ء میں شرفِ ملت کو رضویات کے فروغ میں مخلصانہ خدمات پر گولڈ میڈل کے ذریعے خراجِ تحسین پیش کیا، یہ میڈل عالم اسلام کی عظیم علمی اور روحانی شخصیت سید یوسف سید ہاشم رفاعی مدظلہ (کویت) نے حضرت شرفِ ملت رحمہ اللہ کو اپنے دست مبارک سے عنایت فرمایا۔ حضرت شرفِ ملت نے ۹/اپریل ۲۰۰۵ء کو ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (کراچی) کے زیرِ انتظام منعقد ہونے والی انٹرنیشنل امام احمد رضا کانفرنس کے ایک سیشن کی صدارت کی، انھوں نے کراچی کے ایک سفر کے دوران مجھے فرمایا:" میں جب بھی کراچی آتا ہوں تو ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا ضرور جاتا ہوں اور حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب

سے لازماً ملتا ہوں۔''

سفیر رضویات:

حضرت شرفِ ملت رحمہ اللہ ۱۹۹۹ء میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے صدر حضرت سید وجاہت رسول قادری مدظلہ العالی کے ہم راہ ادارۂ تحقیقات کی طرف سے سترہ روزہ دورے پر قاہرہ تشریف لے گئے تو وہاں اہل بیت عظام اور اولیاے کرام کے مزارات پر حاضری دی، علما و مشائخ اور ادبا سے ملاقاتیں کیں اور انھیں امام اہل سنت کا تعارف کروایا، بعض حضرات کو سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں اجازت و خلافت بھی عنایت فرمائی نیز مصری اہل علم کو ادارے کا شایع کردہ لٹریچر پیش کیا اس دوران الازہر یونی ورسٹی کی فیکلٹی آف عربک اینڈ اسلامک اسٹڈیز میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی طرف سے تین مصری دانش وروں کے اعزاز میں ایک مختصر مگر انتہائی اہم تقریب منعقد ہوئی جس میں پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، نیپال، برما اور سری لنکا کے علاوہ مصری طلبہ کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی۔ اس پروقار تقریب میں حدائق بخشش کو نظم کے سانچے میں ڈھالنے والے ہفت زبان محقق اور عظیم شاعر ڈاکٹر حسین مجیب مصری رحمہ اللہ الازہر یونی ورسٹی میں ایم اے عربی (زبان و ادب) کے لیے لکھے گئے راقم الحروف (ممتاز احمد سدیدی) کے عربی مقالے **الامام احمد رضا خان البریلوی الهندی شاعراً عربیاً** کے نگراں ڈاکٹر رزق مرسی ابوالعباس حفظہ اللہ، امام اہلِ سنت کے عربی دیوان **بساتین الغفران** کے مرتب اور **الامام احمد رضا والعالم العربی** کے مصنف ڈاکٹر حازم محمد احمد محفوظ کو ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (کراچی) کی طرف سے گولڈ میڈل پیش کیے گئے، اس تقریب کی روداد حضرت شرفِ ملت کی تصنیف **تکریم ثلاثة من علماء الازهر** میں شایع ہو چکی ہے جس کا اردو ترجمہ ''تین مصری دانشوروں کے اعزاز میں'' کے عنوان سے مقالاتِ شرف قادری میں طبع ہو چکا ہے۔

استاذ العلما مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے ''فتاویٰ رضویہ'' کی تحقیق اور جدید طباعت کا سلسلہ شروع ہوا تو شرفِ ملت نے اپنے استاذ محترم حضرت مفتی صاحب کو بھی اپنی خدمات پیش کیں، فتاویٰ رضویہ کی پہلی اور چودھویں جلد پر مقدمہ تحریر کیا، نیز رضا فاؤنڈیشن کی طرف سے شایع ہونے والی سیدی اعلیٰ حضرت کی تصنیف **برکات الامداد** اور **حیات الموات** پر وقیع مقدمے تحریر کیے۔ استاذ محترم علامہ عبد الستار سعیدی حفظہ اللہ نے مجھے ایک ملاقات میں فرمایا: ''حضرت مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمہ اللہ کے وصال کے بعد فتاویٰ رضویہ کی ایک عربی عبارت کے ترجمہ میں دقت پیش آرہی تھی کیوں کہ وہ عبارت طباعت کے مرحلے میں کچھ یوں چھپی کہ اُسے پڑھنا مشکل ہو رہا تھا اس لیے اُنھوں نے یہ صفحہ اپنے استاذ حضرت شرفِ ملت کو پیش فرمایا تو اُس وقت اُن کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب شرفِ ملت کے قلم سے یہ عبارت اور

اس کا اردو ترجمہ اُن تک پہنچا۔ جب پوچھا گیا کہ اس غیر واضح عبارت کو کیسے پڑھا؟ تو حضرت شرفِ ملت نے بہت سادگی سے جواب دیا: ''ایصالِ ثواب کرنے کے بعد سیدی اعلیٰ حضرت کی طرف توجہ کی تو آپ کی روحانی برکت سے یہ مبہم عبارت خود بہ خود واضح ہوتی گئی۔''

یوں تو شرفِ ملت نے سیدی اعلیٰ حضرت کے حوالے سے کئی کانفرنسز میں مقالات پڑھے مگر دو مقالے قابلِ ذکر ہیں، پہلا مقالہ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ (اسلام آباد) کے زیر اہتمام ۵/اکتوبر کو منعقد ہونے والی امام ابوحنیفہ کانفرنس میں **فی ظلال الفتاوی الرضویه** کے عنوان سے پیش کیا۔ جب کہ دوسرا مقالہ **الامام احمد رضا خان فی میزان الانصاف** کے عنوان سے فقط ایک دن کے نوٹس پر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اُس وقت لکھا اور پیش کیا جب اُنھیں بتایا گیا کہ اسلام آباد کے ہوٹل ''ہالی ڈے اِن'' میں ۱۱/مارچ ۱۹۹۷ء کو امام احمد رضا کانفرنس کا اعلان کیا گیا تھا جس میں انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی کے دو سے اڑھائی سو غیر ملکی طلبا کی شرکت متوقع ہے، اور مہمان مقرر انتہائی ناگزیر وجوہات کی بنا پر اس پروگرام میں شرکت سے معذور ہیں، اِس کانفرنس میں انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی کے مصری وایس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر احمد العسال اور اِسی یونی ورسٹی میں قائم شعبۂ عربی کے مصری چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر رجاء جبر نے بھی اظہارِ خیال کیا، اِس طرح منتظمین کی محنت ضائع ہونے سے بچ گئی اور فکرِ رضا اتنے کثیر لوگوں تک پہنچ گئی **ذالک فضل اللّٰہ یؤ تیه من یشاء**۔

رضویات کے فروغ میں حضرت شرفِ ملت کی خدمات کے حوالے سے مولانا منظر الاسلام ازہری لکھتے ہیں:

''ہند و پاک اور جامعہ ازہر شریف مصر میں امامِ اہلِ سنت پر ریسرچ کرنے والے کسی بھی شخص نے آپ سے رہ نمائی طلب کی تو آپ نے نہ صرف اُس کی حوصلہ افزائی کی بلکہ مصادر و مراجع کی نشان دہی بھی کی بلکہ حسبِ استطاعت مراجع بھی مہیا فرمائے، اس کے علاوہ برِصغیر ہند و پاک میں امام احمد رضا بریلوی پر کام کرنے والے اداروں کے ساتھ بڑا فعال رابطہ بھی رکھا جس کی بدولت بڑے علمی کام ہوئے۔ راقم کو پتہ چلا کہ مصر میں رضویات کی بنیاد بھی آپ ہی کے ہاتھوں پڑی وہ اس طرح کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مبارز ملک مرحوم ۱۹۸۹ء میں اردو پڑھانے کے لیے الازہر یونیورسٹی کی فیکلٹی آف لینگ ویجز اینڈ ٹرانس لیشن میں قائم شعبۂ اردو میں بھیجے گئے تو حضرت علامہ شرف قادری نے ان کے ذریعے امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی حیات و خدمات کے متعلق کچھ کتب شعبۂ اردو کے اساتذہ کے لیے ارسال کیں، ان ہی کتب کے ذریعے جناب ڈاکٹر حازم محمد محفوظ، امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی ہمہ جہت شخصیت سے متعارف ہوئے اور انھوں نے محدث بریلوی پر عربی زبان میں کئی کتابیں لکھیں، مضامین لکھے اور لکھوائے۔''

الازھر یونی ورسٹی (قاہرہ) میں قائم شعبۂ اردو میں اردو زبان وادب کے مصری استاد جناب ڈاکٹر حازم محمد محفوظ ۱۹۹۵ء میں پنجاب یونی ورسٹی کے شعبۂ عربی میں وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے تشریف لائے تو انھوں نے رضویات کی تاریخ میں پہلی مرتبہ امام اہلِ سنت کا عربی دیوان **بساتین الغفران** کے نام سے مرتب کیا جسے مکمل ہونے پر حضرت شرفِ ملت نے دقیق نظر ثانی کے بعد چند اداروں کے تعاون سے مکتبۂ قادریہ کی طرف سے شایع کرنے کا اعزاز حاصل کیا، اس دوران ڈاکٹر حازم کا مختلف اہلِ علم سے رابطہ رہا، وہ حضرت شرفِ ملت کے بارے میں کہتے ہیں:

''میں پاکستان میں اھل سنت کے اکابر علما میں سے ایک شخصیت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کا عظیم احترام کے ساتھ خصوصی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے کثیر مخطوطات اور مصادر ومراجع کے ساتھ میری ایسی معاونت فرمائی جس کا اِس دیوان پر گہرا اثر تھا، اگر اُن کی یہ معاونت نہ ہوتی تو شاید یہ دیوان موجودہ صورت میں مکمل نہ ہوتا، اُنھوں نے اپنی اس اخلاص والی معاونت میں کبھی بخل نہیں کیا جو اُن کے اعلیٰ اخلاق، مضبوط اور سچے ایمان کے ساتھ ساتھ امام اہلِ سنت امام اکبر مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں کے ساتھ مخلصانہ محبت پر دلالت کرتی ہے، آپ کی اہلِ سنت اور امامِ اکبر مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں کے عقائد کے دفاع میں لکھی ہوئی کثیر عربی، فارسی اور اردو تصنیفات امام اہلِ سنت کے ساتھ مخلصانہ محبت کی بہترین دلیل ہیں، شاید اس سلسلے میں آپ کی بہترین کتاب **من عقائدِ اھلِ السنة** ہے جو بار بار پڑھے جانے کے قابل ہے۔''

پیکر علم و عمل اور نسبت رضویت:

ایک اندازا ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی کی محبت نے حضرت شرفِ ملت کے دل میں زمانۂ طالب علمی سے ہی گھر کرلیا تھا اور اس نعمت کی برکت سے اُنھیں تقویٰ کا نور حاصل رہا۔ ہمارے فاضل دوست علامہ عبدالغفور گولڑوی حفظہ اللہ بتاتے ہیں: ''یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے کہ میں بندیال شریف میں استاذ العلماء ملک المدرسین علامہ عطا محمد گولڑوی بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس زیرِ تعلیم تھا اُس وقت استاذ شرف صاحب بھی وہیں زیرِ تعلیم تھے تب میں نے اُن سے گلستاں پڑھی اور پھر مجھے اُن سے ایسا لگاؤ ہوا کہ میں اُن کی وہاں سے فراغت کے بعد بھی ہری پور میں بھی اُن کے علم وفضل سے خوشہ چینی کرتا رہا۔ میں نے انھیں ۱۹۶۰ء سے لے کر اُن کی زندگی کے آخری ایام تک ہمیشہ شریعت پر عمل پیرا، علم وعمل، عجز وانکسار، صبر وشکر اور اخلاص کا پیکر پایا۔''

شرفِ ملت کے تقویٰ پر روشنی ڈالنے والے اِن کلمات کے بعد میں پھر سے اُسی بات کی طرف لوٹتا ہوں جس کا آغاز کیا تھا، حضرت شرفِ ملت نے انتہائی جانفشانی سے علم حاصل کیا اور علم وعمل کے حسین پیکر بنے اور پھر تدریس کے میدان میں قدم رکھا اور قال اللہ وقال الرسول کا سلسلہ بھی شروع کر

دیا، اور پھر ''قال'' کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت حاصل ہونے کے بعد ۱۹۷۰ء میں ''حال'' کی نعمت حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا تو نگاہِ انتخاب ایک ایسی شخصیت پہ جا ٹھہری جس کی رگوں میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خون مبارک رواں تھا، چہرے پر علم وعمل اور تقویٰ کا نور تھا، اور اِس بات نے شرفِ ملت کے اشتیاق کو تیز تر کر دیا کہ اُن کے ممدوح کی آنکھیں امامِ اہل سنت کی زیارت سے شاد کام ہوئی تھیں، نیز اُن کا ہاتھ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے دست مبارک سے مس ہوا تھا، اور انہیں امام اہلِ سنت سے اجازت وخلافت بھی عطا ہوئی تھی۔ شرفِ ملت بیعت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''فقیر قادری دار العلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور ہزارہ میں صدر مدرس تھا، مجھے شوق پیدا ہوا کہ کسی مرشدِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، سوچ بچار کے بعد نگاہ سید صاحب (سراج الاتقیا علامہ ابو البرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ) پر ٹھہر گئی جو علم وعمل کا پیکر جمیل اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے خلیفہ بھی تھے، چناں چہ لاہور حاضر ہوکر بیعت کی درخواست کی تو فرمایا: ''پرسوں آنا۔'' (مشائخ کا طریقہ رہا ہے کہ فوراً بیعت نہیں کرتے تھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ طلب صادق ہے یا نہیں) راقم آپ کی نوازشات کی بنا پر آپ کی بارگاہ میں بے تکلف تھا اِس لیے عرض کیا: ''جناب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی کافر کلمہ پڑھنا چاہے تو اُسے فوراً کلمہ پڑھا دینا چاہیے اور تاخیر نہیں کرنی چاہیے جب کہ آپ فرماتے ہیں پرسوں آنا۔'' فرمانے لگے: ''**لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ** اِس کا کیا مطلب؟'' میں نے عرض کیا: ''کہ میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرنا چاہتا ہوں اور آپ فرماتے ہیں پرسوں آنا۔'' فرمانے لگے: ''اچھا پھر آؤ۔'' اور سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں بیعت کرلیا، یہ ۱۶/محرم ۱۳۹۵ھ بہ مطابق ۲۵/مارچ ۱۹۷۰ء کی بات ہے۔''

حضرت شرفِ ملت اپنے مرشد گرامی سراج الاتقیا مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ کی تواضع اور انکساری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''طریقت کے شجروں میں مشائخ کے نام اس طرح نظم کیے جاتے ہیں کہ اُن کے وسیلے سے دعا مانگی جاتی ہے، جو پیرِ طریقت اپنے مریدین کو دینے کے لئے شائع کرتے ہیں وہ اپنا نام اس انداز میں نظم کرتے ہیں کہ مریدین اُن کے وسیلے سے دعا مانگیں، لیکن سید صاحب نے باوجود یہ کہ روحانی اعتبار سے بلند مقام پر فائز تھے اور پاکستان کے مفتی اعظم تھے بڑے بڑے علما اُن کے حضور دوزانو بیٹھتے تھے، اپنا نام بالکل مختلف انداز میں شامل شجرہ کیا، ملاحظہ ہو شجرۂ قادریہ برکاتیہ کا ایک شعر یہ ہے:

یا الٰہی سید احمد کو کر اپنا غلام
کر کرم اس پر نبی الانبیا کے واسطے

یعنی اپنے مریدوں کہ یہ سبق نہیں سکھایا کہ میرے وسیلے سے مانگو، بلکہ یہ راہ دکھلائی کہ میرے لیے دعا

کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فرماں بردار بندوں میں شامل فرمالے اور مجھ پر کرم کرے، پھر ''کرکرم اُن پر'' نہیں کہا بلکہ ''اُس پر'' فرمایا، اِس سے اُن کی انکساری کا انداز لگایا جاسکتا ہے۔ راقم نے اِس کی جگہ ایک دوسرا شعر تجویز کیا اور چار اشعار مزید شامل کیے ہیں:

یا الٰہی ختم فرما کفر کی طغیانیاں　　سید احمد سراج الاتقیا کے واسطے
یا الٰہی رحم فرما عالم اسلام پر　　بہر رحمانی میاں پیر ھدیٰ کے واسطے
یا الٰہی سنیت پر پختگی کر دے عطا　　حضرتِ سید امین مہ لقا کے واسطے
مولوی عبدالحکیم قادری کو دے اماں　　سیدعالم محمد مصطفیٰ کے واسطے
میرے مولا دے شرف کو نعمتیں دارین کی　　سیدکونین ختم الانبیا کے واسطے

حضرت شرفِ ملت اپنی عمر عزیز کے تقریباً چھبیسویں سال میں مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ کے دست مبارک پر بیعت کرکے باقاعدہ طور پر سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ سے منسلک ہوئے، اور پھر عمر بھر امام احمد رضا کے پیغامِ محبت کو عام کرتے رہے۔ دلوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اُس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے چراغ روشن کرتے رہے۔ جس کے صلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں وہ علمی، عملی اور روحانی عروج بخشا کہ مجھے اُن کے وصال کے بعد کئی احباب نے ان کے بارے میں ایسی باتیں بتائیں کہ میں ایک صاحبِ حال سے پوچھے بغیر رہ نہ سکا کہ: ''حضرت شرفِ ملت پانچ وقت نماز باجماعت کا اہتمام تو ضرور فرماتے تھے مگر میں نے کبھی انھیں تہجد یا کثیر اوراد و وظائف کا اہتمام کرتے ہوئے نہیں دیکھا، پھر اُنھیں یہ سارے مراتب کیسے حاصل ہوئے؟'' تو اُنھوں نے جواب دیا: ''اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت صاحب نسبت انسان کو وہ روحانی درجات اور مرتبے دلاتی ہے جو صرف نوافل اور وظائف سے حاصل نہیں ہوتے۔'' اور یہ امام احمد رضا خاں کے دامن سے وابستگی کا ہی فیضان تھا کہ حضرت شرفِ ملت کو درج ذیل حضرات نے سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں اجازت وخلافت سے نوازا:

(۱) پیر طریقت حضرت علامہ محمد ریحان رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان
(۲) صاحب الفضیلۃ والارشاد حضرت علامہ مولانا فضل الرحمٰن مدنی رحمہ اللہ
(۳) مولانا سید احمد علی رضوی رحمۃ اللہ علیہ (سابق سجادہ نشین اجمیر شریف)
(۴) پیر طریقت حضرت صاحب زادہ قاضی محمد فضل رسول رضوی مدظلہ العالی
(۵) فقیہ اعظم ہند علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شرف ملت کو آستانۂ عالیہ قادریہ رضویہ سے تو فیض ملا ہی تھا مگر جب وہ سراپا خیر الحاج محمد رفیق برکاتی حفظہ اللہ کے ہم راہ سیدی اعلیٰ حضرت کے پیر خانہ مارہرہ مقدسہ میں انعقاد پذیر عرس

قاسمی ۲۰۰۰ء میں حاضر ہوئے تو امین ملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری برکاتی دامت برکاتہم العالیہ نے کثیر علما و مشائخ اور عوام اہل سنت کی موجودگی میں شرفِ ملت کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں اجازت وخلافت اور دستار سے نوازا، اللہ تعالیٰ اُنھیں اور حضرت شرفِ ملت کے جملہ شیوخِ اجازت کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور یقیناً یہ نسبت قادریہ رضویہ کی برکات کا تسلسل تھا کہ شرف ملت رحمہ اللہ کو عرب وعجم کے کثیر مشائخ سے سلسلۂ عالیہ قادریہ، چشتیہ، نقش بندیہ، رفاعیہ، تیجانیہ اور شاذلیہ میں بھی اجازت وخلافت حاصل تھی، انھیں جس قدر عروج حاصل ہوتا رہا اُن کی عاجزی اور انکساری میں اضافہ ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ انھیں ان کی برزخی زندگی میں بھی نسبتِ قادریہ رضویہ کی بہاروں سے نوازے، آمین۔ وہ شجرہ شریف پڑھتے ہوئے درجِ ذیل شعر بہت کیفیت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے:

قادری کر، قادری رکھ، قادریوں میں اُٹھا
قدرِ عبد القادرِ قدرت نُما کے واسطے

ادب واحتیاط کی روش

''ادب واحتیاط کی یہی روش امام رضا کی تحریر وتقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے۔ یہی ان کا سوزنہاں ہے جو ان کا حرز جاں ہے۔ ان کا طرۂ ایمان ہے۔ ان کی آہوں کا دھواں ہے۔ حاصل کون ومکاں ہے۔ برتر از این وآں ہے۔ باعثِ رشکِ قدسیاں ہے۔ راحت قلب عاشقاں ہے۔ سرمۂ چشم سالکاں ہے۔ ترجمۂ کنز الایمان ہے''۔

پھر چند آیات کے تراجم کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں'' کیا ستم ہے فرقہ پرور لوگ ''رُشدی'' کی ہفوات پر تو زبان کھولنے سے اور عالم اسلام کے قدم بقدم کوئی کارروائی کرنے میں اس لئے تامل کریں کہ کہیں آقایان ولی نعمت ناراض نہ ہوجائیں۔ مگر امام رضا کے اس ایمان پرور ترجمہ (ترجمۂ قرآن) پر پابندی لگادیں جو عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے ؎

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے''

مولانا موثر نیازی

(امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت ص ۲۱، ۲۲، مطبوعہ رضا اسلامک مشن، بنارس)

''اہل سنت کی آواز'' مارہرہ مطہرہ کا خصوصی شمارہ

''اکابر مارہرہ-حصہ دوم'' پر ایک طائرانہ نظر

اختر حسین فیضی مصباحی

استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

غیر منقسم ہندوستان کی بافیض قدیم خانقاہوں میں مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کی اپنی ایک الگ شناخت ہے۔ درس معرفت وسلوک اور تعلیم رشد و ہدایت کے ساتھ خاندان برکات کا ایک خاص وصف علم دوستی اور علما نوازی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خاندان میں جہاں اصحاب سلوک و معرفت گزرے ہیں، وہیں صاحبان قرطاس وقلم نے بھی اپنا لوہا منوایا ہے۔اس وابستگی قرطاس وقلم کی ایک کڑی ''اہل سنت کی آواز'' ہے جس نے مذہبی صحافت میں اپنا مقام بنالیا ہے،اس کا ہر شمارہ کسی خاص موضوع پر بھرپور مواد پیش کرتا ہے۔ جو کسی دستاویز سے کم نہیں ہوتا۔

زیر نظر شمارہ ''اہل سنت کی آواز'' کی سترہویں کڑی یعنی ''اکابر مارہرہ مطہرہ-حصہ دوم'' ہے۔ سال گذشتہ اس کے پہلے حصے میں، کاروان خاندان برکات- مدینہ طیبہ سے دہلی تک، بلگرام شریف-گہوارۂ اکابر مارہرہ مطہرہ، مارہرہ مطہرہ- جلوہ گاہ سادات زیدی، صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ قادری مارہروی،حضرت سید شاہ محمد حمزہ مارہروی،حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی جیسے عنوانات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی تھی اور اب اس دوسرے حصے میں سرکار نور سید شاہ ابوالحسین نوری، صاحب عرس قاسمی سید شاہ اسمٰعیل حسن شاہ جی میاں قادری، تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری، سید شاہ آل عبا قادری، سید العلما سید شاہ آل مصطفیٰ قادری اور احسن العلما سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن قادری علیہم الرحمۃ والرضوان کی حیات وخدمات پر تفصیلی مضامین شامل کیے گئے ہیں،اس طرح ان دونوں شماروں کو ملا دیا جائے تو اسے خاندان برکات اور خانقاہ برکاتیہ کا ایک تاریخی اور سوانحی ''دارالمعارف'' کہا جاسکتا ہے۔

اس خصوصی شمارے (اکابر مارہرہ- حصہ دوم) میں فہرست مضامین کے بعد دو اداریے شامل ہیں۔ پہلا اداریہ خانقاہ برکاتیہ کے نائب سجادہ نشین اور مجلّے کے مدیر اعلیٰ سید نجیب حیدر قادری برکاتی نوری کا ہے اور دوسرا معاون مدیر ڈاکٹر ساحل شہسرامی کا۔

مدیر اعلیٰ اپنے اداریے میں خانقاہی طریق کاریوں بیان کرتے ہیں کہ خانقاہ برکاتیہ کا نظام کار

یہ تھا کہ یہاں کے مشائخ خانقاہ کے اندر سجادہ پر متمکن رہتے ہوئے مخلوق خدا کی شریعت کے مطابق تربیت کرتے ،سلوک کی منزلیں طے کراتے اور انسان دوستی کا درس دیتے، یہ سلسلہ حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ تک چلا، حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ کو خانقاہ سے باہر جانے کی اجازت ہوئی تو ایک نئے دور کا آغاز ہوا،تبلیغ اور خدمت خلق کا دائرہ وسیع ہوا جس کی وجہ سے لوگوں کو فیض یابی کا خوب،خوب موقع ملا۔

حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ سے جو طریقۂ تبلیغ شروع ہوا تو آج تک اس خانقاہ کے سجادگان اس پر عمل پیرا ہیں اور چشمۂ برکاتیت سے تشنگان شریعت وطریقت کو سیراب کر رہے ہیں۔اس وقت اس مے خانۂ قادری و برکاتی کے بڑے ہی امین ساقی امین ملت سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی ہیں، جن کی ذات سے برکاتی فیضان شب و روز جاری ہے۔

اداریے کے دوسرے حصے میں تاج الشریعہ جانشین مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ محمد اختر رضا خاں ازہری مدظلہ العالی کو جارج ٹاؤن کے دنیا کے پانچ سو بااثر لوگوں کی فہرست میں ۲۶/ویں نمبر پر رکھنے پر مبارک باد پیش کی ہے۔اس کے بعد جامعۃ البرکات، مارہرہ پبلک اسکول اور مارہرہ ایجوکیشن سوسائٹی کے کارہائے نمایاں پر روشنی ڈالی ہے اور وفیات کے تحت امسال دنیا سے رخصت ہونے والے چند علما اور متوسلین کی ایک فہرست پیش کی ہے۔

معاون مدیر ساحل شہسرامی نے اپنے اداریے میں اساطین خانقاہ برکات کی دینی خدمات کا مختصراً جائزہ لینے کے بعد اس شمارے میں شامل مضامین کا ایسا خوب صورت اجمالی تعارف پیش کیا ہے جس سے مجلّے کے مشمولات بہ یک نگاہ سامنے آجاتے ہیں۔

اس خصوصی شمارے کو جہاں نثری شہ پاروں سے زینت بخشی گئی ہے وہیں نعتوں اور منقبتوں کے گلدستوں سے بھی سجایا گیا ہے، جو چھ گوشوں کو شامل ہے۔

پہلا گوشہ سرکار نور سراج السالکین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ کے حوالے سے ہے، اسے گوشۂ نور بھی کہہ سکتے ہیں۔اس میں پہلے حضرت سرکار نور کے قلمی برکات سے عربی، فارسی اور اردو کے تین کلام شامل کیے گئے ہیں۔عربی کلام کا ترجمہ، فائزہ سلمان کی طرف سے ہے اور فارسی کا مولانا جمیل احمد نوری (علیگ) کی طرف سے۔اس کے بعد استادِ ادبِ عربی مولانا نفیس احمد مصباحی استاد جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا تفصیلی مضمون ''جہانِ نور- حیات وخدمات'' کے نام سے شامل ہے اخیر میں اکابر علما اور شعرا کی منقبتوں کو جگہ دی گئی ہے۔

مولانا نفیس احمد مصباحی کا مضمون ص۳۴ سے شروع ہوکر ص۱۵۷/ پر ختم ہوتا۔اس طرح یہ مضمون ۱۲۳/صفحات پر اپنی نورانی کرنیں بکھیرتا ہے جس سے حضرت سرکار نور علیہ الرحمہ کے تقریباً تمام

شعبۂ حیات وخدمات کا احاطہ ہوجاتا ہے۔

مولانا کی یہ تحریر بڑی ہی عمدہ، شستہ اور مہذب ہے، آپ نے لکھنے کا حق ادا کردیا ہے۔ مواد کی کثرت نے صفحات کی تعداد ضرور بڑھادی ہے لیکن نفاست اسلوب کا دامن کہیں بھی چھوٹتا نظر نہیں آتا۔ مصادر ومراجع کی طویل فہرست اس بات کی طرف مشیر ہے کہ مضمون کی تیاری میں بہت ساری کتابوں کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔

حضرت سرکار نور علیہ الرحمہ ۱۹؍شوال ۱۲۵۵ھ/ ۲۶؍دسمبر ۱۸۳۹ء میں پنج شنبہ کے روز مارہرہ شریف میں حضرت خاتم الاکابر سید آل رسول احمدی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند سید شاہ ظہور حسن قدس سرہٗ کے دولت کدے پر پیدا ہوئے۔ اپنے جد کریم حضرت خاتم الاکابر اور دیگر اساتذہ سے علم ظاہر وباطن کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی، سلوک کی تکمیل جد کریم کی خدمت میں کی وہ اس طرح کہ آپ گیارہ سال کے ہوئے تو دادا نے تمام مجاہدات سلوک اور ریاضات طریقت اور خاص خاص ادعیۂ خاندانی ادا کرادیے، ان تمام علوم کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنے چھوٹے دادا سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم قدس سرہٗ سے بھی باطنی فیض اور فن تکسیر حاصل کیا، اس طرح سے آپ کی ذات مجموعۂ کمالات بن گئی۔ بارہ سال کی عمر میں حضرت خاتم الاکابر نے آپ کو خلافت کی نعمت عظمیٰ سے نوازا۔ آپ احکام شریعت کا حد درجہ پاس و لحاظ رکھتے، اگر کسی سے شریعت مطہرہ کے خلاف کوئی کام دیکھتے تو بڑی دانش مندی اور حکمت عملی سے اس کی اصلاح فرماتے۔ حضرت سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ نے ربیع الاول ۱۲۶۷ھ کی سترہویں شب میں اپنی مسند سجادگی عطا فرمائی مگر باقاعدہ سجادہ نشینی کا اعلان ذوالحجہ ۱۲۹۷ھ کو مجمع عام میں ہوا، اس تقریب سجادگی کے موقع پر اہل سنت کی دو عظیم شخصیتیں تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہما بھی موجود تھیں۔

مسند سجادگی پر جلوہ افروزی کے بعد آپ اشاعت اسلام اور فروغِ سنیت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، آپ کے زمانۂ سجادگی میں برکاتی فیضان خوب عام ہوا اور عوام وخواص آپ کے دامن سے وابستہ ہونے لگے۔ اللہ نے آپ کو رتبۂ بلند عطا فرمایا تھا:

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین
سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابوالحسین

دوسرا گوشہ صاحب عرس قاسمی سید شاہ ابوالقاسم اسمٰعیل حسن شاہ جی میاں قدس سرہٗ سے منسوب ہے۔ یہ گوشہ حضرت سید شاہ جی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے دو مضامین (۱) دل کی سیر (۲) مسلمانوں کے تنزل کے اسباب، اور مدح مارہرہ میں تین اشعار سے شروع ہوتا ہے، اس کے بعد حضرت کے والد ماجد سید شاہ محمد صادق قدس سرہٗ کا ذکر جمیل جو تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری کا نوشتہ ہے جس

میں ان کی اولاد کے حالات اور ان کی خدمات دینی پر مختصراً روشنی ڈالی ہے۔ اس مضمون میں یہ وعدہ بھی کرتے ہیں کہ حضرت سید شاہ محمد صادق صاحب قدس سرہٗ کی سوانح عمری اور کارنامہ دینی ودنیوی مفصل وشرح ان شاء اللہ تعالیٰ فقیر اپنی بیاض زیر تالیف میں درج کرے گا۔

پروفیسر غلام یحییٰ انجم، ہمدرد یونی ورسٹی دہلی کے معتبر قلم سے نکلا ہوا مضمون صاحب عرس قاسمی سید شاہ ابوالقاسم علیہ الرحمہ کی شخصیت پر بڑی اچھی روشنی ڈالتا ہے۔ آپ نے اپنے اس مضمون میں حضرت کے کچھ خاندانی کوائف، تعلیم وتربیت اور سلوک وتصوف پر گفتگو کرنے کے بعد یہ دکھایا ہے کہ حضرت خانقاہی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ ملک میں ہونے والی سیاسی اتھل پتھل پر آپ کی گرفت بڑی مضبوط تھی، تحریک خلافت ہو یا تحریک ترک موالات، تحریک تقسیم ہند ہو یا تحریک قیامِ پاکستان ہر معاملہ میں مشائخ مارہرہ کا موقف وہی تھا جو ان کے اکابر علما ومشائخ کا رہا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے تصلب فی الدین پر بڑی وضاحت اور تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

حضرت سید شاہ ابوالقاسم اسمٰعیل حسن قدس سرہٗ کو مجدد برکاتیت کہا جاتا ہے، آپ خانوادۂ برکاتیہ کے ایسے جلیل القدر فرد تھے جن کی وجہ سے برکاتیت کی تجدید ہوئی، انھوں نے اپنے کردار وعمل سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرلیا اور انھیں پند ونصائح کے ایسے جام پلائے کہ تاعمر تشنگی کا احساس نہ ہوا، آپ خلیق ملن سار اور خلوص ووفا کے پیکر تھے۔ اشرف میاں برکاتی فرماتے ہیں:

فطرت میں ان کی چارہ گری انتہا کی ہے
تاثیر ان کے کوچے میں خاکِ شفا کی ہے

آپ ۳؍محرم الحرام ۱۲۷۲ھ میں مارہرہ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۴۷ھ میں مارہرہ ہی میں وصال فرمایا اور خانقاہ برکاتیہ میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

حضرت شاہ قاسم علیہ الرحمہ کے بڑے صاحب زادے سید شاہ غلام محی الدین فقیر عالم قدس سرہٗ کی ذات والا صفات پر حضرت تاج العلما محمد میاں مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کا دس صفحے کا مضمون زیب قرطاس ہے۔ اس کے بعد سات منقبتیں پیش کی گئی ہیں جن سے آپ کے فضل وکمال اور آپ سے محبت والفت کا اظہار ہوتا ہے، ساتھ ہی آپ کے کردار وعمل اور عادات واطوار کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔

تیسرا گوشہ تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہٗ سے متعلق ہے، اس گوشے کا آغاز بھی صاحب تذکرہ کے قلمی تبرکات سے ہوتا ہے، ان میں سے ایک نثر پارہ ''مفید شرعی ہدایت'' ہے، جس میں آپ نے مسلمانوں کو ہدایت دی ہے کہ دین اسلام اور مذہب سنیت پر مضبوطی سے قائم رہیں، حصول علم میں کوشاں رہیں اور اسی کے ساتھ ملکی سیاست سے بھی وابستگی رکھیں تاکہ سیاسی

قلابازوں کے فریب میں آکر نقصان سے دوچار نہ ہوں اور اللہ ورسول کے ساتھ خوش عقیدگی پر اوس نہ پڑنے پائے کہ یہی مقصود زندگی ہے اور سامان آخرت بھی۔

آپ کی منظومات سے دو کلام شامل کیے گئے ''شوکت اسلام'' کے عنوان سے ایک مسدس ہے جس میں ۱۴۱/اشعار ہیں ان اشعار سے جہاں شوکت اسلام کا اظہار ہوتا ہے وہیں یہ اشعار اردو ادب کا بہترین نمونہ بھی پیش کرتے ہیں اور ۳۰/اشعار پر مشتمل ایک نظم ہے جس کے ہر شعر سے نجدیوں کی اسلام دشمنی اور ان کی شقاوت قلبی صاف جھلکتی ہے۔

اس کے بعد حضرت تاج العلما قدس سرہٗ کی شخصیت اور حالات وکوائف پر عالی مرتبت ڈاکٹر محمد شجاع الدین فاروقی علی گڑھ کا ایک تفصیلی مضمون ہے جو ۹۸/صفحات پر مشتمل ہے، اس میں آپ نے حضرت تاج العلما کی شخصی خوبیاں، تعلیم وتربیت، شجرۂ نسب وبیعت، تعلقات مابین بریلی ومارہرہ، علمی و قلمی خدمات، اہم کتب کا تفصیلی جائزہ، وقف بل-ایک جائزہ، قاضی بل، مکاتیب کے نمونے اور دیگر بہت سارے ضمنی عنوانات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ مضمون پڑھنے کے بعد جہاں صاحب تذکرہ کی خانقاہی مصروفیات، خدمت خلق، ملکی سیاست پر نظر اور رفاہی امور پر توجہ وغیرہ سے واقفیت ہوتی ہے وہیں ڈاکٹر فاروقی صاحب کے وسعت مطالعہ کا بھی پتا چلتا ہے اور اس بات کا بھی اندازا ہوتا ہے کہ آپ حاصل مطالعہ کو خوب صورتی کے ساتھ پرونے کا ڈھنگ خوب جانتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت سید محمد اشرف قادری برکاتی کا ایک مضمون وتاج العلما قدس سرہٗ کے دو نادر ونایاب قطعات اور ڈاکٹر علیم الدین قادری برکاتی کاس گنج کا مضمون ''خدمات دینی سیدی تاج العلما رضی اللہ عنہ'' بھی علمی، ادبی اور تبلیغی خدمات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ گوشہ حضرت شرف ملت کی منقبت پر ختم ہوتا ہے۔ مطلع یہ ہے:

یہ در، یہ آستانہ محمد میاں کا ہے
برکت کا یہ گھرانا محمد میاں کا ہے

چوتھے گوشے کا عنوان ہے سید شاہ آل عبا قادری برکاتی معروف بہ ''حضرت آوارہ'' اس عنوان کے تحت عالی جاہ ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی، شعبۂ اردو مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کا ایک مضمون شامل ہے، جس سے حضرت آوارہ کے ادبی ذوق کی عکاسی بڑے خوب صورت انداز میں ہوتی ہے۔ نثر نگاری میں آپ کو انفرادیت حاصل تھی، مزاح نگاری اور شگفتہ بیانی میں آپ کوئی ثانی نہیں رکھتے۔ آپ کے قلمی آثار سے ''بے پر کی''، ''اپنی موج میں'' اور ''میرا فرمایا ہوا'' بہت مشہور ہیں۔ فریدی صاحب نے ان ہی کتابوں کے اقتباس سے اپنے مضمون کو سجانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ۱۳/صفحے کے اس مضمون میں صاحب تذکرہ کے ادبی معرکے وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں اور چند سطور میں سوانحی خاکہ پیش کر کے مضمون

ختم کر دیا گیا ہے۔

اس مجلے میں شامل اور گوشوں کے مقابل یہ گوشہ کچھ سونا، سونا سا لگ رہا ہے۔

پانچواں گوشہ ''سید العلما سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں قادری برکاتی قدس سرہٗ'' سے معنون ہے، حضرت سید العلما کے قلمی تبرکات سے پہلے وہ خطبۂ صدارت پیش کیا گیا ہے جسے آپ نے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما کے اجلاس منعقدہ ۱/۲/۳/نومبر ۱۹۶۳ء بہ مقام گراؤنڈ حلیم کالج کان پور میں پیش کیا تھا۔ اس کے بعد آپ کے شعری خزانے سے پانچ کلام کو جگہ دی گئی ہے، جس میں حمد، نعت اور منقبت کے اشعار ہیں، ان میں آپ کا فارسی کلام بھی شامل ہے جس کا مطلع ہے:

تن بے روح را تاب وتوانے کردہ ام پیدا
بہ ذکر نام احمد پاک جانے کردہ ام پیدا

ان تبرکات کے بعد آپ کی حیات وخدمات پر حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا ۹۳/صفحات پر مشتمل ایک شان دار مضمون ہے جس میں آپ نے درج ذیل عنوانات پر بڑی ہی سنجیدہ اور پروقار گفتگو کی ہے جس سے صاحب تذکرہ کے حالات اور کارناموں کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔ عنوانات کی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔

شجرۂ پدری ومادری۔ ولادت۔ تعلیم وتربیت۔ تعلیم حکمت اور مطب۔ بیعت وخلافت۔ بمبئی کی امامت۔ غازی ملت کا قضیہ اور سید العلما۔ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما کا قیام۔ قیصر باغ میں کھلا اجلاس۔ مجلس انسداد فسادات۔ تصنیف وتالیف۔ خطابت۔ فتویٰ نویسی۔ ذوق شعر وسخن۔ سید العلما اور الجامعۃ الاشرفیہ تحریک۔ مکتوب نگاری۔ کشف وکرامت۔ وفات حسرت آیات۔

ماخذ ومراجع کی ایک لمبی فہرست اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے یہ مضمون بڑی ہی دقت نظر اور تحقیق کے ساتھ رقم فرمایا ہے اور کیوں نہ ہو کہ ایک محقق اپنی بات بغیر دلیل کے نہیں پیش کرتا۔

شرف ملت سید محمد اشرف قادری برکاتی اور ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی کی منقبتوں پر یہ گوشہ ختم ہوتا ہے۔

چھٹا گوشہ احسن العلما سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن قادری برکاتی قدس سرہٗ کی ذات بابرکات سے عبارت ہے۔ یہ گوشہ بھی حضرت کے مبارک رشحات اور تحریری تبرکات سے شروع ہوتا ہے، مشمولہ مضمون ''حقیقی کامیابی کا راز'' وہ ناصحانہ مضمون ہے جس میں آپ نے امت مسلمہ کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ مسلمان اسی وقت کامیابیوں سے ہم کنار ہو سکتا ہے جب اللہ کی بندگی اور رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی الفت ومحبت سے سرشار ہو، اس کے بغیر نہ دنیا بن سکتی ہے نہ آخرت۔ اخیر مضمون میں آپ رقم فرماتے ہیں کہ خدا ورسول اور ان کے محبوبوں کے ہو جاؤ۔ ان کے دشمنوں، مخالفوں، ان کے غیروں سے

ناتہ توڑلو، پھر تمھارے لیے ابدی راحتیں، ہمیشگی کا چین و آرام رب کریم کے فضل سے ملے گا۔ تم اللہ سے ڈرو، سب تم سے ڈرنے لگیں گے، ساری ترقی اور کامیابی اسی میں ہے۔

شعری ذخیرے سے تین کلام منتخب کیے گئے، ایک نعت سرورِ کائنات اور دو منقبتیں، جن میں ایک غوث اعظم قدس سرہٗ کی شان بالا درجات میں ہے اور دوسری امام احمد رضا قدس سرہٗ کی شان رفیع المنزلۃ میں۔

آپ کے احوال وکوائف پر آپ کے صاحب زادۂ گرامی سید محمد اشرف قادری برکاتی کا مضمون بنام ''احسن العلما قدس سرہٗ'' بڑا تفصیلی اور معلوماتی مضمون ہے، یہ مضمون ص۵۵۴ر سے شروع ہوکر ص۶۷۶ر پر ختم ہوتا ہے، اس طرح اس کی ضخامت ۱۲۲ر صفحے کی ہوتی ہے۔ یہ تحریر ان کی کتاب ''یادِ حسن'' کی تلخیص ہے جو کئی سال پہلے چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہے۔ حضرت شرف ملت کے زہرہ نگار قلم سے نکلی ہوئی یہ تحریر حضرت احسن العلما رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وکارنامے کے ہر گوشے پر بہ طریقۂ احسن روشنی ڈالی ہے عنوان بندی کچھ اس طرح ہے کہ پہلے خانقاہ برکاتیہ کا مختصر تعارف پیش کیا ہے اس کے بعد ولادت، بیعت وخلافت، بچپن، تعلیم، دینی وعلمی خدمات، زبان وادب پر عبور، اعلیٰ حضرت سے انس، خلافت نامہ خاندانی، تاج العلما کا مرتب کردہ محضر سجادگی، وقف نامہ، سید العلما کا مرتب کردہ محضر سجادگی، احسن العلما کی رسم سجادگی، شفقتیں اور کریمانہ عادتیں، خرقہ پوشی کی شب، علما کا اعزاز، تبلیغی اسفار، انداز تربیت، شجرۂ پدری و مادری، دینی اور سیاسی بصیرت اور دیگر بہت سے اہم گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس تحریر کو ماخذ اور سند کی حیثیت حاصل ہے، اس لیے کہ یہ رشحات قلم صاحب تذکرہ کے نور نظر کے ہیں جنھوں نے آپ کے صبح وشام اس طرح سے دیکھے ہیں کہ کوئی دوسرا اس طرح نہیں دیکھ سکتا اس لیے ان کی بات سند اور اعتبار کا درجہ ضرور رکھے گی۔

اس طویل مضمون کے بعد چند مضامین اور منقبتیں شامل ہیں، ان میں فدائے مرشد محمد اکبر قادری برکاتی کا مضمون بہ عنوان ''ایک شفیق مربی'' ہے۔ اس میں انھوں نے حضرت احسن العلما کے آخری ایام کے حالات اور ان کی میٹھی میٹھی باتیں بڑے اچھے پیرایے میں بیان کی ہیں۔

سید محمد اکمل اجملی الہ آباد، علامہ اختر رضا خاں ازہری بریلی شریف، بحر العلوم مفتی عبد المنان مصباحی مبارک پور، مفتی مظفر احمد قادری داتا گنج، سید محمد اشرف قادری برکاتی مارہرہ، یاور وارثی کان پور، قاسم حبیبی کان پور، میکائیل ضیائی کان پور، ڈاکٹر ساحل شہسرامی علی گڑھ، شہیر رضوی لکھیم پور اور ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی علی گڑھ کی منقبتیں بھی شامل ہیں جو حضرت احسن العلما کی محبت، الفت اور وابستگی کے ساتھ ادب اردو کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہیں۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی دار القلم دہلی، آپ ایک مدبر، مفکر اور بہترین ادیب کی حیثیت سے

معروف ہیں۔ آپ کا نوشتہ ''مشائخ مارہرہ مطہرہ اور امام احمد رضا بریلوی'' بھی اس مجلّے کو زینت بخش رہا ہے، اس عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ اس میں مشائخ مارہرہ اور امام احمد رضا کے تعلق خاطر اور ارتباط باہمی کے روشن پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس مضمون میں آپ نے اس بات کی وضاحت بھی فرمائی ہے کہ اس موضوع پر مشتمل ایک کتاب ''فیضان قادریت و برکاتیت'' کے مطالعہ سے آپ کی آنکھیں جلد ہی روشن ہوں گی۔ اللہ کرے یہ کتاب جلد منظر عام پر آئے۔

ڈاکٹر ساحل شہسرامی نے ''اک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی'' کے تحت حضرت ملک العلما کے صاحب زادے پروفیسر مختار الدین آرزو کے وصال پر تعزیتی کلمات اور کچھ احوال وکوائف پیش کیے ہیں اور مولانا علی احمد سیوانی آپ کی شان میں منقبت کا گلدستہ پیش کرتے ہیں۔

اخیر میں فدائے مرشد محمد اکبر قادری برکاتی نے عرس قاسمی برکاتی ۲۰۰۹ء کی روداد، احسن العلما کے پندرہویں سالانہ فاتحہ کی روداد اور حضرت امین ملت مدظلہ کے علمی، دینی اور تبلیغی اسفار کی دل کش روداد پیش کی ہے۔ ممبئی میں عرس احسن العلما کی روداد مفتی محمد اشرف رضا قادری نے پیش فرمائی اور احمد مجتبیٰ صدیقی زید مجدہٗ نے بڑے ہی دل نشین اور خوب صورت پیرایے میں ''حضرت امین ملت کے تہنیتی اجلاس- جارج ٹاؤن یونی ورسٹی کے سروے کے حوالے سے'' کی رپورٹ پیش کی ہے اور جامعۃ البرکات کے کوائف اور حالات بیان کیے ہیں۔

آخری بات: اکابر مارہرہ مطہرہ پر دو خصوصی شمارے چھپے پہلی جلد ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء میں اور دوسری جلد ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء میں منظر عام پر آئی۔ حضرت سید نجیب حیدر برکاتی پہلے خصوصی شمارے کے اداریے میں لکھتے ہیں کہ اکابر مارہرہ پر یہ خصوصی شمارہ تمام اکابر کا احاطہ نہیں کر سکا اس لیے بعونہ تعالیٰ یہ ارادہ کیا کہ پہلے شمارے میں خاندان کی مختصر تاریخ اور تاریخ کی کڑی سے کڑی جوڑنے کے لیے مارہرہ آنے سے پہلے والے بزرگوں کے مختصر احوال اور پھر شاہ عبد الجلیل، حضور صاحب البرکات، حضرت شاہ حمزہ، حضور آل احمد اچھے میاں صاحب قدست اسرارہم کا ذکر تفصیل سے بیان ہو۔

اگلے شمارے یعنی دوسری جلد میں ان شاء اللہ تعالیٰ خاتم اکابر سید شاہ آل رسول، خاتم اکابر ہند سید شاہ ابو الحسین نوری، سید شاہ صادق، حضرت ابو القاسم سید شاہ اسماعیل حسن عرف شاہ جی میاں، تاج العلما حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب، حضرت سید العلما سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں، حضور احسن العلما سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قدست اسرارہم کے بارے میں مضامین ہوں گے۔ (ص ۱۰-۱۱)

اور دوسری جلد کے اداریے میں رقم طراز ہیں کہ پہلے حصے میں مختصر تاریخ سادات مارہرہ وبلگرام اور حضرت صاحب البرکات سے لے کر حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ تک بزرگان مارہرہ کی حیات وخدمات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی، موجودہ شمارے یعنی دوسرے

خصوصی شمارے میں خاتم الاکابر ہند حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہٗ سے لے کر حضور احسن العلما قدس سرہٗ تک حالات مشائخ مارہرہ پیش کر رہے ہیں۔ (ص:۷)

حضرت مدیر اعلیٰ کے پہلے حصے کے اداریہ سے پتا چلتا ہے کہ اس کا دوسرا حصہ خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ کے ذکر سے شروع ہوگا اور دوسرے حصے کا اداریہ، یہ بتاتا ہے کہ پہلے حصے میں حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ تک بزرگان مارہرہ کی حیات وخدمات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی۔

جب کہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی کے تذکرے پر نہ پہلا حصہ ختم ہوتا ہے نہ دوسرا شروع ہوتا ہے۔ پہلا حصہ حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں برکاتی قدس سرہٗ پر ختم ہوتا ہے اور دوسرا حصہ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ سے شروع ہوتا ہے۔ اس طرح حضرت خاتم الاکابر قدس سرہٗ کا تذکرہ بیچ سے حذف ہے، ایسا کیوں ہوا اس کی حکمت مجھے سمجھ میں نہ آسکی۔

سنی دعوتِ اسلامی کا ایک اہم علمی کام

فتاویٰ رضویہ (مترجم، ۳۰ رجلدوں) سے عقائد وکلام کے مسائل کا ایک جامع اور تحقیقی انتخاب

عقائد اسلامی

مرتبین: طلباے جامعہ غوثیہ

ناشر: ادارہ معارف اسلامی

شائع کردہ: مکتبہ طیبہ، ۱۲۶، کامبیکر اسٹریٹ ممبئی-۳

کل صفحات: ۲۰۰ ہدیہ: ۵۰ روپے

خلیفۂ اعلیٰ حضرت

ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری

المجمع الاسلامی، مبارک پور

ملک العلما فاضل بہار حضرت مولانا ظفرالدین قادری رضوی میجروی ہندوستان کے ان مقتدر ومعتمد علما میں سے تھے جن پر بجا طور سے فخر کیا جا سکتا ہے۔ ایسے علما جلدی پیدا نہیں ہوتے، علم وفضل اور فکر وفن میں آپ یکتاے روزگار تھے، علم حدیث میں آپ کو خصوص کا درجہ حاصل تھا، فقہ میں بھی صاحب کمال تھے اور علم ہیئت وتوقیت میں تو منفرد وبے مثال تھے کہ آپ کے بعد آپ جیسا ماہر دوسرا دیکھنے میں نہ آیا۔ اس فن میں آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کے سچے جانشین اور وارث تھے کہ خود اعلیٰ حضرت کو آپ پر فخر تھا۔

آپ محدث بھی تھے، مفتی بھی، منطقی بھی تھے، مناظر بھی، نکتہ رس اور دل نشین خطیب بھی تھے اور شان دار مصنف بھی، اور سب پر مستزاد یہ کہ ایک ماہر ذی استعداد، جامع علوم وفنون اور مایۂ ناز مدرس بھی تھے۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کے تلامذہ وخلفا میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اعلیٰ حضرت نے الاستمداد (منظوم) میں جہاں اپنے تلامذہ وخلفا کا ذکر کیا ہے۔ آپ کو تیسرے نمبر پر رکھا ہے۔ سب سے پہلے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب زادۂ اکبر، دوسرے نمبر پر عید الاسلام مولانا عبدالسلام صدیقی جبل پوری کو، تیسرے نمبر پر ملک العلما کو۔ اس میں فرماتے ہیں:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

اعلیٰ حضرت نے اپنے ایک مکتوب میں ان خوبیوں کو بیان کیا ہے:

''سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں، عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، علماے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔''

(مکتوب بہ نام خلیفہ تاج الدین بہ حوالہ حیات اعلیٰ حضرت اول ص ۲۲۴، مطبوعہ بریلی)

ولادت: ملک العلما مولانا محمد ظفرالدین رضوی کی ولادت بہ مقام رسول پور، میجرا ضلع پٹنہ (اب ضلع نالندہ) صوبہ بہار ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۹؍ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت ہوئی۔ آپ کے والد

ماجد ملک عبدالرزاق اشرفی تھے اور دادا ملک کرامت حسین اور پردادا ملک احمد علی تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی ہیں۔ جن کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی، قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

تعلیم و تربیت اور درس و تدریس: چارسال کی عمر میں والد ماجد نے اپنے پیر و مرشد شاہ چاند بیتھوی سے آپ کی تعلیم کا آغاز کرایا۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی رہ کر حاصل کی۔ بعدۂ موضع بین کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں داخلہ لیا۔ وہاں تفسیر جلالین وغیرہ تک کی تعلیم کے بعد مدرسہ حنفیہ اہل سنت لودی کٹرہ، پٹنہ سٹی میں محدث سورتی مولانا وصی احمد سے تحصیل علوم کی۔ پھر جب محدث سورتی پٹنہ چھوڑ کر پیلی بھیت گئے تو آپ بھی وہاں جاکر تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اس درمیان کچھ وقت کان پور میں گزارا اور وہاں مولانا قاضی عبدالرزاق کان پوری، مولانا احمد حسن کان پوری اور مولانا عبیداللہ پنجابی سے بھی استفادۂ علمی کیا۔

پیلی بھیت سے بریلی شریف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی بارگاہ میں آئے اور جملہ علوم وفنون میں کمال حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت کے وہاں چوں کہ مدرسہ نہ تھا اس لیے پہلے پہل مدرسہ مصباح التہذیب میں چلے گئے پھر جب وہاں فضا خوش گوار نہ دیکھی تو اعلیٰ حضرت کے وہاں گئے اور کچھ وقت گزار کر اپنی کوشش سے مدرسہ منظر اسلام کے قیام کی راہ ہموار کی۔ جب مدرسہ قائم ہوگیا تو آپ نے پڑھ کر وہاں کچھ دنوں پڑھایا، پھر ملک کے مختلف مدارس میں رہ کر تدریسی فرائض انجام دیے۔ جن میں مندرجہ ذیل مدارس مشہور ہیں:

مدرسہ منظر اسلام بریلی، مدرسہ حنفیہ آرا بہار، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ، مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام، مدرسہ لطیفیہ کٹیہار

تقریباً ۵۵ رسال تک آپ نے بساط درس قائم رکھی۔ درس وتدریس کے علاوہ وعظ وتبلیغ کے فرائض بھی انجام دیے۔ خانقاہ، بارگاہ عشق میتن گھاٹ پٹنہ میں سالانہ آپ کے مواعظ شب معراج میں ہوا کرتے۔ ان مواعظ میں بعض نقل بھی ہوئے اور ان میں بعض شایع بھی ہوئے۔

حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ کی بعض بڑی اہم خصوصیات اور خدمات ہیں کہ پوری جماعت اہل سنت ان کے بارتلے دبی ہوئی ہے۔ ان میں اول نمبر پر مدرسہ منظر اسلام بریلی کا قیام ہے۔ گویا مرکز اہل سنت کی مرکزی درس گاہ کے بانی ومحرک آپ ہی ہیں۔ دوسرے نمبر پر ''صحیح البہاری معروف بہ جامع الرضوی'' ہے جو فقہ حنفی میں احادیث کا ایک مستند مجموعہ ہے۔ اور تیسرے نمبر پر حیات اعلیٰ حضرت کی ترتیب وتدوین ہے۔ جو آج اعلیٰ حضرت پر لکھی جانے والی تمام سوانحی کتابوں کا اصل ماخذ ہے۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت محدث سورتی مولانا وصی احمد علیہ الرحمہ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کو خصوصیت کا درجہ حاصل ہے۔ آپ نے اعلیٰ حضرت سے درسِ بخاری لیا اور فتویٰ

نویسی سیکھی۔ حضرت محدث سورتی سے متوسطات اور انتہائی کتابوں کا درس لیا۔ آپ کی بارگاہ میں ملک العلما دوبار گئے۔ پہلے پٹنہ ہی میں درس لیا۔ جب محدث سورتی مدرسہ حنفیہ اہل سنت میں مدرس تھے پھر کان پور تشریف لے گئے، وہاں متعدد مدارس میں کئی مدرسین سے استفادہ کیا لیکن پیاس نہیں بجھی، تو پھر حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں پیلی بھیت حاضر ہوئے۔ جب وہ پٹنہ سے منتقل ہوکر مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں آچکے تھے۔

حضرت ملک العلما اور سید عبدالرشید عظیم آبادی علیہما الرحمہ کی خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ آپ دونوں حضرات کی دستار بندی ماہ شعبان ۱۳۲۵ھ کی کسی تاریخ کو علمائے کرام کے ایک بڑے مجمع میں اعلیٰ حضرت کی درخواست پر چشتی مشرب کے مشہور بزرگ شیخ العالم مخدوم عبدالحق ردولوی قدس سرہٗ کی بارگاہ کے سجادہ نشین حضرت مخدوم شاہ التفات احمد قدس سرہٗ کے مقدس ہاتھوں سے عمل میں آئی۔ اعلیٰ حضرت نے اسی سال یعنی ۱۳۲۵ھ میں سلاسل عالیہ کی سند اجازت وخلافت بھی عطا فرمائی اور ''فاضل بہار'' کا خطاب عطا فرمایا۔

وصال: عمر کے آخر حصے میں مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے پرنسپل ہوئے۔ (۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۰ء) وہاں سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد ظفر منزل پٹنہ میں قیام رہا۔ اسی دوران شاہ شاہد حسین درگاہی میاں، سجادہ نشین بارگاہِ عشق میتن گھاٹ پٹنہ کی فرمائش پر کٹیہار تشریف لے گئے۔ جہاں مدرسہ لطیفیہ بحرالعلوم کی خدمات میں مصروف رہے۔ یہ دور، ۱۳۷۱ھ تا ۱۳۸۰ھ کا ہے۔ پھر ۱۳۸۰ھ میں ظفر منزل پٹنہ واپس آئے تو آخر عمر تک وہیں رہے اور ۱۹ر جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء میں ذکر بالجہر کرتے ہوئے مالک حقیقی سے جاملے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور پٹنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جن سے ملک العلما کو اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔ آپ کا مزار درگاہ شاہ ارزاں سلطان گنج پٹنہ کے قبرستان میں ہے۔ چند سالوں سے مذکورہ تاریخ میں یوم وصال منانے کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔

تصانیف: آپ کی تصانیف وتالیف کی تعداد ۷۰ر سے زائد ہے۔ کچھ کتابیں عربی زبان میں ہیں لیکن زیادہ تر اردو میں ہیں۔ یہ متعدد فنون سے متعلق ہیں مثلاً حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، تاریخ و سیرت، مناقب، اخلاق، صرف ونحو، منطق وفلسفہ، کلام، ہیأت وتوقیت اور مناظرہ وغیرہ۔ ان میں زیادہ تر غیر مطبوعہ اور قلمی ہیں۔ کچھ ہی کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوسکی ہیں۔ ۷۰ر تصانیف کی فہرست مع مختصر تبصرہ وکوائف ڈاکٹر محمد مختار الدین احمد آرزو صاحب زادۂ ملک العلما نے اپنی کتاب ''حیات ملک العلما'' میں دے دی ہے۔

(بعد میں مزید دریافت کے بعد ۷۶ر تصانیف کی ایک فہرست پروفیسر طارق مختار ابن ڈاکٹر

مختارالدین نے مرتب کی جو" مکاتیب مفتی اعظم" کے ساتھ طبع ہوئی ہے-مرتب)

چند اہم تصانیف کے نام یہ ہیں:

(۱) صحیح البہاری معروف بہ جامع الرضوی (حدیث)
(۲) شرح کتاب الشفا بحقوق المصطفیٰ (سیرت)
(۳) التعلیق علی القدوری (فقہ)
(۴) بدرالانوارلمیقات کل الصلوٰۃ والصیام (توقیت)
(۵) توضیح الافلاک (ہیأت)
(۶) نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (فقہ)
(۷) حیاتِ اعلیٰ حضرت (سوانح)
(۸) النوروالضیاء فی سلاسل الاولیاء (تصوف)
(۹) مواہب الارواح القدس لکشف حکم العرس (فقہ)
(۱۰) المجمل المعد دلتالیفات المجدد (تاریخ)
(۱۱) الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت (توقیت)
(۱۲) جواہرالبیان ترجمہ الخیرات الحسان (سوانح)
(۱۳) سرورالقلب المحزون فی الصبرعن نورالعیون ترجمہ شرح الصدور (مواعظ)
(۱۴) تنویرالمصباح للقیام عندحی علی الفلاح (فقہ)
(۱۵) نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (فقہ)

نصرۃ الاصحاب کا تعارف: کتاب نصرۃ الاصحاب معروف بہ ایصال ثواب کے "شرعی طریقے" ملک العلما فاضل بہار علیہ الرحمہ کی ایک علمی و تحقیقی تصنیف ہے جس میں آپ نے ایصال ثواب کے مروج طریقوں کو دلائل سے مبرہن کیا ہے۔ یہ کتاب بہار کے ایک مشہور عالم مولانا تمنا عمادی مجیبی پھلواری کے چار سوالوں کے جواب میں تصنیف فرمائی۔ ان سوالات کے جوابات میں حضرت ملک العلما نے تحقیق کے دریا بہا دیے ہیں۔ سوال میں فرمایش کی گئی کہ ہر عبارت مکمل حوالے کے ساتھ نقل کی جائے۔ تو حضرت ملک العلما نے ہر عبارت کو حوالوں سے جکڑ دیا۔ صفحات بھی لکھ دیے عربی عبارات کے ترجمے بھی کر دیے۔ البتہ فارسی عبارات کا ترجمہ نہیں کیا۔ شاید اس وقت اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ کتاب پہلے پٹنہ سے ۱۳۵۴ھ میں مصنف کی حیات ہی میں شایع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ادارہ احسن المعارف کان پور سے مولانا محمد ادریس رفاقتی کے اہتمام سے ۱۳۸۵ھ میں شایع ہوا۔ اس ایڈیشن میں فارسی عبارتوں کا ترجمہ بھی مولانا محمد یوسف عظیم آبادی مدرس مدرسہ احسن المدارس کان پور نے کر دیا

ہے۔ پھر اس دوسرے ایڈیشن کا عکس **المجمع العلمی** منڈئی کلاں ہزاری باغ سے شایع ہوا۔ غالباً اس کی دوبارا اشاعت ہوئی۔ یہ ادارہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں پڑھنے والے طلبا کا قائم کردہ ہے، جس سے اس کتاب کے علاوہ دیگر کئی کتابوں کی اشاعت بھی عمل میں آئی ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان سے بھی "نصرۃ الاصحاب" کا ایک ایڈیشن چھپا ہے لیکن راقم الحروف کی نظر سے اس کا کوئی نسخہ نہیں گزرا۔

اس کتاب کی تالیف کے وقت حضرت ملک العلما مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں پرنسپل کے عہدے پر فائز تھے۔ اس لیے اس کتاب پر وہاں کے اساتذہ کے تصدیقی دستخط بھی ثبت ہیں جو شامل کتاب ہیں۔

جدید ایڈیشن المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ کی جانب سے بہ اہتمام مولانا نصراللہ رضوی مصباحی استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، مئو و رکن المجمع الاسلامی مبارک پور نئی کمپوزنگ کے ساتھ اشاعت پذیر ہوا ہے۔

پوری کتاب ایصال ثواب کے پچیس طریقوں پر مشتمل ہے اور ہر طریقۂ ایصال ثواب دلائل سے پر ہے، اور ہر سوال کا جواب مصنف نے بڑی تحقیق سے سپرد قلم کیا ہے۔ آخر میں یہ ثابت کیا ہے کہ ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے۔ جو زمانہ قدیم کا ایک گم راہ فرقہ ہے، اب اس کا وجود نہیں اور نہ ہی کوئی اپنے کو معتزلی کہلانا پسند کرتا ہے لیکن معتزلیوں کی روش پر چلنے والے آج بھی خال خال پائے جاتے ہیں جیسا کہ سائل کے سوال سے ظاہر ہے۔

واضح رہے کہ رسالہ کا نام تاریخی ہے۔ مصنف اختتام کتاب پر خود فرماتے ہیں:

"قصد تھا کہ ان چاروں سوالوں کے مختصر جوابات لکھ کر روانہ کر دیے جائیں مگر جواب نے ایک رسالہ کی شکل اختیار کر لی تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کا تاریخی نام "نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب" (۱۳۵۴ھ) رکھا جائے۔ خداوندا! اس رسالہ کو میرے دیگر رسائل و تصانیف کی طرح قبول فرما، اور مجھ کو اور میرے سب دینی بھائیوں کو اس سے فائدہ پہنچا۔" (آمین)۔ (نصرۃ الاصحاب ص۱۷۶، کان پور)

ضرورت ہے کہ اس مبارک رسالے کو عام کیا جائے اور گھر گھر پہنچایا جائے تاکہ ایصال ثواب کے منکرین کی دہن دوزی ہو سکے اور اس پر کاربند اسلامی بھائیوں کو دلائل دیکھ کر پورے طور پر اطمینان بھی ہو کہ ہم جو فاتحہ و ایصال ثواب پر عمل پیرا ہیں یہ بالکل حق و درست اور قرآن پاک و احادیث مبارکہ اور اقوال ائمہ کرام و ارشادات سلف صالحین سے ثابت ہے۔ دعا ہے کہ اللہ عزوجل ہمیں حق قبول کرنے، حق پر چلنے اور حق بات کی تبلیغ و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ الصلاۃ والتسلیم

امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے ایک گم نام خلیفہ

مولانا شمس الدین احمد قادری علیہ الرحمہ

مولانا محمد اسلم رضا قادری ثقافی

استاذ جامعہ فیضان اشفاق، ناگور شریف، راجستھان

صوبۂ راجستھان رقبے کے اعتبار سے جدید ہندوستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ برصغیر ہندو پاک کا روحانی دارالسلطنت اجمیر معلیٰ اسی سرزمین پر ہونے کی وجہ سے مسلمانان ہندو پاک کا مرکز عقیدت بھی ہے۔ صدیوں پہلے سلطان الہند عطاے رسول سرکار غریب نواز رضی اللہ عنہ نے اسی سرزمین پر اپنی خانقاہ قائم فرمائی اور کلمۂ توحید کی ضیا بار کرنوں سے پورے برصغیر کو منور فرما دیا۔ آپ کی روشن کردہ شمع جلتی رہی جب جب ضرورت محسوس ہوئی آپ کے خلفا، تلامذہ، مریدین و معتقدین اس میں علم و عرفان اور رشد و ہدایت کا روغن ڈالتے رہے یہ سلسلہ جاری رہا، علما و مشائخ یکے بعد دیگرے اس فریضہ کو انجام دیتے رہے، روحوں کی دنیا میں انقلاب برپا کرنے والے صوفیا ظلمت کدۂ دل کی تیرہ و تاریک وادیوں میں عشق و عرفان کی چاندنی بکھیرتے اور روشنی لٹاتے رہے۔ جس سے ایک پرسوز فضا، پرکیف ماحول اور پراثر مناظر روحانیت کے سانچے میں ڈھلتے رہے۔ قافلوں کے قافلے، جھنڈ در جھنڈ متلاشیان حق آتے رہے اور تزکیۂ باطن و تحلیۂ روح کا لطف اٹھاتے رہے۔ ویران خانے سجتے رہے نہاں خانے سنورتے رہے، سنگ ریزے لعل و گہر اور لعل و گہر آفتاب و ماہ تاب بنتے رہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں کے زرخرید مولویوں کی جدت طرازیوں، فکری بے راہ رویوں اور آزاد خیالیوں نے مذہبی دنیا میں تہلکہ مچایا، ذات خدا جل جلالہ و مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے نئی نئی موشگافیاں زور پکڑنے لگیں، دینی و روحانی ماحول اتھل پتھل کا شکار ہونے لگا تو مسلم قوم و ملت میں اضطرابی لہر پیدا ہوئی۔ ایسے دور میں طبقۂ علما و مشائخ میں جن مقتدر ہستیوں کو مسلم معاشرے کی قیادت و رہ نمائی کا حق حاصل تھا ان میں نمایاں ترین شخصیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری علیہ الرحمہ کی ذات گرامی تھی۔ آپ نے علماے ملت اسلامیہ کے منتشر شیرازے کو مجتمع کیا اور بڑے عزم و احتیاط کے ساتھ اپنے علم و عمل کو تحریک کی شکل دی اور دفاعی مورچہ بندی کی تمام ذمہ داری سنبھالی، سو سے زیادہ علوم و فنون کو اپنی گرفت میں لینے والی فکر و نظر سمٹ کر تقدیس الٰہی کی صیانت، ناموس رسالت کی حفاظت، ابطال بدعت و ضلالت اور فروغ کتاب و سنت میں لگ گئی اور اس سلسلے میں آپ نے کم و

بیش دو سو کتابیں تصنیف کیں اور ہزار ہا دلائل سے احقاق سنت و ابطال بدعت و ضلالت کیا۔ اپنے خلفا و تلامذہ اور مریدین کو آراستہ کر کے ملک کے کونے کونے میں اسی مقصد کی خاطر رواں دواں کیا۔ راجستھان کی دھرتی بھی آپ کے فیضان کرم سے محروم نہ رہی، آپ کے خلفا و مریدین نے حکمت تبلیغ کے پیش نظر صلاح و فلاح کی فضا بنانے اور افہام و تفہیم کی راہ نکالنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی، صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، امام المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ الوری، ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین بہاری اور خود شہزادۂ اصغر حضور مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری علیہم الرحمہ نے تبلیغی اور اصلاحی خدمات کے ذریعہ نہایت اہم اور مؤثر کردار ادا کیا۔ ان کے علاوہ بہت سے خلفا نے اس سرزمین کو اپنی دینی و اصلاحی خدمات سے نوازا ہے۔ ان میں سے وہ جن کا تعلق راجستھان کی دھرتی سے ہے چند یہ ہیں:

(۱) ابو الحسنات حضرت مولانا سید محمد احمد قادری الوری

(۲) ابو البرکات حضرت مولانا سید احمد قادری الوری

(۳) حضرت مولانا سید حسین علی رضوی اجمیر شریف

(۴) حضرت مولانا سید غلام علی صاحب اجمیر شریف

(۵) حضرت مولانا مفتی شمس الدین احمد قادری کمہاری ناگور شریف

(۶) حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب اعظمی جے پور

(۷) حضرت مولانا مفتی عبد الکریم صاحب چتوڑ گڑھ

(۸) حضرت مولانا ظہیر الحسن صاحب اعظمی اودے پور

(۹) حضرت مولانا سید محمود الحسن صاحب زیدی الوری

سلسلہ کو پھیلانے والے خلفا ہی ہوتے ہیں۔ شیخ کی تعلیمات و ارشادات اور ہدایات کو عام کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے کتنے خلفا ہیں؟ اس کا صحیح علم تو نہیں مگر ماہر رضویات پروفیسر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''ہندو پاک اور عرب و عجم میں حضرت رضا بریلوی کے دو سو سے زیادہ خلفا ہوئے۔ جن میں سے اکثر اپنے عہد کے ممتاز علما و مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔''[۱] آپ کے خلفا میں مفسرین، محدثین، مناظرین، متکلمین، مدرسین، مبلغین، واعظین اور مفتیان کرام کی تعداد زیادہ ہے۔

خلفاے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی علمی ثقاہت کے بارے میں پروفیسر صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''حضرت فاضل بریلوی کے خلفا میں بعض تو ایسے بھاری بھرکم ہیں کہ ان کے حالات و خدمات کا جائزہ لیا جائے تو ضخیم کتابیں تیار ہو جائیں۔ افسوس ابھی تک کما حقہ کام نہیں کیا

گیا ورنہ دنیا دیکھتی کہ ہندوستان کے آسمان علم و دانش سے طلوع ہونے والا آفتاب اپنے دامن میں کتنے چاند سمیٹے ہوئے تھا۔ ان خلفا پر سیر حاصل لکھنے کی ضرورت ہے لیکن راہ میں بہت کٹھن مرحلے ہیں۔ ان کو طے کرنا آسان نہیں۔'' [۲]

الحمدللہ! اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے راقم نے امام احمد رضا قدس سرہ کے ان گم نام خلفا کی حیات و خدمات جمع کرنے کی ادنیٰ کوشش کی ہے۔ اب تک دو خلفا کے حالات جمع کرنے میں کامیابی ملی ہے۔ (۱) حضرت مولانا سید حسین علی رضوی اجمیر شریف [۳] (۲) حضرت مولانا ظہیر الحسن صاحب اعظمی اودے پور [۴] اور زیر نظر مقالہ اس سلسلے کی تیسری کڑی ہے۔ (۳) حضرت مولانا مفتی شمس الدین احمد قادر کمہاری ناگور شریف علیہ الرحمہ

ولادت: حضرت مولانا مفتی شمس الدین احمد قادری علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ۱۲۷۴ھ میں کمہاری میں ہوئی جو باسنی (ناگور) سے تین کلومیٹر جنوب مغرب جانب واقع ہے۔ آپ کے پہلے بزرگ ۱۲۰۵ھ میں پیر پٹھان غوث زماں حضرت شاہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر روحل شریف سے کمہاری تشریف لائے اور یہیں آباد ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ کمہاری کے مشہور بزرگ حضرت حسن شہید بالا پیر علیہ الرحمہ آپ ہی کے آبا و اجداد میں سے ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے حضرت مولانا مفتی شمس الدین احمد قادری بن محمد دیدار بخش بن محمد عثمان بن حیات بخش (جیون بخش) بن شیخ حسن بن شیخ محمد سلیمان بن قاضی شاہ محمد۔ [۵] حضرت قاضی شاہ محمد کا مزار غالباً روحل شریف میں واقع ہے۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم گھر ہی میں رہ کر اپنے بزرگوں سے حاصل کی۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے اس وقت کی عظیم دینی درس گاہ دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف کا رخ کیا۔ حضرت مولانا معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ آپ کے خصوصی استاذ تھے۔ وہاں سے فراغت کے بعد تقریباً دو سال تک مرکز اہل سنت بریلی شریف میں امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں رہے اور اکتساب فیض کیا۔ [۶] حتیٰ کہ آپ ''فاضل بریلی'' سے زیادہ مشہور ہوئے۔

دینی خدمات: بریلی شریف سے آنے کے بعد کمہاری کے احباب اہل سنت کے اصرار پر دین و سنیت کی خدمت کے لیے احمد شہید مسجد کی امامت کو قبول کیا اور ساتھ ہی ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ اپنی قوم کی صلاح و فلاح کے لئے ہر وقت سرگرم رہتے۔ درس و تدریس کے علاوہ وعظ و نصیحت کے ذریعہ اپنی قوم کی اصلاح کی بھرپور کوشش فرماتے۔ آپ نے کچھ دن قصبہ بسّی ضلع چتوڑ گڑھ میں بھی خدمات انجام دیں۔ مرکزی مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ صدر بازار باسنی میں بھی آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، جیسا کہ بابائے قوم اشفاق العلما مفتی اشفاق حسین صاحب قبلہ نعیمی مدظلہ العالی فرماتے ہیں: ''اس کے اساتذہ میں حضرت مولانا لئیق احمد صاحب نعیمی و حضرت مولانا شمس الدین

صاحب سرفہرست ہیں۔'' [۷]

حضرت مولانا شمس الدین احمد قادری علیہ الرحمہ کو اپنے دور کے ممتاز فقیہ، جید عالم اور مجدد اعظم امام احمد رضا قادری قدس سرہ سے شرف تلمذ حاصل تھا اسی بنا پر آپ اپنے علاقے میں مرجع خاص و عام تھے۔ جب بھی کوئی مشکل مسئلہ آجاتا تو عوام اور علما سب آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ شریعت کی روشنی میں اس کو حل فرماتے۔ جیسا کہ حضرت مولانا امیر احمد صاحب بقاؔ کے ایک مکتوب (بہ نام حضور صدر الشریعہ) سے ظاہر ہوتا ہے: ''اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جس رات کو چاروں نکاحیں منعقد ہوئے تھے۔ اسی رات کو چھ سات آدمی کمہاری مولوی شمس الدین صاحب کی خدمت میں گئے تھے۔ ان چھ سات آدمیوں میں نکاح شدہ بچے بچیوں کے والدین بھی تھے اور نکاح کے گواہ بھی تھے اور نکاح پڑھانے والے بھی تو مولوی صاحب موصوف کے سامنے (مولوی) صوفی نصیر الدین صاحب نے جس طور سے نکاح پڑھایا تھا اس طور سے صورت بیان کی۔'' [۸]

آپ اپنے وقت کے جید عالم دین تھے۔ کتابوں سے بڑا لگاؤ تھا اسی وجہ سے آپ کے پاس کتابوں کا ایک ذخیرہ موجود تھا۔ حضرت مولانا مفتی خلیل الرحمٰن صاحب بیان فرماتے ہیں: ''اس وقت ہمارے گھر میں غربت و افلاس حد درجہ کا تھا چوں کہ والد محترم قبلہ مولانا عبد الکریم صاحب کے وصال کے وقت ان کے پاس کچھ بھی زر نقد نہیں تھا۔ تو ہمیں میراث میں کیا ملتا۔ میں کتابوں کے مطالعہ کے لیے حضرت مولانا شمس الدین صاحب کے پاس کمہاری جایا کرتا، ایک دن میں ظہر کے بعد کمہاری کے لیے روانہ ہوا اور احمد شہید مسجد میں عصر کی نماز پڑھی نماز کے بعد مولانا شمس الدین صاحب ہاتھ میں تسبیح لیے ہوئے ٹہل رہے تھے میں بھی پیچھے پیچھے ٹہلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے فوراً کہا مجھے چند دنوں کے لیے علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حیات الحیو ان کی ضرورت ہے چند دنوں میں مطالعہ کے بعد واپس لوٹا دوں گا۔ تو مولانا شمس الدین صاحب نے فرمایا کتاب میرا محبوب ہے میں اپنا محبوب تمہیں کیسے دے دوں۔ میں نے برجستہ کہا اللہ نے اپنا محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمھیں کیسے دے دیا تھا۔ یہ سن کر آپ نے سینے سے لگا لیا اور فرمایا کہ خلیل الرحمٰن آج کے بعد تمھیں اجازت ہے کہ چاہے میں گھر پر موجود ہوں یا نہ ہوں تم کو جس کتاب کی بھی ضرورت پڑے لے جایا کرو اور جب تمھاری سمجھ میں آئے واپس لے آیا کرو۔ اس طرح میں ان سے کتابیں لاتا اور واپس دے آتا۔'' [۹]

افسوس کہ آپ کا ذخیرۂ کتب یک جا نہ رہا، کچھ کتابیں حضرت مفتی خلیل الرحمٰن علیہ الرحمہ کے ذاتی کتب خانے میں ہیں اور زیادہ تر کتابیں امام احمد رضا لائبریری بارہ مولہ کشمیر لے جائی جا چکی ہیں۔ اگر وہ ذخیرہ آج موجود ہوتا تو مزید تحقیق کی راہ کھلتی، آپ کی ایک کتاب ''ترمذی شریف'' کے شروع ہی میں آپ نے اپنے قلم سے ترمذی شریف سے متعلق عربی میں اشعار لکھے ہیں، جس سے آپ

کے شعر وسخن سے لگاؤ کی نشان دہی ہوتی ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ آپ کی فن خطاطی کا نادر نمونہ بھی ہے:

كتاب الترمذي رياض علم	حكمت ازهار ها زهو النجومه
به الاثار واضحة ابنيت	لقاب اقيمت كالرسوم
فاعلاها الصحاح وقد أنارت	نجوما للخصوص
ومن حسن بليها اوغريب	وقد بان الصحيح من السقيم
فعلله ابو عيسىٰ مبينا	معالمها لطلاب العوم
وطرزهو بآداب صحاح	تخيرها اولوالنظر السليم
من العلماء الفقهاء قدما	واهل افضل والنهج والقويم
فجاء كتابه علما يقينا	ينافس فيه ارباب الحلوم
ويقتبون منه نفيس علم	يفتيد نفوسهم اسنى الرسوم

حضرت مولانا شمس الدین احمد قادری بارگاہ رضا میں: حضرت مولانا سلمان احمد جاہدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: یہ (مولانا شمس الدین احمد) مولانا معین الدین صاحب کے شاگرد تھے۔ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف کے فارغ التحصیل تھے۔ عقیدہ کی کچھ باتوں میں ان کو کچھ تردد تھا۔ حضرت مولانا مفتی خلیل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ان سے بحث ومباحثہ کرنے کی غرض سے ان کے کاشانہ پر کمہاری جایا کرتے تھے۔ آخر انھوں نے ایک دن فرمایا کہ میں کس کی ہم نشینی وشاگردی اختیار کروں کہ میرے دل کے شکوک دور ہوں، تو آپ نے فرمایا کہ آپ بریلی شریف تشریف لے جائیں، القصہ مختصر آپ بریلی تشریف لے گئے۔ متواتر دو سال تک آپ کی خدمت میں رہے عقائد کے بارے میں تمام شکوک دور ہوگئے۔ ایک دن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو بریلی شریف کے قبرستان میں لے گئے اور چند پرانی قبور کے پاس رک کر فرمایا، شمس الدین ان کے بارے میں کیا کہتے ہو تو انھوں نے برجستہ کہا مردہ! آپ نے فرمایا تم جاہو جس قبر کے پاس بیٹھ جاؤ، وہ ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ان کو کشف القبور کے علم پڑھنے کا طریقہ بتلایا اور فرمایا کہ پڑھو یہ پڑھتے رہے قبر کھلی اور صاحب قبر، قبر سے باہر تشریف لا کر ہم کلام ہوئے اور پھر قبر میں تشریف لے گئے اور قبر برابر ہوگئی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مولانا شمس الدین قادری کمہاری رحمۃ اللہ علیہ کو کشف القبور کے علم کی اجازت دے دی اور پھر فرمایا اب ایک نعت شریف سنادو! انھوں نے اکبر وارثی کی نعت شریف ''جب کہ پیدا وہ شاہ زمن ہوگیا'' پڑھی حضور سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہوئے اور خلافت سے نواز دیا پھر فرمایا کہ ایک نعت شریف لکھ لو اور اس کو بھی پڑھا کرنا۔ اسی وقت یعنی فی البدیہہ آپ نے پوری نعت شریف لکھوا دی جس کا مطلع یہ ہے ع

''جب کہ پیدا وہ شاہ زماں ہوگیا''

اس نعت شریف کو مولانا شمس الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ زندگی بھر پڑھتے رہے باسنی واطراف کے اسلاف علمائے کرام بھی اس نعت شریف کو پڑھتے رہے۔ ۱۱ چوں کہ یہ نعت شریف حدائق بخشش حصہ اول دوم میں نہیں ہے ہاں حصہ سوم میں موجود ہے مگر وہ نایاب ہے لہٰذا اسے تحریر کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کرام اس نعت شریف کو پڑھ کر لطف اندوز ہوں اور لذت ایمانی حاصل کریں:

جب کہ پیدا وہ شاہ زماں ہو گیا	دور کعبہ سے لوث بتاں ہو گیا
جلوہ حضرت کا جس جا عیاں ہو گیا	گلستاں مجمع بلبلاں ہو گیا
چرخ گردوں ترے روضۂ پاک کا	سائباں، سائباں، سائباں ہو گیا
حق شفاعت سے تیرے گنہ گاروں پر	مہرباں، مہرباں، مہرباں ہو گیا
ہر ستارا شب مولد مصطفیٰ	شمع داں، شمع داں، شمع داں ہو گیا
گلشن طیبہ میں طائر سدرہ کا	آشیاں، آشیاں، آشیاں ہو گیا
جن کو تیرے مکاں کا پتا مل گیا	بے نشاں، بے نشاں، بے نشاں ہو گیا
یا نبی لو خبر آتش غم سے میں	تفتہ جاں، تفتہ جاں، تفتہ جاں ہو گیا
گزرے جس کوچہ سے شاہ گردوں نشیں	آسماں، آسماں، آسماں ہو گیا
عشق ابرو میں مَیں رمز قوسین کا	نکتہ داں، نکتہ داں، نکتہ داں ہو گیا
کس کے روئے منور کی یاد آ گئی	دل تپاں، دل تپاں، دل تپاں ہو گیا
طوطی سدرہ مدح رخِ پاک میں	گل فشاں، گل فشاں، گل فشاں ہو گیا
طوطیِ اصفہاں سن کلام رضا	بے زباں، بے زباں، بے زباں ہو گیا ۱۲

حضرت مولانا شمس الدین احمد قادری اور آپ کے خانوادے کا امام احمد رضا قادری قدس سرہ سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ غالباً دارالعلوم منظر اسلام کے قیام سے پہلے ہی آپ نے بارگاہ رضا سے اکتساب فیض کیا۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''حسام الحرمین'' پر آپ کے برادر اصغر حضرت مولانا نثار احمد صاحب نے اپنی تصدیق ثبت فرمائی۔ ۱۳ امام احمد رضا خاں قادری اور آپ کے متعلقین، مریدین وخلفا سے بھی اس خانوادے کے تعلقات رہے ہیں آپ کے ایک اور برادر جناب محمد غیاث الدین صاحب نے خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ سے ایک استفتا کیا ہے جو فتاویٰ امجدیہ میں موجود ہے۔ ۱۴ باسنی وکمہاری میں آج جو مسلک اعلیٰ حضرت کی بہار نظر آرہی ہے اس کی خشت اول آپ ہی کی رکھی ہوئی ہے۔ خدا کرے اس میں روز افزوں ترقی ہو۔

بیعت و خلافت: آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ سے بیعت تھے اور امام احمد رضا

قادری رضی اللہ عنہ نے آپ کو سلسلۂ قادریہ کی اجازت وخلافت سے بھی نوازا تھا۔جیسا کہ بعض احباب اہل سنت نے امام احمد رضا قادری رضی اللہ عنہ سے شکایتیں کیں تو آپ نے ایک اشتہار شایع کروایا جس میں پچاس (۵۰) خلفا کے اسمائے گرامی درج کیے گئے اس میں بائیسویں نمبر پر آپ ہی کا اسم گرامی ہے جس کا مضمون اس طرح تھا:

ضروری اطلاع

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

برادران اہل سنت کو اطلاع فقیر کے پاس شکایتیں گزریں بعض اصحاب باوصف بے علمی، دنیا طلبی کے لیے وعظ گوئی کرتے ہوئے اکناف ہند میں دورہ فرماتے ہیں اور یہاں سے اپنا علاقہ انتساب بتاتے ہیں جس کے سبب فقیر سے محبت رکھنے والے حضرات دھوکا کھاتے ہیں۔اس شکایت کے رفع کو یہ سطور مسطور۔ یہاں بحمدہ تعالیٰ نہ کبھی خدمت دین کو کسب معیشت کا ذریعہ بنایا گیا نہ احباب علمائے شریعت یا برادرانِ طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی بلکہ تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار اشاعت دین حمایت سنت میں جلب منفعت مالی کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ہاں اگر بلا طلب اہل محبت سے کچھ نذر پائیں رد نہ فرمائیں کہ اس کا قبول سنت ہے۔یہاں سے نسبت ظاہر فرمانے والے صاحبوں کے پاس فقیر کی دستخطی مہر سند علمی یا اجازت نامہ طریقت ضرور ملاحظہ فرمائیں۔زبانی دعوے پر عمل پیرانہ ہوں۔

والسلام فقیر احمد رضا خاں قادری عفی عنہ

اعلان

فقیر مزید عرض کرتا ہے کہ مزید اطلاع کے لیے بعض حضرات کے اسمائے گرامی تحریر کیے جاتے ہیں جن کا علاقہ اعلیٰ حضرت مدظلہ سے خصوصیت کے ساتھ ہے ان میں جو بفضلہٖ تعالیٰ علم میں کامل ہیں ان سے مسائل بھی پوچھے جائیں اور ان کا بیان بھی سن کر فیض پائیں۔

(۲۲) جناب مولانا مولوی شمس الدین صاحب ضلع ناگور قصبہ باسنی علاقہ جودھ پور، عالم مدرس مجاز طریقت [۱۵]

اولاد و امجاد: حضرت مولانا شمس الدین احمد قادری علیہ الرحمہ نے دو شادیاں کیں۔پہلی شادی عصمت بی بنت نصیر الدین صاحب صدیقی سے اور دوسری شادی اپنی چچازاد بہن آمنہ بنت عبد الکریم عرف کالو جی سے کی۔آپ کے پانچ صاحب زادے اور ایک صاحب زادی ہوئی جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

صاحب زادگان: (۱)بشیر احمد (۲)نذیر احمد (۳)عبد القادر (۴)عبد القدوس (۵)مولانا عبد السلام اور صاحب زادی حجن رقیہ (زوجہ مولوی معین الدین صدیقی مکرانہ) [۱۶]

وصال مبارک: حضرت مولانا شمس الدین احمد قادری علیہ الرحمہ کا وصال ۸۳ رسال کی عمر میں ۲۷ ؍رجب المرجب ۱۳۵۷ھ کو کمہاری میں ہوا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔آپ کا مزار پرانوار موضع کمہاری میں حضرت بالا پیر حسن شہید علیہ الرحمہ کے مزار شریف سے جانب مغرب واقع ہے۔مزار پاک پر یہ تاریخی اشعار کندہ ہیں:

فاضل و علامہ شمس الدین رفت — بست وہفتم در رجب سوئے جناں
حضرت احمد رضا خاں پیر او — قطب عالم بود مشہور جہاں
سال رحلت معجمہ طاہر بگو — اکبر امت شد بخلد جاوداں

۱۳۵۷ھ

آپ ہی کی یادگار میں مدرسہ اہل سنت شمس العلوم کمہاری مسلک اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی ترویج واشاعت میں گامزن ہے۔

مصادر ومراجع

(۱) خلفائے محدث بریلوی علیہ الرحمہ، ص ۱۸، پروفیسر محمد مسعود احمد، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

(۲) خلفائے محدث بریلوی علیہ الرحمہ، ص ۷، پروفیسر محمد مسعود احمد، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

(۳) حضرت مولانا سید حسین علی رضوی اجمیری علیہ الرحمہ کے حالات ''اشفاقی مقالات'' ص ۱۰۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) حضرت مولانا ظہیر الحسن صاحب اعظمی کی حیات وخدمات پر مقالہ کی اشاعت سال نامہ یادگار رضا ۱۴۲۷ھ میں ہوئی۔

(۵) فیض سلیمانی ص ۴۱-۵۲، محمد شفیع کمال صدیقی، انمول پرنٹس جودھ پور

(۶) فیضان احمد رضا، حصہ دوم، ص ۳۰، مولانا سلمان احمد جاہدی علیہ الرحمہ، مکتبۂ نعیمیہ دہلی

(۷) تعارف مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ باسنی ص ۷، مفتی ولی محمد رضوی، سنی تبلیغی جماعت باسنی

(۸) فتاویٰ امجدیہ، جلد چہارم، ص ۱۰۹، صدر الشریعہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ، دائرۃ المعارف گھوسی

(۹) سہ ماہی صوفیہ باسنی مئی ۱۹۹۱ء ص ۱۷، انجمن ترقی اردو ہند شاخ باسنی ناگور

(۱۰) قلمی تحریر بر ترمذی شریف، مملوکہ فی الحال مولانا سفیان احمد جاہدی باسنی

(۱۱) فیضان احمد رضا، حصہ دوم ص ۳۰-۳۱، مولانا سلمان احمد جاہدی علیہ الرحمہ، مکتبۂ نعیمیہ دہلی

(۱۲) الف: حدائق بخشش، حصہ سوم، ص ۱۵، امام احمد رضا قدس سرہ، کتب خانہ اہل سنت جامع مسجد ریاست پٹیالہ

ب: فیضان احمد رضا، حصہ دوم، ص ۴۴، مولانا سلمان احمد جاہدی علیہ الرحمہ، مکتبۂ نعیمیہ دہلی

(۱۳) الصوارم الہندیہ، ص ۸۶، مولانا حشمت علی خاں قادری لکھنوی، دار العلوم رضائے خواجہ اجمیر شریف

(۱۴) فتاویٰ امجدیہ، جلد اول، ص ۷۰، صدر الشریعہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ، دائرۃ المعارف گھوسی

(۱۵) الف: ماہ نامہ الرضا بریلی شریف، ص ۹، ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ، بریلی شریف

ب: تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص ۸، محمد صادق قصوری/ پروفیسر مجید اللہ قادری، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

(۱۶) فیض سلیمانی، ص ۵۴، محمد شفیق کمال صدیقی، انمول پرنٹس، جودھ پور

خلیفۂ اعلیٰ حضرت

مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی

محمد اسلم رضا قادری

مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ، باسنی ناگور شریف

دور ہا باید تا یک ''مرد حق'' پیدا شود
بایزید اندر خراسان یا اویس اندر قرن

اس جہار نگ و بو میں نہ جانے کتنے افراد و اشخاص پیدا ہوئے، اور اپنی حیات مستعار کے چند روزہ لمحات گزار کر پیک اجل کو لبیک کہتے ہوئے رحلت کر گئے، ان کی یادوں کے نقوش و خطوط خواطر و اذہان سے منزل بہ منزل محو ہوتے چلے گئے۔

مگر اسی دنیاے آب و گل میں کچھ ایسی قد آور، نابغۂ روزگار شخصیات بھی منصۂ شہود پر جلوہ فگن و جلوہ بار ہوتی رہی ہیں جن کی کتاب زندگی کے روشن ابواب آج بھی بساط زمین پر بسنے والے اشخاص و افراد اور اقوام و ملل کو پیغام عمل اور دعوتِ فکر و نظر دے رہے ہیں۔ جنھوں نے سعی پیہم، جہد مسلسل نیز اپنی تمام تر مساعی جمیلہ اور اپنی فطری و وہبی استعداد و صلاحیت کو روبہ عمل لاکر دینی و علمی، تبلیغی و اصلاحی، دعوتی و فکری کارناموں کے ایسے اَن مٹ نقوش چھوڑے ہیں جنھیں رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا۔ اور ان کے زریں کارناموں کو تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف سے لکھا جاتا رہے گا۔

انھیں متنوع اور جامع الصفات شخصیات میں ماضی قریب کی ایک بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیت، خلیفۂ اعلیٰ حضرت مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (۱۳۱۰ھ-۱۳۷۴ھ) قدس سرہٗ بھی ہیں جنھوں نے کردار و عمل اور اخلاص و للّٰہیت کا پیکر جمیل بن کر دین کی آفاقی اور روحانی تعلیمات کا تحفظ کیا۔ اور دعوت و ارشاد کی وہ تاریخ رقم کی جس کی نظیر آج کی اس ترقی یافتہ اور سائنس و ٹکنالوجی سے بھری دنیا میں بھی ہر کس و ناکس کے نصیب کی بات نہیں۔ یہ ایک زمینی حقیقت ہے کہ خلفا و تلامذہ امام احمد رضا محدث بریلوی میں مبلغ اسلام کی باوقار شخصیت سے بیرون ممالک مذہب اسلام کو جو غلبہ حاصل ہوا وہ کسی ذی علم و شعور کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کیوں کہ انھیں ان کے پیر و مرشد محدث بریلوی نے خداوند قدوس کی حفظ و امان میں دیتے ہوئے بحر و بر، کوہ و دمن، خشک و تر کی وسعتوں میں پھیل جانے اور عروج و ترقی کی خوش خبری قبل از وقت ہی دے دی تھی۔

مبلغ اسلام جب ۱۹۱۹ء میں زیارات حرمین شریفین سے مشرف ہوکر بریلی شریف اپنے مرشد طریقت، امام عشق و محبت امام احمد رضا محدث بریلوی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان کی شان میں اپنی لکھی ہوئی ایک منقبت پڑھ کر سنائی، جس میں چند اشعار خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

تمھیں پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں
امام اہل سنت نائب غوث الوریٰ تم ہو
علیم خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانے کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

یہ اشعار سن کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ''میرا عمامہ اس قابل نہیں ہے کہ آپ کے ان مبارک قدموں پر نثار کروں جنھیں حرمین طیبین کی مقدس سرزمین سے مس ہونے کا شرف حاصل ہے۔ البتہ میرا ایک قیمتی جبہ ہے جسے خرقۂ خلافت کے طور پر آپ کی نذر کرتا ہوں، آپ اسلام کے نقیب اور عشق رسالت کے امین ہیں۔ رب ذوالجلال کے حفظ و امان میں جایے اور بحر و بر کی وسعتوں میں دین حق کے جھنڈے گاڑیے۔ مشائخ کرام کی برکتیں اور ہماری نیک دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔'' (ماہ نامہ کنز الایمان دہلی، ص ۱۴۱، ستمبر ۱۹۹۹ء)

قارئین کرام! دیکھ رہے ہیں آپ! امام احمد رضا کا، رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا والہانہ انداز کہ خاک طیبہ بھی ان کے نزدیک اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ جو قدم اس زمین مقدس سے مس ہو جائیں وہ ان کے احترام کو بھی عشق و زندگی کی معراج تصور کرتے تھے۔ میرا یقین کہتا ہے کہ امام احمد رضا کی اس دعاے مستجاب نے مبلغ اسلام کو جو حوصلہ و توانائی عطا کی ہوگی اسے حیطۂ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا ہے۔

اب یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مبلغ اسلام کو دولت و سرمایہ کی فکر نے ممالک غیر کے لق و دق صحرا میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے مجبور نہ کیا تھا بلکہ یہ ان کے مرشد صادق کی نیک دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے اکناف عالم میں دین حق کا پیغام پہنچایا اور اس مشکل ترین راہ کے راہی بن گئے۔ آج افریقا و امریکہ اور یورپین ممالک میں اسلام کی جو بہار نظر آرہی ہے اس میں مبلغ اسلام کا بھی اہم رول ہے اور لوگ اسلام کے روحانی و اخلاقی پیغام سے متاثر ہوکر دامن اسلام میں کشاں کشاں داخل ہو رہے ہیں۔ اس مردِ حق آگاہ، خلوص و محبت کے پیکر وفا کی عظیم ترین دینی و دعوتی اور تبلیغی و اصلاحی خدمات کا ثمرہ ہے کہ دیارِ غیر میں تن تنہا پہنچ کر دین حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ فروغ بخشا جس کا خواب بھی ہم میں کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ جن جن عالم حصص میں آپ تشریف لے گئے وہاں کے مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں اسلام دوستی کے گہرے نقوش مرتسم کر دیے۔ آپ کی زندگی کا ایک طویل حصہ دنیا کی بے شمار

کانفرنسوں، انجمنوں اور تحریکوں وتنظیموں کے قیام و بنا میں بسر ہوا۔ آپ جہاں بھی پہنچے تبلیغی ادارے، کالج، لائب ریریاں اور مدارس و مساجد کا ایک جال بچھا دیا۔ سائنس اور فلسفے کے ماہرین اور یونی ورسٹیوں کے فضلا سے معرکہ آرا مباحثے فرما کر ان کو دین حق کا حقیقی مفہوم بتایا۔

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان مبلغ اسلام کی تبلیغی و دعوتی خدمات کا تذکرہ کچھ یوں کرتے ہیں:

”مبلغ اسلام کی پرسوز زندگی کے جو نقوش تاریخ کے اوراق پر بکھرے ہوئے ہیں ان کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ بہ یک وقت وہ علم اور عشق دونوں دریاؤں کے سنگم تھے۔ ان کے علم کا جلوۂ بے حجاب دیکھنا ہو تو آٹھ اجنبی زبانوں پر اہل زبان کی طرح ان کی بھرپور قدرت دیکھیے اور اسلام کے ایک دردمند اور وارفتہ حال داعی کی حیثیت سے دجاجلہ کفر و الحاد کے ساتھ انھوں نے بحث و مناظرہ کے جو بے شمار معرکے سر کیے ہیں ان کی روداد پڑھیے تو آپ کو ان کے علم و آگہی کی جلالت شان، ان کی فکر و ذہانت کی رفعت و برتری، عالمی مذاہب و ادیان پر ان کی وسعت معلومات، ان کی قوت بحث و استدلال، اور ان کے اندازِ گفتگو کی سحر انگیزی کا صحیح اندازا لگ جائے گا۔“ (ماہ نامہ کنزالایمان، دہلی، ص۴۲، ستمبر ۱۹۹۹ء)

کچھ قمریوں کو یاد ہیں ، کچھ بلبلوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے میری داستاں کے ہیں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے اس نام ور اور چہیتے خلیفہ نے جس انداز و اسلوب میں دینی دعوت و تبلیغ کو اپنا مشن اور مقصد حیات بنایا۔ آج کے اس پرفتن دور میں اس کی نشاۃ الثانیہ کی ضرورت ہے۔ آپ کے یادگاری نقوش کو پھر سے تازہ کرنے کی ہمیں سعی کرنی چاہیے تاکہ دین و سنیت کا پیغامِ حق و صداقت سارے عالم میں پہنچ سکے:

عبد علیم کے علم کو سن کر
جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں (الاستمداد، ص۹۵)

مجاہد ملت جن کی تقویٰ شعار زندگی اشاعت حق میں گزری،
حجۃ الاسلام کا تربیت یافتہ یہ مرد مجاہد کیسا عظیم تھا؟ جاننے کے لیے مطالعہ کریں

افکار مجاہد ملت

مرتب: مولانا محمد شاہ القادری
ناشر: امام احمد رضا سوسائٹی G-130، دھان کھیتی، گارڈن ریچ، کولکاتا-۲۴
صفحات: ۹۶...... طباعت: نفیس...... ہدیہ: ۴۰/روپے

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد اور رضویات

غلام مصطفیٰ رضوی، نوری مشن، مالیگاؤں

فکر و فن کا گلستاں جس سے سدا شاداب تھا
وہ حسیں دل کش بہارِ گلستاں جاتا رہا
(علی احمد سیوانی)

عکسِ حیات:

علمی و ادبی دنیا کی مشہور شخصیت پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزوؔ پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد مولانا ظفر الدین قادری رضوی (م۱۹۶۳ء) امام احمد رضا کے خلیفہ تھے، ہیئت و فلکیات اور علوم جدیدہ کے امام تھے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں حاصل کی، پٹنہ یونی ورسٹی سے میٹریکولیشن کر کے مدرسہ ایکزامینیشن بورڈ سے ”مولوی“ اور ”فاضل“ کیا۔ ۱۹۴۳ء میں علی گڑھ آئے، ۱۹۴۵ء میں انٹر اور ۱۹۴۷ء میں بی۔ اے کیا، ۱۹۴۹ء میں ایم۔ اے کیا اور اول آئے۔ پھر Ph.D. کا عزم کیا، ۱۹۵۲ء میں Ph.D. کی ڈگری پائی۔ ۱۹۵۳ء میں امریکہ سے روکیفلر فاؤنڈیشن کی فیلوشپ تفویض ہوئی اور آپ انگلینڈ تشریف لے گئے، پروفیسر ہملٹن گب کی نگرانی میں Social Criticism in Modern Arabic Literature کے زیر عنوان تحقیقی مقالہ لکھا، پروفیسر گب کے مشورے پر ساتویں صدی ہجری کے شاعر و مصنف مُسلّم بن محمود کی تصنیف ”جمهرة الاسلام ذات النثر و النظام“ کی تنقیدی تحلیل اور چوتھی صدی ہجری تک کے شعرا و مصنفین کی کم یاب تحاریر ریسرچ کا موضوع بنے۔ ۱۹۵۶ء میں D.Fil. کا اعزاز پایا، جرمنی میں ہائڈل برگ یونی ورسٹی میں بھی علمی کام کیا، علاوہ ازیں فرانس، ترکی، لبنان، مصر اور عراق کا بھی علمی سفر کیا۔

۱۹۵۸ء میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ علوم اسلامیہ میں ریڈر کی حیثیت سے تقرر ہوا، یورپ جانے سے قبل یونی ورسٹی کی لٹن لائب ریری سے وابستہ رہے۔ ۱۹۶۸ء میں شعبۂ عربی کے چیرمین ہوئے، ۱۹۸۴ء میں ریٹائرڈ ہوئے لیکن آپ کی خدمات کو دیکھتے ہوئے ملازمت میں ۴/سال کی توسیع کر دی گئی۔ بعد کو مظہر الحق عربی و فارسی یونی ورسٹی بہار کے پہلے وائس چانسلر بنائے گئے، جامعہ اردو علی گڑھ سے بھی وابستہ رہے۔ کئی عالمی اکیڈمیوں، تحقیقاتی اداروں اور تعلیمی بزموں کے مختلف عہدوں پر بھی فائز رہے۔ ۱۹۷۹ء میں صدر جمہوریہ نے عربی زبان و ادب کی خدمات پر سرٹی فیکٹ آف آنر سے

نوازا،۱۹۸۳ء میں اردو فارسی تحقیق پر غالب ایوارڈ پایا۔

علمی وادبی اور دینی موضوعات پر ساری زندگی کام کیا۔قلم کا سفر وصال تک جاری رہا،مکتوبات و مخطوطات کے فن میں بے نظیر تھے، اردو کے ساتھ ساتھ عربی میں بھی علمی کام انجام دے کر''توقیر عرب تنویر عجم'' کہلائے۔عالمی سطح پر آپ کے اہل علم و دانش سے روابط ایسے تھے جس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔۳۰؍جون ۲۰۱۰ء/ ۱۷؍رجب ۱۴۳۱ھ بدھ کی صبح وصال فرمایا، حسب وصیت جنازہ امین ملت ڈاکٹر سید محمد امین میاں مارہروی نے پڑھایا اور تدفین علی گڑھ میں ہوئی۔

تعلق و وجہِ تعلق:

پروفیسر مختارالدین احمد کی علمی خدمات کے معترف اپنے پرائے سبھی ہیں۔راقم پر وہ مہربان تھے، خط سے رابطہ تھا، راقم کو رضویات سے ذوق ہے، خط لکھتا ان سے رضویات سے متعلق مشورے طلب کرتا، جواب فوراً دیتے، مشورے دیتے، مواد کی نشان ہی کرتے۔رضویات پر گرچہ انھوں نے کم لکھا لیکن جو لکھا ٹھوس لکھا، رضویات کے حوالے سے رہ نمائی کرتے، رضویاتی ادب پر کام کے حوالے سے ان کے خطوط یک جا کیے جائیں تو ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آئے گا۔راقم کے نام تقریباً ۱۵؍خطوط ہیں، جو چند سالہ رابطے کا نتیجہ ہیں، فون بھی کرتے، درجنوں فون کیے، راقم نے کم ہی فون کیا لیکن ان کی محبت وشفقت کا یہ حال کہ کبھی راقم کا خط نہیں پہنچتا تو فون کر کے کہتے آپ کی یاد آتی ہے، یہ محبت کس بنیاد پر تھی، ذوق رضویات کی بنیاد پر۔راقم نے جب علی گڑھ پہنچ کر ان سے ملاقات کی تو انھوں نے مشورہ دیا کہ رضویات کے موضوع سے آپ کی دل چسپی ہے۔اسی موضوع کو مستقل طور پر موضوع تحریر بنالو۔

رضویات و متعلقات رضویات:

وہ عالمی محقق تھے، بین الاقوامی دانش ور تھے، ان کے مطالعے کی میز پر درجنوں تازہ بہ تازہ رسائل ہوتے لیکن وہ سب سے زیادہ مشتاق ماہ نامہ''جہان رضا'' لاہور کے ہوتے۔وہ مرد درویش عاشقِ رضا حضرت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مدیر جہان رضا کے مدح تھے، ان کی تحریروں کے قدرداں تھے، ان کے دوست تھے، راقم سے فرمایا کہ اس وقت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی لاہور میں اور سید وجاہت رسول قادری کراچی میں اعلیٰ حضرت پر بڑا کام کر رہے ہیں۔ان کے کام کا انداز مجھے پسند ہے۔

رضا اکیڈمی کی خدمات سے بھی متاثر تھے، مجھ سے فرمایا کہ الحاج محمد سعید نوری بڑے متحرک ہیں، مفتی اعظم کے عاشق صادق ہیں، انھوں نے مفتی اعظم ہند پر بڑی ضخیم کتاب (جہان مفتی اعظم) شایع کر دی ہے۔......واضح رہے کہ اس کتاب میں ایک اہم مقالہ ڈاکٹر مختارالدین کا بھی ہے، مکاتیب مفتی اعظم بہ نام ملک العلما، جس میں آپ نے نہایت اہم باتیں حاشیے میں لکھی ہیں اور عمدہ تمہید بھی۔بعد میں ڈاکٹر صاحب نے اس کی علاحدہ اشاعت بھی کی اور اس کا ایک نسخہ ری مارک کے ساتھ راقم کو عنایت کیا۔

رحلت سے قبل آپ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی سے مراسلت کو کتابی شکل میں مرتب کر رہے تھے، یہ مراسلت خصوصی طور پر''رضویات'' سے تعلق رکھتی ہے، راقم نے پروف خود دیکھا ہے، اس کے بعد ان کا ارادہ ملک العلما کے مکاتیب کی اشاعت کا تھا، اس سلسلے میں راقم کو بتایا کہ ملک العلما کے مکاتیب کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے جن میں سو کے لگ بھگ خطوط میرے نام ہیں، اور تقریباً اتنے ہی علما و مشایخ کے نام، واضح رہے کہ راقم کے علمی ذخیرے میں ملک العلما کے کافی تعداد میں مکاتیب محفوظ ہیں جن پر مستقبل میں کام کیا جائے گا، ڈاکٹر مختارالدین چاہتے تھے کہ ملک العلما کے مکتوبات کی ترتیب میں مَیں ہاتھ بٹاؤں۔ان کی حیات کا باب مکمل ہونے والا تھا اس سے پہلے ہی یہ علمی ذخیرہ عمدہ عکس بنوا کر راقم کو بھجوادیا۔

ان کے ذوقِ رضویات سے متعلق ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی لکھتے ہیں:

''فکر رضا پر ان کی گہری نظر تھی، رضویات پر ان کی پہلی تحریر ۱۹۷۶ء میں سامنے آئی، جو المیزان ممبئی میں چھپی، پھر گاہے گاہے لکھتے رہے۔یہ سچ ہے، جس لگن، دل چسپی، سرگرمی سے انھوں نے دیگر موضوعات پر کام کیا، وہ ان کا اپنا ذوق تھا، مگر رضویات سے قطع تعلق بھی نہیں رہے۔جو کچھ کیا وہ بالکل ٹھوس کیا، علمی نہج پر کیا، ان کا ایک صفحہ اوروں کے کئی صفحوں پر بھاری ہوگا۔رضویات، متعلقات رضویات، اعلیٰ حضرت، شہزادگان اعلیٰ حضرت، خلفاے اعلیٰ حضرت، منتسبین اعلیٰ حضرت، دیگر علماے اہل سنت کے متعلق خاصی معلومات رکھتے تھے، اس حوالہ سے ان کے پاس خاصا ذخیرہ تھا۔خطوط مفتی اعظم بنام ملک العلما اس کا ایک زندہ ثبوت ہے۔''

ڈاکٹر صاحب سے راقم کی ملاقات ۱۶/۱۷؍جون کو ہوئی، گھنٹوں گفتگو رہی، موضوع تھا امام احمد رضا، تلامذہ و خلفاے رضا اور شہزادگان رضا۔انھیں اس موضوع سے دل چسپی تھی۔حافظہ قوی تھا، یادوں کے نقوش واضح کرتے رہے۔ماضی کی کڑیاں ملاتے رہے، شہزادگان رضا علامہ حامد رضا خاں و مفتی اعظم سے ملاقات اور ان کے علم وفن پر کافی دیر تک روشنی ڈالی۔بتایا کہ میں نے اعلیٰ حضرت کے بہت سے خلفا و تلامذہ سے ملاقات کی ہے۔اس ملاقات میں بتایا کہ: جب میں ۱۹۴۳ء میں علی گڑھ آیا تو وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاءالدین احمد (م ۱۹۴۷ء) تھے، وہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں گئے تھے اور ریاضی میں استفادۂ علمی فرمایا تھا، اکثر اعلیٰ حضرت کا ذکر کرتے رہتے تھے، بریلی حاضری کا واقعہ مجھ سے خود بیان کیا، امام احمد رضا کے علوم کے مدح تھے۔

ڈاکٹر مختارالدین سے راقم نے دریافت کیا کہ آپ نے امام احمد رضا کے حوالے سے کافی رہ نمائی کی ہے اس ضمن میں آپ نے اب تک کتنے مقالے لکھے، ڈاکٹر صاحب نے ۴/۵؍مقالوں کا ذکر کیا اور کہا کہ انھیں مرتب کر کے اپنے مقدمے کے ساتھ شایع کرو، ان میں چند اس طرح ہیں:

(۱) ملفوظات فاضل بریلوی- اشاعت: سہ ماہی فکر ونظر علی گڑھ، جلد ۳۵، شمارہ ۲، ۱۹۹۸ء

(۲) ہندوستان کے ایک بے حد ممتاز مصنف شیخ احمد رضا خاں-اشاعت: سہ ماہی فکر ونظر علی گڑھ، جلد۳۴،شمارہ۴، ۱۹۹۷ء

(۳) نوادرِ رضا-ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، جولائی ۲۰۰۱ء

(۴) امام احمد رضا کا شخصیتی جائزہ-المیزان کا امام احمد رضا نمبر/ قاری دہلی اپریل ۱۹۸۹ء

آپ کی تحقیق میں سمندر کی سی گہرائی ہے، موضوع سے متعلق تمام گوشوں کا احاطہ کر لیتے ہیں، امام احمد رضا پر جو لکھا اس میں جہاں دلائل سے کام لیا وہیں والد ماجد کی روایات وتحقیقات کا بھی سہارا لیا، تحریر میں سادگی، متانت اور حق بیانی ہے، اسی لیے رضویات پر آپ کی تحریروں میں علمیت کا رنگ گہرا ہے، تحقیقاتِ رضویہ کی فنی وجاہت بھی ظاہر فرماتے۔ دقتِ نظر کا یہ حال کہ باریک سے باریک نکتہ بھی فروگذاشت نہیں ہونے دیتے۔

رضویات پر علمی کام انجام دینے والی شخصیات اور اداروں سے بھی آپ کے روابط تھے، راقم سے فرمایا کہ مجلس رضا لاہور کے بانی حکیم محمد موسیٰ امرت سری چشتی (م ۱۹۹۹ء) سے میری مراسلت تھی، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، اعلیٰ حضرت پر بڑا کام کیا، ان کی مجلس میں آنے والا اعلیٰ حضرت کا فدائی بن جاتا، فکر رضا کا شیدائی بن جاتا، بڑے بڑے اہل علم حکیم صاحب کے توسط سے امام احمد رضا سے متعارف ہوئے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (م ۲۰۰۸ء) جو ماہر رضویات کی حیثیت سے عالمی شہرت رکھتے ہیں کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے امام احمد رضا کے پیغام کو کامیابی کے ساتھ دنیا بھر میں پہنچایا، میرے ان سے تعلقات تھے۔ انھوں نے امام احمد رضا پر بڑا کام کیا...... راقم نے رضویات پر تحقیق سے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ: اعلیٰ حضرت پر خوب کام ہو رہا ہے لیکن ابھی بہت کام باقی ہے، محققین کو ان گوشوں پر بھی متوجہ ہونا چاہیے جن پر ابھی لکھا نہیں گیا۔

وہ یونی ورسٹی سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ان کے متعلقین میں اپنے پرائے سبھی تھے، وہ گردشِ دوراں سے متاثر نہیں ہوئے، مسلک اہل سنت پر گام زن تھے، مسلک رضا کے شیدائی تھے، اسی مسلک کے مطابق آخری سفر طے کیا، اپنے آخری مکتوب میں حضور امین ملت کے نام لکھتے ہیں:

"آپ اپنے مسلک وطریقت کے مطابق تمام امور انجام دے کر ممنون کریں۔"

(مکتوب کا عکس ملاحظہ کریں: اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، خصوصی شمارہ اکابر مارہرہ، ۲۰۱۰ء، ۷۲۳)

انھوں نے جو کچھ لکھا تحقیق کے بعد لکھا...... ایک بڑا ذخیرہ ہے، تلاش پر بہت سے جواہر سامنے آئیں گے، خطوط، روزنامچے، تاثرات، انٹرویوز...... ضرورت ہے اس دانش ور کی شخصیت کا جائزہ رضویات کے تناظر میں لیا جائے تو یقیناً یہ ایک بڑا علمی کام ہوگا۔

پیش رفت

۲۰۱۰ء میں رضا اکیڈمی سے شایع ہونے والے

۱۱۱/رسائل اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا کی دینی، علمی، فکری اور اصلاحی وفقہی خدمات سے جہانِ علم وفن فیض یاب و مستفیض ہے۔ تحقیقات رضویہ میں علوم وفنون کے گل ولالہ کھلے ہوئے ہیں جن کی خوش بو سے گلشن علم و تحقیق مشک بار ہے، اس کے جلوے دیکھنے ہوں تو کتبِ رضا کا مطالعہ کیا جائے،

تصانیف رضا کی اشاعت رضا اکیڈمی کے مقاصد میں شامل ہے، عرصہ ہوا رضا اکیڈمی نے رسائل اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی اشاعت کی تھی، ادھر کافی دنوں سے مارکیٹ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے رسائل دست یاب نہیں تھے، اربابِ علم ودانش کا تقاضا تھا اور احباب کا اصرار اور ہماری خواہش بھی، جس کی تعمیل میں درج ذیل رسائل کی اشاعت ۲۰۱۰ء میں کی گئی۔ عمدہ وخوش نما ٹائٹل اور موضوع کے اعتبار سے "عرفی نام" کی صراحت کے ساتھ ان کی اشاعت ہوئی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے رسائل کی ایک خوبی یہ ہے اکثر کے نام تاریخی ہوتے ہیں اور عربی نام ہوتے ہیں جن سے کتاب یا رسالے کا سن تصنیف برآمد ہوتا ہے، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں: "ان کی ہزار سے زیادہ عربی، فارسی اور اردو تصانیف ہیں مگر ماسوائے چند ایک کے سب کتابوں کے نام عربی اور تاریخی ہیں......"

(امام احمد رضا اور عالم اسلام، ص ۴۱)

تحقیقات رضویہ کی انفرادی شان پر مولانا محمد عبدالمبین نعمانی لکھتے ہیں: "سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حواشی ہوں یا تعلیقات یا بعض بہت مختصر رسائل جن کو بھی دیکھا جائے ان کی شان ہی الگ ہے جو تحقیق وتطبیق اور ترتیب وتہذیب اعلیٰ حضرت کے وہاں ہے وہ کہیں اور نظر نہیں آتی۔ کسی مسئلے پر جہاں دوایک دلائل اور حوالوں سے زیادہ عام طور سے امید نہیں کی جاتی وہاں جب کبھی اعلیٰ حضرت دلائل وبراہین کا انبار لگانے پر آئے ہیں تو طبیعت عش عش کر اٹھتی ہے۔ وجدان جھوم جھوم جاتا ہے۔"

(تقدیم: تصانیف امام احمد رضا، ص ۱۲)

رضا اکیڈمی کی اس کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور تاثرات بھی ملے، دعا ہے کہ مولائے کریم ہمیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی دوسری تصانیف وتحقیقات کو منظر عام پر لانے کی توفیق عطا فرمائے، اور دین وسنیت وفروغ مسلک حق کے لیے جذبۂ شوق اور حوصلۂ جنوں خیز عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والسلام۔

فہرست رسائل اعلیٰ حضرت

شمار	عرفی نام	اسمائے کتب
۱	اسلامی پردہ	(۱) مروج النجا لخروج النساء (۲) ہبۃ النساء فی تحقیق المصاہرۃ بالزنا
۲	امامت صدیق وعلی	غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق
۳	ایمان ابوطالب	شرح المطالب فی مبحث ابی طالب
۴	الکوکبۃ الشہابیہ	الکوکبۃ الشہابیۃ فی کفریات ابی الوہابیۃ
۵	ابحاث اخیرہ	ابحاث اخیرہ
۶	امریکی منجم کارد	معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین
۷	الطرۃ الرضیہ	نقاء النیرۃ فی شرح الجوہرۃ ملقب بہ النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوہرۃ المضیئۃ
۸	احکام رمضان	ہدایۃ الجنان باحکام رمضان
۹	افطار کا وقت اور اس کی دعائیں	العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار
۱۰	اذانِ خطبہ	اوفی اللمعۃ فی اذان الجمعۃ
۱۱	احکام وہابیت	ماخوذ از فتاویٰ رضویہ
۱۲	اقرار نکاح	عباب الانوار ان لا نکاح بمجرد الاقرار
۱۳	الفاظ طلاق	رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق
۱۴	الدلائل القاہرہ	الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاشرہ
۱۵	بیعت وخلافت کے احکام	نقاء السلافۃ فی البیعۃ والخلافۃ
۱۶	بسملہ کی تحقیق	وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح
۱۷	بچوں کے اسلامی نام	النور والضیاء فی احکام بعض الاسماء
۱۸	بدمذہب سے نکاح	ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار
۱۹	بزرگان دین سے استعانت	برکات الامداد لاہل الاستمداد
۲۰	براءت علی از شرک جاہلی	تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاہلیۃ
۲۱	بالوں کو سیاہ کرنے کا حکم	حک العیب فی حرمۃ تسوید الشیب
۲۲	بیوہ کا نکاح ثانی	اطائب التہانی النکاح الثانی
۲۳	تجارت کا جائز طریقہ	خیر الآمال فی حکم الکسب والسوال
۲۴	تصور شیخ	الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ
۲۵	تدبیر فلاح	تدبیر فلاح ونجات واصلاح
۲۶	تبرکات کی مذہبی حیثیت	بدر الانوار فی آداب الآثار
۲۷	تصویر کا حکم	عطایا القدیر فی حکم التصویر
۲۸	تمہید ایمان	تمہید ایمان بآیات قرآن
۲۹	تعلیقات رضا	معالم التنزیل
۳۰	ترک موالات	(۱) المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ (۲) انفس الفکر فی قربان البقر
۳۱	تخلیق ملائکہ	الہدایۃ المبارکہ فی خلق الملائکہ
۳۲	ثبوت ہلال کے طریقے	طرق اثبات الہلال
۳۳	ثبوت ہلال کی غلطیاں	ازکی الاہلال بابطال ما احدث الناس فی امر الہلال
۳۴	جذام اور جذامی	الحق المجتلیٰ فی احکام المبتلیٰ
۳۵	چالیس احادیث شفاعت	اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین
۳۶	حیلۂ زکوٰۃ	رادع التعسف عن الامام ابی یوسف
۳۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کا ایمان	شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام
۳۸	حرمت مصاہرت	ہبۃ النساء فی تحقیق المصاہرۃ بالزنا
۳۹	خلافت کے لیے قریشی ہونا شرط ہے	دوام العیش فی الائمۃ من قریش
۴۰	ختم نبوت	جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ
۴۱	داخل مسجد اذان خطبہ خلاف سنت	اذان من اللہ لقیام سنۃ نبی اللہ
۴۲	دیدار الٰہی	منبہ المنیہ بوصول الحبیب الی العرش والرویۃ
۴۳	دعا بعد از نماز جنازہ	(۱) بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلاۃ الجنائز (۲) غایۃ الاحتیاط فی جواز حیلۃ الاسقاط
۴۴	دعا بعد نماز عید	سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید
۴۵	دونوں ہاتھ سے مصافحہ	صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین
۴۶	دعوت میت	جلی الصوت لنہی الدعوۃ امام الموت
۴۷	دعاء خطبہ	رعایۃ المذہبین فی الدعاء بین الخطبتین

۴۸	رسالہ درعلم جفر	الجداول الرضویۃ لاعمال الجفریۃ
۴۹	رسالۂ تقویم	البرہان القویم علی العرض والتقویم
۵۰	ردفلسفۂ قدیمہ	الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمۃ
۵۱	رسالہ تعزیہ داری	اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الہند وبیان الشہادۃ
۵۲	روزہ دار کے حلق میں دھول جانے کا حکم	الاعلام بحال البخور فی الصیام
۵۳	روشنی	بریق المنار بشموع المزار
۵۴	رضاعی بھائی	الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اللبن
۵۵	رسوم شادی	ہادی الناس فی رسوم الاعراس
۵۶	رویت ہلال کے مسائل	البدور الاجلۃ فی امور الاہلۃ
۵۷	روافض کے اضافے	الادلۃ الطاعنۃ فی اذان الملاعنۃ
۵۸	ردغیر مقلدین	الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی
۵۹	روحوں کی دنیا	حیات الموات فی بیان سماع الاموات
۶۰	زکوۃ وصدقہ کی جداگانہ حیثیت	اعز الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکوۃ
۶۱	زمین ساکن ہے	فوز مبین در رد حرکت زمین
۶۲	زکوۃ اور بنی ہاشم	الزہر الباسم فی حرمۃ الزکوۃ علیٰ بنی ہاشم
۶۳	سید المرسلین	تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین
۶۴	سکونت حرمین	صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین
۶۵	شیعوں کا رد	رد الرفضۃ
۶۶	شکم مادر میں کیا ہے	الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام
۶۷	شادی کی غلط رسمیں	ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الہند وبنجالہ
۶۸	شہنشاہ کون	فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ
۶۹	شفاء الوالہ	شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ
۷۰	صبح صادق کا صحیح وقت	درا القبح عن درک الصبح
۷۱	صحن مسجد کا حکم	التبصیر المنجد بان صحن المسجد مسجد
۷۲	ضاد کا صحیح مخرج	الجام الصاد عن سنن الضاد
۷۳	طبیب مکی کا تقلیدی نظریہ	(۱) اطائب الصیب علیٰ ارض الطیب (۲) دفع زیغ وزاغ

۷۴	طاعون	تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون
۷۵	طائفۂ وہابیہ کی گمراہی	سل السیوف الہندیۃ علیٰ کفریات بابا النجدیۃ
۷۶	عقائد اہل سنت	عقائد حقہ اہل سنت وجماعت
۷۷	علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	خالص الاعتقاد
۷۸	علم غیب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	انباء المصطفٰے بحال سر واخفی
۷۹	علم میراث	تجلیۃ السلم فی مسائل نصف من العلم
۸۰	عظمت غوث اعظم	طرد الافاعی عن حمی ہاد رفع الرفاعی
۸۱	علما اور ندوۃ العلما	فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین
۸۲	علماے حرمین کے لیے اجازت نامے	الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ
۸۳	غیر رسول کو رسول ماننے کا حکم	الجبل الثانوی علیٰ کلیۃ التانوی
۸۴	غیر مقلدوں کے فریب	النہی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید
۸۵	غائبانہ نماز جنازہ	الہادی الحاجب عن جنازۃ الغائب
۸۶	فلسفہ اور اسلام	مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید
۸۷	فاتحہ کا ثبوت	الحجۃ الفائحۃ لطیب التعیین والفاتحۃ
۸۸	فضیلت نسب	اراءۃ الادب لفاضل النسب
۸۹	قبور مسلمانان کی تعظیم وتوقیر	اہلاک الوہابین علیٰ توہین قبور المسلمین
۹۰	قصیدۂ مبارکہ غوثیہ	جاہ القصیدۃ البغدادیۃ معروف بہ الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریۃ
۹۱	کھڑے ہوکر صلاۃ وسلام	اقامۃ القیامۃ علیٰ طاعن القیام لنبی تہامۃ
۹۲	کرنسی نوٹ کے مسائل	کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم
۹۳	میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	المیلاد النبویہ فی الالفاظ الرضویہ
۹۴	مالک ومختار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	منیۃ اللبیب ان التشریع بید الحبیب
۹۵	مجموعہ رسائل ردمرزائیت	(۱) السوء والعقاب علی المسیح الکذاب (۲) قہر الدیان علیٰ مرتد بقادیان (۳) الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی (۴) المبین ختم النبیین
۹۶	مسائل حج وزیارت	انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ

۹۷	مسائل وضو	تبیان الوضو
۹۸	مزارات پر عورتوں کی حاضری	جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور
۹۹	منبر پر مدح سلطان	مرقاۃ الجمان فی الہبوط عن المنبر لمدح السلطان
۱۰۰	مسائل زکوٰۃ	تجلی المشکوٰۃ لانارۃ اسئلۃ الزکوٰۃ
۱۰۱	مہر معجّل	البسط المسجل فی امتناع الزوجۃ بعد الوطی للمعجل
۱۰۲	مسئلۂ ذبیحہ	سبل الاصفیا فی حکم الذبح للاولیا
۱۰۳	مخدوم بہار	حجب العوار عن مخدوم بہار
۱۰۴	معانقۂ عید	وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید
۱۰۵	مقال عرفاء	مقال عرفا باعزاز شرع وعلما
۱۰۶	نماز غوثیہ	(۱) انہار الانوار من یم صلاۃ الاسرار
		(۲) ازہار الانوار من صبا صلاۃ الاسرار
۱۰۷	نماز و روزہ کے فدیہ کا حکم	تفاسیر الاحکام لفدیۃ الصلاۃ والصیام
۱۰۸	نور وسایہ	(۱) صلات الصفا فی نور المصطفے
		(۲) نفی الفیٔ عمن بنورہ انار کل شیٔ
		(۳) قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام
		(۴) ہدی الحیران فی نفی الفیٔ عن سید الاکوان
۱۰۹	ولایت نکاح	تجویز الرد عن تزویج الابعد
۱۱۰	ہندوستان میں زراعت کے احکام	افصح البیان فی حکم مزارع ہندوستان
۱۱۱	ہندوستان دار الاسلام ہے	اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام

مرتب: غلام مصطفیٰ رضوی

سلطان الہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی حیات وعظمت اور امام احمد رضا کی
بارگاہ خواجہ سے انسیت ووارفتگی پر اچھوتی تحریر، تحقیق وآگہی سے پر ایک ایمان افروز داستان۔

بارگاہ خواجۂ ہند میں امام احمد رضا کی حاضری

تحریر: مولانا یٰسٓ اختر مصباحی

ناشر: رضا اکیڈمی ممبئی

صفحات: ۱۱۲......طباعت: عمدہ ودیدہ زیب...... ہدیہ: ۴۰/روپے

۲۰۱۰ء میں رضا اکیڈمی کی خدمات

مرتب: محمد زبیر قادری

۲۰۱۰ء میں اہلِ سُنّت و جماعت کی نمائندہ تنظیم رضا اکیڈمی نے جو خدمات انجام دیں، ان کا ایک مختصر جائزہ پیش ہے:

جنوری ۲۰۱۰ء

یکم جنوری - حضور مفتی اعظم کے ۲۹/ویں عرس مبارک میں رضا اکیڈمی کی جانب سے بریلی شریف میں لنگرِ نوری کا اہتمام کیا گیا۔ جس کی خبر ۲/جنوری ۲۰۱۰ء کو راشٹریہ سہارا ممبئی میں شائع ہوئی۔

۲/جنوری - الحاج محمد سعید نوری نے عرسِ مفتی اعظم کے سلسلے میں علمائے کرام کے وفد کے ساتھ بریلی شریف کے اطراف بہیڑی، فرید پور، دیورنیا وغیرہ کا دورہ کیا اور وہاں کے دینی و مذہبی معاملات کا جائزہ لیا۔ اس وفد میں مولانا حنیف خان رضوی، مولانا صغیر احمد مصباحی وغیرہ شریک تھے۔

۱۶/جنوری - مسجد چوک بازار، پتھری، ضلع پربھنی کی ایک سُنّی مسجد پر کچھ بدمذہبوں نے سیاسی ومعاشی طاقت کے بل پر نقلی رجسٹریشن کاغذات بنوا کر وقف بورڈ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی اور مسجد پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ جس پر رضا اکیڈمی نے وقف منسٹر عارف نسیم خان صاحب کو مسجد کے اصل رجسٹریشن کاغذات کی کاپیاں بھجوا کر اس پر کارروائی کا مطالبہ کیا۔

۲۴/جنوری - دفعہ ۳۷۷/جس کے تحت حکومت ہند نے ۱۸/سال کے بالغ مرد وعورت کو ہم جنس پرستی کی اجازت دی تھی، کے خلاف رضا اکیڈمی نے سپریم کورٹ میں عرض داشت داخل کی۔ روزنامہ صحافت، راشٹریہ سہارا، ممبئی مرر (انگریزی) نے اس خبر کو نمایاں طور پر شایع کیا۔

۳۰/جنوری - نام نہاد اہلِ حدیث عالم معراج ربانی نے حضرت خواجہ غریب نواز اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی شان میں گستاخانہ تقریر کی، جس پر علما وعوامِ اہلِ سُنّت نے غم وغصہ کا اظہار کیا۔ رضا اکیڈمی نے ۲۸/جنوری کو چراغ نگر، گھاٹ کوپر پولیس اسٹیشن میں اس کے خلاف شکایت درج کرائی اور وزیر داخلہ آر آر پاٹل صاحب کو ایک خط کے ذریعے معراج ربانی کے خلاف سخت ایکشن لینے اور اس پر پابندی لگانے کی اپیل کی۔

۳۰/جنوری - مرکز برکاتِ رضا ایجوکیشنل چیریٹیبل ٹرسٹ (میرا روڈ) نے ۷/فروری ۲۰۱۰ء کو امام احمد رضا سیمینار و کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا، جس پر رضا اکیڈمی نے انھیں ہدیۂ تبریک پیش کیا اور لوگوں سے اس میں شرکت کی اپیل کی۔

فروری ۲۰۱۰ء

یکم فروری- فلم اسٹار شاہ رخ خان نے آئی پی ایل کرکٹ مقابلے میں پاکستانی کھلاڑیوں کی شمولیت کی حمایت کی، جس بنا پر شیوسینا نے شاہ رخ خان کے خلاف مظاہرہ کیا۔ اس معاملے میں روزنامہ ''سامنا'' نے سعید نوری صاحب سے شاہ رخ خان کے تعلق سے سوال کیا، جس کو یکم فروری ۲۰۱۰ء کو ''دوپہر کا سامنا'' اخبار میں ''مولاناؤں نے کیا شاہ رخ کا وِرودھ'' سرخی کے تحت شایع کیا۔

۲؍فروری- خواجہ غریب نواز اور دیگر اولیائے کرام کی شان میں گستاخی پر رضا اکیڈمی نے پولیس میں وہابی مولوی معراج ربانی کے خلاف شکایت درج کروائی تھی اس کے باجود وہ آزاد تھا اور کھلے عام تقریریں بھی کر رہا تھا۔ اس پر الحاج سعید نوری صاحب نے مولانا سید معین الدین اشرف (سکریٹری جامعہ قادریہ اشرفیہ) کے ساتھ ایک مشترکہ خط میں مہاراشٹر کے ڈپٹی چیف منسٹر چھگن بھجبل اور پولیس کمشنر اے پی دھیرے کو ایک خط کے ذریعے اس جانب توجہ دلائی اور سخت ایکشن لینے کی اپیل کی۔

۵؍فروری- معراج ربانی کے خلاف وزیر اعلیٰ و دیگر عہدے داروں سے علمائے اہلِ سُنّت کی ملاقاتیں۔ روزنامہ راشٹریہ سہارا اور دوپہر کا سامنا اخبار میں اس خبر کی اشاعت ہوئی۔

۷؍فروری- روزنامہ انقلاب، دکن گلبرگہ نے امام احمد رضا پر ایک خصوصی شمارہ شائع کیا، جس پر الحاج محمد سعید نوری صاحب نے تہنیتی پیغام روانہ کیا۔

۹، ۱۰؍فروری- (۲۴، ۲۵؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ) بریلی شریف میں عرسِ اعلیٰ حضرت کے موقع پر رضا اکیڈمی نے گزشتہ کئی سالوں کی طرح اسٹال لگا کر رعایتی داموں میں کتابیں فراہم کیں۔ امسال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے ۱۱۱؍رسائل کا سیٹ صرف ۴۷۵؍روپے میں فراہم کیا گیا (جس کی اصل قیمت ۱۵۰۰؍روپے ہے)۔ دیگر علمائے اہلِ سُنّت کی ۲۵؍کتابوں کا سیٹ صرف ۵۰۰؍روپے میں فراہم کیا گیا (جس کی اصل قیمت ۲۰۰۰؍روپے ہے)

سہ ماہی رضا بک ریویو پٹنہ کا ۸۰۰؍صفحات پر مشتمل ''کنزالایمان نمبر'' رضا اکیڈمی سے شائع ہوا جس کی ترتیب مولانا ڈاکٹر امجد رضا امجد نے کی، یہ نمبر اکیڈمی نے اربابِ علم وعلما کی خدمت میں پیش کیا جس پر عمدہ تاثرات دیے گئے اور رضا اکیڈمی و ڈاکٹر امجد رضا کی کاوش کو سراہا گیا۔

رضا اکیڈمی کا سال نامہ ''یادگار رضا'' ۱۶۸؍صفحات پر مشتمل شائع ہوا۔ تحقیقی مقالات سے مزین یہ مجلّہ غلام مصطفیٰ رضوی مالیگاؤں نے مرتب کیا جسے لائبریریوں اور اربابِ قلم تک پہنچایا گیا۔

۹؍فروری- ۱۴۴۰ھ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے وصال کو سو سال پورے ہونے والے ہیں۔ اس تاریخی مناسبت سے اس موقع پر رضا اکیڈمی اعلیٰ حضرت کی جانب سے ایک عظیم وضخیم ومبسوط سوانح عمری مرتب کر کے شائع کرنے کا پروگرام بنایا جا رہا ہے۔ ''جشنِ صد سالہ'' کی منصوبہ سازی اور تیاری کے سلسلے میں علما، مشائخ و

دانشوران کی ایک اہم میٹنگ کا انعقاد کیا گیا جس میں حضرت امین ملت ڈاکٹر سید امین میاں برکاتی صاحب، بحرم العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، علامہ محمد احمد مصباحی، علامہ محمد عبدالمبین نعمانی، مفتی نظام الدین رضوی، علامہ یٰسین اختر مصباحی، مفتی اختر حسین قادری، مفتی سید شاہد علی رضوی، مفتی آلِ مصطفےٰ مصباحی، مولانا ڈاکٹر امجد رضا، غلام مصطفیٰ رضوی (مالیگاؤں)، مولانا انوار احمد بغدادی وغیرھم کو مدعو کیا گیا۔

اس میٹنگ کا ایجنڈا یہ تھا:

(۱) اعلیٰ حضرت کی باقی ماندہ کتب ورسائلِ رضویہ کی فراہمی اور ان کی تحقیق وطباعت،

(۲) مطبوعہ کتب ورسائلِ رضویہ کی تحقیق وتخریج اور کمپوزنگ و پرنٹنگ،

(۳) مختلف زبانوں میں کتب ورسائلِ رضویہ کے ترجمے اور ان کی اشاعت،

(۴) مختلف یونی ورسٹیوں کے منظور کردہ تحقیقی مقالات (پی ایچ ڈی) اور ایم فل کی منظّم اشاعت۔

(۵) کم از کم دو ہزار صفحات پر مشتمل عظیم وضخیم سوانحی کتاب کی ترتیب اور مختلف زبانوں میں اس کی اشاعت

۹؍فروری- مولوی معراج ربانی نے ۹؍فروی کو سیشن کورٹ کے کورٹ نمبر ۵۵ میں قبل از گرفتاری ضمانت کی بھیک مانگی لیکن ہزار منت سماجت اور فریاد کے باوجود کورٹ نے ضمانت نہیں دی۔ بلکہ اس دریدہ دہن کا پاسپورٹ بھی جمع کرلیا اور اس کے ملک سے باہر جانے پر بھی پابندی لگادی۔ اور دوبارہ ۱۶؍فروری کو کورٹ میں حاضر ہونے کا آرڈر دیا۔ اہلِ سُنّت کی جانب سے عاشقِ غریب نواز ایڈوکیٹ رضوان مرچنٹ نے اس کیس کی پیروی کی۔

۱۰؍فروری- عرسِ اعلیٰ حضرت کی مناسبت سے کھتری مسجد، علی عمر اسٹریٹ، پائیدھونی میں ایک پروگرام رکھا گیا جس میں علمائے کرام وائمہ عظام نے شرکت کی اور بارگاہِ امام احمد رضا میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔

۱۶ تا ۲۷؍فروری- یکم ربیع الاوّل تا بارہ ربیع الاوّل ۱۴۳۱ھ کو رضا اکیڈمی نے ڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک ۱۲؍روزہ پروگرام کا انعقاد کیا، جس میں مولانا مختار احمد بہیڑوی صاحب قبلہ نے خطاب فرمایا۔

۱۹؍فروری- اجمیر شریف کی انجمن معینیہ چشتیہ خدام خواجہ صاحب سیدزادگان (رجسٹرڈ) کے صدر نے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں گستاخی کرنے والے مولانا معراج ربانی کے خلاف مراٹھی پتر کار سنگھ میں ایک پریس کانفرنس کی اور پریس ریلیز جاری کی۔ جس میں جناب پی چدمبرم (وزیر داخلہ ہند)، محترمہ سونیا گاندھی (صدر آل انڈیا کانگریس کمیٹی)، اشوک گہلوت (وزیر اعلیٰ راجستھان)، اشوک چوہان (وزیر اعلیٰ مہاراشٹر)، سچن پائلٹ (رکن اجمیر) کو ایک گشتی مراسلے میں گستاخِ اولیا کے خلاف سخت ایکشن لینے اور فوری گرفتاری کا مطالبہ کیا۔

۲۱؍فروری- بروز سنیچر ۲۰؍فروری ۲۰۱۰ء کو ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے شاگرد اور صوبۂ بہار کے مشہور ومتبحر عالم دین حضرت علامہ شہاب الدین صاحب قبلہ لطیفی علیہ الرحمہ کا وصال ہوگیا۔ الحاج محمد سعید نوری واراکین کی جانب سے ان کے اہلِ خانہ سے اظہارِ تعزیت کیا گیا۔

مارچ ۲۰۱۰ء

۹/مارچ- نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا توقیر رضا خان (صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ جدید) کو ۸/مارچ کو بریلی شریف میں پولیس نے الزامات لگا کر گرفتار کیا، رضا اکیڈمی ممبئی نے اس پر سخت احتجاج کیا اور حکومت اتر پردیش سے ان کی جلد سے جلد رہائی کا مطالبہ کیا۔ (۱۰/مارچ کو راشٹریہ سہارا میں خبر شایع ہوئی۔)

۱۱/مارچ- مالیگاؤں شاخ رضا اکیڈمی نے بھی مولانا توقیر رضا کی رہائی کا مطالبہ کیا۔

۱۵/مارچ- عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر بریلی شریف میں فساد پھوٹ پڑا، رضا اکیڈمی، سُنّی جمعیۃ العلماء اور دارالعلوم حنفیہ رضویہ نے ریلیف جمع کرکے بریلی شریف فساد کے متاثرین کو پہنچائی۔

۱۶/مارچ- بریلی شریف فساد سے متعلق روزنامہ راشٹریہ سہارا میں علمائے اہل سنت کے ساتھ رضا اکیڈمی کی میٹنگ اور مطالبات کی خبر نمایاں شایع ہوئی ۲۶/مارچ- رضا اکیڈمی اور سُنّی جمعیۃ العلما کے ایک وفد نے پولیس کمشنر اشوتوش ڈومبرے سے ملاقات کرکے اُن کو آگاہ کیا کہ وہابی مولوی معراج ربانی کے خلاف علمائے اہلِ سُنت نے تحریک چلائی جس کا معاملہ کورٹ میں ہے۔ اور ۲۸/مارچ کو حضور غوث پاک کے جلوسِ غوثیہ کے موقع پر امن وامان کا مسئلہ پیش آسکتا ہے۔ اس پر کمشنر نے یقین دلایا کہ جلوسِ غوثیہ کو کوئی خطرہ نہیں، ہم لوگ پوری نظر رکھیں گے۔ آپ لوگ بے فکر رہیں۔

۲۷/مارچ- حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں آل انڈیا سُنّی جمعیۃ العلماء کی جانب سے جلوسِ غوثیہ ہر سال نکالا جاتا ہے۔ اس سال ۱۱/ربیع الآخر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۸/مارچ ۲۰۱۰ء کو جلوسِ غوثیہ میں جو گاڑیاں سجاوٹ کے لیے نکالی گئیں ان میں سے بہترین سجاوٹ کے لیے رضا اکیڈمی کی جانب سے پہلا انعام ''غوثِ اعظم ایوارڈ''، دوسرا انعام ''غریب نواز ایوارڈ'' اور تیسرا انعام ''مفتی اعظم ایوارڈ'' پیش کیا گیا۔ بروز جمعرات یکم اپریل ۲۰۱۰ء کو نوری محفل میں ایوارڈ تقسیم کیے گئے۔

اپریل ۲۰۱۰ء

۲/اپریل- رضا اکیڈمی کا وفد بغداد شریف سے لوٹتے ہوئے حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارِ مقدس کی چادر اپنے ساتھ لایا۔ اس چادر شریف کا وزن تقریباً ۵۰/کلو ہے اور اس پر سونے کا کام کیا ہوا ہے۔ بعد نمازِ عشاء سُنّی بڑی مسجد، مدن پورہ میں اس چادر کی زیارت کا اہتمام کیا گیا۔

مئی ۲۰۱۰ء

۱۳/مئی- انگریزی اخبار ٹائمز آف انڈیا کی ۱۱/مئی ۲۰۱۰ء کی اشاعت میں دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ شائع ہوا جس میں عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منانے کو حرام کہا گیا، اس کے خلاف مولانا سید معین اشرف (سجادہ نشین کچھوچھہ شریف)، مولانا منصور علی خان (آل انڈیا سُنّی جمعیۃ العلماء)، محمد سعید نوری (جنرل سکریٹری رضا اکیڈمی) اور حافظ عبدالقادر (دارالعلوم حنفیہ رضویہ) نے سخت مذمت کی اور حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ وہ وہابی،

دیوبندی، اہلِ حدیث فرقوں کو شیعوں کی طرح علاحدہ فرقہ ڈکلیئر کریں، اور ان کی مساجد، اداروں اور قبرستان کو علاحدہ کرنے کا حکم دیں، تاکہ یہ لوگ مذہب کے نام پر عام مسلمانوں کو گمراہ نہ کرسکیں۔ ٹائمز آف انڈیا میں خبر شایع ہوئی۔

۱۹/مئی- رضا اکیڈمی نے مرکزی وزیر داخلہ سے مطالبہ کیا کہ اجمیر شریف میں بم دھماکہ کرنے والی تنظیموں کے نام بھی دہشت گردوں کی فہرست میں شامل کیے جائیں۔

۱۹/مئی- انٹرنیٹ پر سماجی رابطوں کی ویب سائٹ ''فیس بک'' پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کارٹون (معاذ اللہ) بنانے کے ایک مقابلے کا انعقاد ہوا، جس پر تمام دنیا کے مسلمان سخت اضطراب میں مبتلا ہوگئے اور عالمی سطح پر شدید احتجاج کیا گیا۔ بے شمار مسلم ممالک میں اس سائٹ پر پابندی لگادی گئی۔ اس موقع پر رضا اکیڈمی نے مہاراشٹر چیف منسٹر اشوک چوہان اور وزیر داخلہ مہاراشٹر آر آر پاٹل سے مطالبہ کیا کہ وہ فیس بک نامی ویب سائٹ پر پابندی لگائے۔

۲۱/مئی- مسلمانوں کے مطالبے کے باجود ''فیس بک'' نے اپنی جارحانہ حرکات بند نہیں کیں اور فیس بک پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاکہ بنانے کا مقابلہ (معاذ اللہ) بند نہ کرنے پر ہندوستان کے علماء عوام اہلِ سُنّت نے سخت احتجاجی مظاہرہ کیا۔ وزیر داخلہ سے ملاقات کرکے اپنا احتجاج درج کروایا گیا اور پریس کانفرنس لی گئی۔ ممبئی کے تمام اخبارات میں یہ خبر نمایاں طور پر شایع ہوئی۔

۲۲/مئی- الحاج محمد سعید نوری نے وزیر اعظم شری من موہن سنگھ، شری متی سونیا گاندھی (صدر کانگریس)، شری راہل گاندھی (صدر یوتھ کانگریس)، شری احمد پٹیل (سیاسی مشیر برائے سونیا گاندھی) کو خط لکھ کر فیس بک کے جارحانہ رویّے کے خلاف احتجاج کیا اور فوری ملاقات کے لیے دہلی روانہ ہوئے۔

جون ۲۰۱۰ء

۸/جون- ۹/جون کو اسرائیلی سفارت خانہ کے محاصرہ کی اپیل۔ ۳۱/مئی ۲۰۱۰ء کو فلسطین کے مسلمانوں کے لیے راحتی سامان پہنچانے والے جہاز پر اسرائیلی فوج نے حملہ کرکے ۲۰/افراد کو ہلاک اور سیکڑوں کو گرفتار کیا۔ جس کے خلاف علمائے کرام کی سرکردگی میں ایک احتجاجی جلوس اسرائیلی سفارت خانہ لے جایا گیا، جسے پولیس نے راستے میں ہی روک لیا۔ بعد میں رضا اکیڈمی کے وفد نے وزیر داخلہ آر آر پاٹل سے ملاقات کرکے میمورنڈم پیش کیا۔

۱۰/جون- اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا گیا کہ اسرائیل کے خلاف سخت اور ٹھوس کارروائی کرے۔

۱۰/جون- وزیر داخلہ آر آر پاٹل سے ملاقات کرکے میمورنڈم پیش کیا گیا اور اسرائیلی سفارت خانہ پر پابندی کا مطالبہ کیا گیا۔

۱۵/جون- رضا اکیڈمی کا وفد اجمیر شریف کے دورہ پر۔

۲۰/جون - رضا اکیڈمی نے حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ ذاکر نائک پر برطانیہ کی طرح ہندوستان میں بھی پابندی عائد کی جائے۔

۲۲/جون- ڈاکٹر ذاکر نائک پر برطانیہ میں پابندی کا خیر مقدم اور سلمان رشدی پر بھی پابندی عائد کرنے کا مطالبہ۔ برٹش ہائی کمشنر مسٹر پیٹر بیکنگھم کو میمورنڈم دیا۔

۲۲/جون- ڈاکٹر ذاکر نائک پر برطانیہ میں پابندی عائد کیے جانے پر وہابی اہلِ حدیث جماعتوں نے برطانوی حکومت کے خلاف آزاد میدان میں دھرنا رکھنے کا اعلان کیا، جس پر الحاج سعید نوری صاحب نے ایڈیشنل پولیس کمشنر سے اس دھرنے پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا۔ اور انھیں بتایا کہ ذاکر نائک اُسامہ بن لادن اور دہشت گردوں کا حمایتی ہے۔

۲۴/جون- ۱۰۷/سالہ عرسِ نوری، نوری محفل میں منایا گیا۔

جولائی ۲۰۱۰ء

۳/جولائی- حضرت داتا گنج بخش کے آستانہ پر بم دھماکے کی مذمت میں پریس کانفرنس کا انعقاد۔

۱۴/جولائی- امریکی مصنف جیمز لین کی کتاب ''شیواجی: ہندو کنگ ان اسلامک انڈیا'' پر پابندی کا مطالبہ کیا گیا۔

۱۵/جولائی- یومِ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقع پر محفل کا انعقاد ہوا، الحاج سعید نوری صاحب نے کہا کہ ''امام اعظم کا ہر مسلمان پر احسان ہے۔''

۱۷/جولائی- سُنّی تبلیغی جماعت کے تحت منعقد کی گئی ''سُنّی تعلیمی کانفرنس'' پر الحاج سعید نوری صاحب کی جانب سے مبارک باد پیش کی گئی اور کانفرنس کی کامیابی کے لیے دُعا کی گئی۔

۲۱/جولائی- مالیگاؤں میں فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے والوں کے خلاف سعید نوری صاحب نے سخت کارروائی کا مطالبہ کیا۔

۲۱/جولائی- مہلوک فوجی کے بیٹے کو پیٹرول پمپ دلانے کا وعدہ پورا نہ کرنے پر سعید نوری صاحب اور دیگر علما کا وزیر پیٹر ولیم مرلی دیورا سے انصاف کا مطالبہ۔

۲۷/جولائی- ''شبِ برأت کے فضائل'' نامی کتاب کی مفت تقسیم۔ جس کو مولانا محمد عبدالمبین نعمانی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

۲۹/جولائی- بیروت کی ماڈل کی دل سوز حرکت پر رضا اکیڈمی کی سخت مذمت۔

اگست ۲۰۱۰ء

۲/اگست- کتاب ''قصیدہ غوثیہ'' کی مفت تقسیم۔

۴/اگست- امریکی پادری کے ۱۱/ستمبر کو قرآن سوزی کے اعلان پر اس کے خلاف دہلی کے جنتر منتر پر رضا اکیڈمی کا احتجاج۔ ۵/اگست ۲۰۱۰ء کو روزنامہ انقلاب میں خبر شایع ہوئی۔

۵/اگست- مرکزی وزیر برائے اقلیتی امور سلمان خورشید سے دہلی میں ملاقات اور قرآن سوزی کے خلاف میمورنڈم پیش کیا گیا۔

۶/اگست- ۱۱/۹ کو یوم تحفظِ قرآن منانے کا اعلان کیا گیا۔

۷/اگست- وزیر خارجہ ایس ایم کرشنا سے دہلی میں ملاقات کر کے مسئلہ کی سنگینی سے آگاہ کیا گیا اور میمورنڈم پیش کیا گیا۔

۹/اگست - وزیر اعلیٰ نے رضا اکیڈمی کے میمورنڈم کو وزیر اعلیٰ کے پاس روانہ کیا۔

۱۵/اگست- قاضی عبدالرحیم بستوی صاحب کے وصال پر تعزیت۔

۲۵/اگست- علامہ ازہری صاحب کو دنیا بھر میں ۲۶/رواں مقام تجویز کیے جانے پر مبارکباد۔

۲۶/اگست- نوری محفل کو پندرہ سو (۱۵۰۰) ہفتے مکمل۔

۲۶/اگست- کو معراج ربانی کے خلاف سپریم کورٹ میں سماعت آج۔

علامہ فیض احمد اویسی صاحب کے وصال پر تعزیتی پیغام۔

ستمبر ۲۰۱۰ء

۱۴/ستمبر- امریکہ میں قرآن کریم کی بے حرمتی پر ممبئی میں علمائے کرام کا احتجاج۔ وزیر داخلہ آر آر پاٹل اور وزیر مملکت برائے داخلہ کو میمورنڈم پیش کیا گیا۔

۱۹/ستمبر- ۱۰/شوال ولادتِ امام احمد رضا کے موقع پر رضا اکیڈمی نے نوری محفل میں یومِ رضا منایا۔ جس میں علامہ محمد عبدالمبین نعمانی نے خصوصی طور پر شرکت کی۔

۲۱/ستمبر- بابری مسجد کے معاملے میں ہائی کورٹ کے فیصلے پر ممکنہ ردعمل کی وجہ سے رضا اکیڈمی نے علما کی میٹنگ کی اور پریس ریلیز جاری کی گئی کہ بابری مسجد سے متعلق فیصلہ جو بھی ہو مسلمان جوش سے نہیں ہوش سے کام لیں۔ اور امن وامان قائم رکھنے کی اپیل کی گئی۔

۲۳/ستمبر- سعودی ڈے کے موقع پر شاہ عبداللہ کو رضا اکیڈمی کا کھلا خط روانہ کیا گیا۔

۲۴/ستمبر- بابری مسجد فیصلے پر حضرت امینِ ملّت کی امن وامان کی اپیل۔

۳۰/ستمبر- آج بابری مسجد کا فیصلہ سنایا جانا تھا، ممبئی میں ماحول کی کشیدگی دور کرنے اور امن قائم رکھنے کے لیے رضا اکیڈمی نے مینارہ مسجد کے پاس دعائیہ پروگرام کا اہتمام کیا۔

اکتوبر ۲۰۱۰ء

۹/اکتوبر- ایودھیا فیصلے کے تعلق سے محمود مدنی کے بیان کی مذمت۔

۱۵/اکتوبر- لاکھوں کی تعداد میں شائع ہونے والے سُنّی رضوی کلینڈر کی اشاعت۔

نومبر ۲۰۱۰ء

۱۷ر نومبر - عید الاضحیٰ کے موقع پر بڑے جانور کی مشترکہ قربانی۔

۲۱ر نومبر - اجمیر درگاہ بم دھماکہ میں سوامی اسیمانند کی گرفتاری پر الحاج سعید نوری صاحب نے سی بی آئی کی کارکردگی کی ستائش کی۔

۲۴ر نومبر - کلمۂ طیبہ کی توہین کرنے پر سونی ٹی وی چینل پر مقدمہ کا مطالبہ۔

۲۵ر نومبر - حضرت سید آلِ رسول مارہروی رضی اللہ عنہ کا عرس نوری محفل میں منایا گیا۔

۲۶ر نومبر - سونی ٹی وی کی ایکٹر بھارتی سنگھ نے کلمۂ طیبہ کی توہین کرنے پر معافی مانگی، رضا اکیڈمی نے مطالبہ کیا کہ بھارتی سنگھ ٹی وی پروگرام کے دوران ہی اپنی غلطی پر معذرت طلب کرے۔

۲۸ر نومبر - سونی چینل پر کلمۂ طیبہ کی توہین پر رضا اکیڈمی نے مقدمہ درج کرایا۔

۲۹ر نومبر - سامنا اخبار نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاکہ شائع کیا، جس کی مذمت کی گئی،

۳۰ر نومبر - سامنا اخبار کے خلاف مقدمہ درج کرایا گیا۔

دسمبر ۲۰۱۰ء

۶ر دسمبر - بابری مسجد کی ۱۸ رویں برسی پر اذانوں کا اعلان اور صدر جمہوریہ کو یادداشت روانہ کی گئی،

۱۵ر دسمبر - جامعہ قادریہ اشرفیہ میں علمائے کرام کی پریس کانفرنس جس میں بنارس بم دھماکہ پر احتجاج، حجاج کرام کے ساتھ بدسلوکی، اوقاف کی زمینوں اور دیگر مسلم مسائل پر گفتگو ہوئی۔ جس میں پولیس کمشنر سنجیو دیال نے شرکت کی۔

۲۱ر دسمبر - حضور مفتی اعظم کے ۲۹ رویں عرس مبارک میں رضا اکیڈمی کی جانب سے بریلی شریف میں لنگرِ نوری کا اہتمام کیا گیا۔

۲۰۱۰ء کے عرسِ رضوی کے موقع پر خصوصی پیش کش

☆ ۱۴۳۱ھ کو اعلیٰ حضرت کے ۱۱۱ر (ایک سو گیارہ) سالہ عرسِ رضوی کے موقع پر ۷۵۴ر روپے میں کتابوں کا سیٹ دیا گیا جس کی قیمت مارکیٹ میں تقریباً ۱۵۰۰ر روپے ہے۔

☆ اسی طرح عرسِ رضوی میں دیگر علمائے اہلِ سنّت کی ۲۵ر کتابوں کا سیٹ صرف ۵۰۰ر روپے میں دیا گیا، جس کی مارکیٹ میں قیمت ۲۰۰۰ر روپے ہے۔ (اس کی فہرست اخیر میں ملاحظہ کریں۔)

دیگر خدمات

☆ ہر سال رضا اکیڈمی کی طرف سے رمضان شریف میں غربا و مساکین کو اناج تقسیم کیا جاتا ہے۔

☆ اس کے علاوہ کسی کا بھی کچھ مسئلہ ہو تو اس کے حل کے لیے کوششیں کرنا۔

رضا اکیڈمی میں علماے کرام و دیگر خواص کی آمد

☆ مولانا سید معین الدین اشرف (جامعہ قادریہ اشرفیہ) ☆ مولانا محمد عبد المبین نعمانی ☆ علامہ قمر الزماں اعظمی ☆ مولانا منصور علی خان ☆ مولانا شاکر نوری ☆ مولانا ادریس بستوی ☆ مفتی نظام الدین ☆ مولانا یٰسین اختر مصباحی ☆ مولانا انوار احمد امجدی ☆ مفتی محمد کوثر حسن رضوی ☆ مفتی مطیع الرحمٰن رضوی ☆ مولانا وارث جمال قادری ☆ مولانا معین الحق علیمی (دار العلوم علیمیہ جمداشاہی) ☆ مولانا ولی اللہ شریفی ☆ مولانا امان اللہ رضا ☆ مولانا محمود عالم رشیدی ☆ مفتی اشرف رضا قادری ☆ حافظ عبد القادر رضوی ☆ مولانا عتیق الزماں قادری ☆ مولانا شمیم الدین منعمی ☆ مولانا فخر عالم فیضی ☆ مولانا خلیل الرحمٰن نوری ☆ مولانا سید ممتاز ربانی ☆ مولانا انیس عالم سیوانی ☆ مولانا مختار احمد، وغیرہ۔

نوری محفل میں علما کی شرکت

☆ مولانا محمد عبد المبین نعمانی ☆ مفتی محمد کوثر حسن رضوی ☆ مولانا یٰسین اختر رضوی ☆ مولانا خلیل الرحمٰن نوری ☆ مولانا امان اللہ رضا رضوی ☆ نبیرۂ اعلیٰ حضرت فیض رضا نوری۔

علماے اہل سنت کی ۲۵ر کتابیں جو رضا اکیڈمی سے شایع ہوئیں

(۱) روشنی	(۲) شان حبیب الباری	(۳) سنی علما کی حکایات	(۴) الصلوٰۃ (ہماری نماز)
(۵) روح اعمال (۶) شان صحابہ		(۷) مفید الواعظین	(۸) بارہ تقریریں
(۹) عجائب الحیوانات (۱۰) کتاب برزخ		(۱۱) آنا جانا نور کا	(۱۲) سیدنا حضرت بلال
(۱۳) زیارت روضۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم		(۱۴) فقہی پہیلیاں	(۱۵) عجائب القرآن
(۱۶) صحاح ستہ اور علم غیب		(۱۷) الدولۃ المکیۃ مترجم	(۱۸) رسائل شاہ ولی اللہ
(۱۹) تدوین الحدیث	(۲۰) زیر وزبر	(۲۱) زلزلہ	(۲۲) لالہ زار
(۲۳) انوار شریعت	(۲۴) مجموعۂ رسائل فضل رسول		(۲۵) اذاقۃ الآثام (میلاد و قیام)

جہانِ علم و تحقیق میں ہمیشہ یاد کیا جانے والا وہ یادگار لمحہ جب مسلم یونی ورسٹی کے وایس چانسلر
ڈاکٹر ضیاء الدین احمد بارگاہِ امام احمد رضا میں علمی استفادہ کے لیے حاضر ہوئے......اس موضوع پر تحقیقی تحریر

امام احمد رضا اور ڈاکٹر ضیاء الدین احمد

تحریر: غلام مصطفیٰ رضوی　　ناشر: نوری مشن مالیگاؤں

ملنے کا پتا: مدینہ کتاب گھر، اولڈ آگرہ روڈ مالیگاؤں-۴۲۳۲۰۳

صفحات: ۲۴......طباعت: عمدہ......ہدیہ: دعاے خیر

نوٹ: بیرونی قارئین ڈاک خرچ کے لیے ۵ر روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی: ایک تعارف

وسیم احمد رضوی

رکن نوری مشن مالیگاؤں

امام احمد رضا کے وصال کے بعد مخالفین نے ماحول بنایا، ارباب علم کو بدظن کرنے کی کوشش کی، مگر ۱۵؍ویں صدی ہجری کا سورج فکر رضا کی کرنوں کے ساتھ طلوع ہوا۔ جمود کے بعد اہل سنت میں بیداری آئی۔ تصانیف رضا پھر سے منظر عام پر آنے لگیں۔ ارباب دانش تحقیقات رضا سے استفادہ کرنے لگے۔ رضویات پر مقالات و مضامین کی اشاعت ہونے لگی۔ اکیڈمیاں، انجمنیں اور تحقیقی ادارے وجود میں آئے، رضویات پر تحقیق کا رجحان عام ہوا۔ اور امام احمد رضا کی خدمات کی دھوم مچ گئی ع

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں

امام احمد رضا پر ریسرچ کے لیے سب سے پہلے ''مرکزی مجلس رضا'' لاہور (تاسیس ۱۹۷۰ء) حکیم محمد موسیٰ امرت سری نے قائم کی، اور وہ کاروانِ فکر رضا کے حُدی خواں بن گئے، ۱۹۸۰ء میں ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مشورہ پر سید ریاست علی قادری نے کراچی میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا قائم کیا، جس سے تحریک فروغ رضویات کو خونِ تازہ فراہم ہوا۔ ادارہ کی خدمات کو نام ور علما و ادبا اور محققین نے بہ نظر استحسان دیکھا۔ علامہ شمس بریلوی، مفتی تقدس علی خاں، پروفیسر مسعود احمد، شیخ حمید اللہ قادری، ادیب رائے پوری جیسی قد آور شخصیات ادارہ سے وابستہ رہیں۔ ادارہ کی خدمات کا دائرہ تقریباً ۳۰؍سالوں پر محیط ہے۔ ادارہ کی وسیع خدمات کا مختصر تعارف پیش ہے۔

(۱) **اغراض و مقاصد**: امام احمد رضا کے افکار کی اشاعت، عوام وخواص خصوصاً ارباب علم و دانش کو امام کی عبقریت اور علمی و ادبی مقام سے متعارف کرانا، تصانیف رضا کی اشاعت اور ان کا عالمی زبانوں میں ترجمہ و اشاعت، امام موصوف پر ہونے والی انفرادی و اجتماعی تحقیقات و سرگرمیوں کو مربوط کرنا، اور اسے منظر عام پر لانا، تعلیمی اداروں کے نصاب میں رضویات کو بہ حیثیت فرع علم شامل درس کروانا، غلط فہمیوں کا قلع قمع، عالمی سطح پر امام احمد رضا کا صحیح تعارف جیسے امور مقاصد میں شامل ہیں۔

(۲) **صحافت کے میدان میں**: ادارہ کے تحت ۱۴۰۱ھ میں سال نامہ ''معارف رضا'' کا اجرا ہوا۔ ابتدا میں اردو میں شایع ہوتا تھا، پھر عربی و انگریزی گوشے کا اضافہ کیا گیا، ۲۰۰۳ء سے تینوں زبانوں میں الگ الگ سال نامہ شایع کیا جانے لگا، رضویات پر تحقیق کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، افکار رضا کے جلوؤں سے بزم علم و ادب جگ مگانے لگی، ادارہ کی خدمات کی پذیرائی ہونے لگی، ۲۰۰۰ء سے سال

نامے کے ساتھ ہی ماہ نامہ معارف رضا پابندی کے ساتھ شایع کیا جانے لگا، ماہ نامہ معارف رضا صدر ادارہ سید وجاہت رسول قادری کی ادارت میں پابندی سے شایع ہو رہا ہے، جب کہ مدیر ڈاکٹر مجید اللہ قادری ہیں۔ معارف کے مشمولات مستند و تحقیقی ہوتے ہیں، اس کے مقالات بہ نظر استحسان دیکھے اور بہ طور حوالہ درج کیے جاتے ہیں، اللہ کریم اسے فروزاں رکھے۔

(۳) **سالانہ امام احمد رضا کانفرنس**: کانفرنس کا انعقاد ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء سے شروع کیا گیا۔ ابتدا میں صرف کراچی سطح پر منعقد ہوتی جس میں جامعہ کراچی کے اساتذہ و دانش ور شرکت کرتے، پھر ۱۹۸۷ء سے اسلام آباد میں بھی منعقد کی جانے لگی، ۱۹۹۱ء میں پہلی انٹرنیشنل امام احمد رضا کانفرنس پاکستان کے تین بڑے شہروں (کراچی، لاہور، اسلام آباد) میں منعقد ہوئی، جس میں برصغیر کے علاوہ کویت، ملیشیا اور انگلینڈ کے محققین نے شرکت کی، اور ہر سال کانفرنس عالمی پیمانے پر ہونے لگی۔ ادارہ کی سلور جوبلی پر ۲۰۰۵ء میں دو روزہ انٹرنیشنل کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس مجلّہ کی اشاعت بھی تسلسل سے ہو رہی ہے، کانفرنس کے مقالات اور مشہور علمی شخصیات کے پیغامات کی اشاعت بھی کی جاتی ہے۔

عرب دنیا کے جامعات میں امام احمد رضا پر اشاعت و تحقیق کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۱۹۹۹ء میں ادارہ نے جامعۃ الازہر میں پہلی مرتبہ امام احمد رضا کانفرنس کا انعقاد کیا، اسکالرز کو رضویات پر تحقیق کے سلسلے میں گولڈ میڈل پیش کیے گئے، شیخ الازہر نے ادارہ کے وفد سے ملاقات کی، بارگاہ رضا میں خراج عقیدت پیش کیا۔ ادارہ کا یہ وفد علامہ عبدالحکیم شرف قادری اور سید وجاہت رسول قادری پر مشتمل تھا، کانفرنس اور دورہ کی روداد ڈاکٹر حازم محفوظ مصری نے اپنے ایک عربی مقالے میں لکھی۔

(۴) **امام احمد رضا ریسرچ ایوارڈ**: سالانہ کانفرنس کے موقع پر ادارہ کی مجلس عاملہ نے ۱۹۹۰ء سے امام احمد رضا ریسرچ گولڈ میڈل اور سلور میڈل کا اجرا کا، رضویات پر پی ایچ ڈی اسکالر کو گولڈ میڈل کا مستحق قرار دیا گیا، اب تک ۳۴؍اسکالرز گولڈ میڈل سے نوازے جا چکے ہیں۔ ایم فل اسکالرز کے لیے سلور میڈل مختص ہے۔ اب تک ۸؍اسکالرز یہ میڈل پا چکے ہیں۔

(۵) **اشاعتی خدمات**: فروغ رضویات کے لیے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا نے جو خدمات انجام دیں وہ آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں نیز دوسرے اداروں کے لیے رہ نما، قیام سے اب تک امام احمد رضا کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابوں کو جدید تقاضوں کے مطابق عمدہ انداز میں اور عالمی زبانوں میں شایع کیا گیا، انھیں دانش گاہوں، دانش وروں اور لائبریریوں میں پیش کیا، دیگر اداروں سے رابطہ کیا اور رضویات پر کام کی ترغیب دی۔ جس کے نتیجے میں امام احمد رضا کی کتابوں کی اشاعت عالمی سطح پر ہوئی، اور اس کا دائرہ ہند سے عرب تک اور یورپ و امریکا تک پھیلا۔

(۶) **محققین سے رابطہ و تعاون**: ادارہ نے مثبت انداز میں رضویات کے فروغ کے

لیے کام شروع کیا اور محققین سے رابطہ کر کے انھیں امام احمد رضا پر مواد مہیا کرایا اور لکھوایا بھی۔ پی ایچ ڈی، ایم فل، ایم ایڈ کے اسکالرز کو رضویات پر تحقیق کے لیے مائل کیا، مواد فراہم کیا، علمی تعاون کیا، پذیرائی بھی کی، نیز تعلیمی نصاب میں رضویات پر مواد کی شمولیت میں کام یابی حاصل کی۔

(۷) **چند اہم منصوبے**: ادارہ نے رضویات کے حوالے سے جو خدمات انجام دیں وہ قابل قدر ہیں، مستقبل کے لیے ادارہ کے منصوبے کافی اہم اور توجہ کے حامل ہیں، اور ادارہ کے عہدے داروں کی وسعت فکری پر دال۔ جن کی تکمیل کے لیے ہمارے اصحاب ثروت کو ادارہ سے تعاون کرنا چاہیے۔ ادارہ ''امام احمد رضا انٹرنیشنل یونی ورسٹی'' کے قیام کا عزم رکھتا ہے، ساتھ ہی کراچی یونی ورسٹی میں ''امام احمد رضا چیئر'' کا قیام بھی عزم میں شامل ہے، ان کے علاوہ نہایت اہم کام ''دائرہ معارف امام احمد رضا'' کی (۳۰ جلدوں میں) ترتیب و تدوین واشاعت جس کا ابتدائی خاکہ پروفیسر محمد مسعود احمد نے مرتب فرمایا تھا، اگر ادارہ اپنے ان مقاصد میں کام یاب ہو جائے تو رضویات کے باب میں بے مثال اضافہ ہوگا، ادارہ کی طرف سے جدید تقاضوں کے ساتھ ویب سائٹ www.imamahmadraza.net بھی جاری ہے۔ جسے مزید عمدہ و فعال بنانے کا منصوبہ ہے۔ اللہ کریم اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل ادارہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، فروغ رضویات کے پاکیزہ مقاصد میں کام یاب کرے۔ آمین۔

''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی تاریخ اسلام کے مشاہیر مصنّفین کے اس عظیم طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو علم وتحقیق میں اپنا الگ معیار، زبان و بیان کے لحاظ سے اپنی الگ پہچان اور تصنیف و تالیف کی دنیا میں اپنا مخصوص مزاج اور منفرد شان رکھتے ہیں۔ وہ عام مصنّفین کی طرح مختلف موضوعات پر زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کر لینے کے عادی نہیں ہیں، نہ ہی ایسے موضوعات کو منتخب کرتے ہیں جن پر پچھلے مصنّفین پہلے ہی کام کر چکے ہیں، بلکہ قلم اس وقت اٹھاتے ہیں جب اس کی واقعی ضرورت ہوتی ہے۔''

ابوزہرہ مالیگ (لندن)

(امام احمد رضا خدمات و اثرات، ص ۱۵)

شاید یہی تھے گردشِ ایام کے چراغ!

عتیق الرحمٰن رضوی، رکن نوری مشن مالیگاؤں

عرب عالم اہل سنت شیخ عبدالقادر سقاف: عرب دنیا کے جید عالم اہل سنت حضرت شیخ سید عبدالقادر سقاف (ولادت: ۱۹۱۳ء) بروز اتوار ۴؍اپریل ۲۰۱۰ء کو رحلت فرما گئے۔ آپ کی شخصیت بڑی ہمہ جہت تھی۔ خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی سے آپ کے خصوصی مراسم تھے، آپ کی ولادت یمن کے شہر حضر موت کے ایک نواحی گاؤں ''سیئون'' کے سادات گھرانے میں ہوئی۔ قیام جدہ میں رہا، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف علمی مشاغل تھے، معمولات اہل سنت پر عمل پیرا تھے، مسلّم اور قد آور عالم تھے، جدہ میں وصال اور جنۃ المعلی میں تدفین عمل میں آئی۔

علامہ فیض احمد اویسی رضوی: دو ہزار سے زائد کتابوں کے مصنف، مولف و مترجم علامہ فیض احمد اویسی ۱۵؍رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ/ ۲۶؍اگست ۲۰۱۰ء بروز جمعرات رحلت فرما گئے، آپ محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد کے شاگرد اور سلسلۂ رضویہ کے شیخ طریقت تھے، ہر سال باقاعدگی سے حرمین شریفین حاضر ہوتے، جامعہ اویسیہ رضویہ نام سے ایک ادارہ ۱۹۵۳ء میں بہاول پور میں قائم فرمایا۔

مفتی غلام سرور قادری: مفتی اعظم نوری کے فیض یافتہ مفتی غلام سرور قادری کی رحلت علامہ اویسی کے وصال کے پانچ روز بعد (۲۰؍رمضان، ۳۱؍اگست) ہوئی، آپ علامہ سید احمد سعید کاظمی کے شاگردوں میں تھے، عظیم مدرس اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، عمدۃ البیان کے نام سے ترجمۂ قرآن بھی فرمایا۔

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد: ۳۰؍جون کی صبح مسلم یونی ورسٹی کے سابق صدر شعبۂ عربی پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو رحلت فرما گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ حضرت پروفیسر ڈاکٹر امین میاں نے حسب وصیت پڑھائی، وصال کی خبر ملتے ہی دینی و علمی اداروں، مدارس و مساجد اہل سنت میں ایصال ثواب کیا گیا۔ واضح رہے کہ آپ امام احمد رضا کے شاگرد خاص ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی کے فرزند تھے۔ اپنے والد ملک العلما کی مشہور کتاب ''حیات اعلیٰ حضرت'' کی ۳؍جلدوں میں اشاعت کروائی، خود بھی امام احمد رضا پر کئی تحقیقی مقالات لکھے،

حضرت امین میاں مارہروی اور حسینی میاں اشرفی کی والدہ کی

رحلت: سلسلۂ قادریہ برکاتیہ کی عظیم خانقاہ مارہرہ شریف کے سجادہ نشین حضرت امین ملت ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری کی والدہ مخدومہ محترمہ ۴؍جنوری بروز منگل بوقت شام وصال فرما گئیں۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ، تدفین ۵؍جنوری بعد از ظہر مارہرہ شریف میں ہوئی۔ مرحومہ اعلیٰ اوصاف کی حامل تھیں، متقی تھیں۔ اللہ کریم مخدومہ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے۔ اور حضرت امین ملت، حضرت شرف ملت، حضرت افضل میاں وحضرت رفیق ملت کو صبر جمیل دے۔ مرحومہ کے لیے متعدد مقامات پر رضا اکیڈمی ونوری مشن نے ایصال ثواب کی محافل کا انعقاد کیا۔

حسینی میاں اشرفی کی والدہ کی رحلت: ۳؍جنوری بروز پیر سلسلۂ اشرفیہ کے عظیم بزرگ مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی سجادہ نشین خانقاہ حسینی رائچور کی والدہ مخدومہ محترمہ بھی رحلت فرما گئیں۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ، اللہ کریم انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات پر فائز فرمائے ان کی قبروں کو نور نور فرمائے۔ اور ان کی عظیم ذات کا فیض اہل سنت پر سایہ گستر رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

مولانا شہاب الدین لطیفی ۲۰؍فروری ۲۰۱۰ء کو ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے شاگرد اور صوبۂ بہار کے مشہور عالم دین حضرت علامہ شہاب الدین لطیفی علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا۔

صاحب زادۂ حافظ ملت کی رحلت: ۲۰؍دسمبر ۲۰۲۰ء صبح حضور حافظ ملت کے صاحب زادے حافظ وقاری عبد القادر غلام جیلانی حج سے واپسی کے بعد ممبئی میں رحلت فرما گئے، ۲۱؍دسمبر کو آبائی گاؤں بھوج پور مراد آباد میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ متقی وپرہیز گار اور اہل سنت کے لیے سرگرم بزرگ تھے۔
اسی طرح ۲۰۱۰ء میں دار الافتا بریلی شریف کے عظیم وجید مفتی استاذ الاساتذہ قاضی عبد الرحیم بستوی، شیخ الازھر ڈاکٹر سید محمد طنطاوی، ۹؍دسمبر کو مولانا محمد مسعود احمد برکاتی (مقیم امریکہ) کے والد الحاج حقیق اللہ بھی رحلت فرما گئے۔ ادارۂ یادگار رضا اور رضا اکیڈمی تمام مرحومین کے لیے دعاے مغفرت کرتے ہیں، اللہ کریم اپنے محبوب رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے مرحومین کے درجات بلند فرمائے اور ان کی لحد کو نور نور فرمائے۔

☆☆☆

امام احمد رضا نمبر

چھ سو صفحات پر مشتمل ضخیم مجاہد ملت نمبر کی کامیاب اشاعت کے بعد ذمہ داران سہ ماہی تبلیغ سیرت امام احمد رضا نمبر کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ان شاء اللہ یہ نمبر اب تک اعلیٰ حضرت پر شایع ہونے والے تمام نمبرات میں منفرد ہوگا۔

جس میں حسب ذیل ابواب کے تحت مضامین ہوں گے:

پہلا باب: خاندانی پس منظر	**دوسرا باب:** سوانحی خاکہ
تیسرا باب: سیرت وکردار	**چوتھا باب:** بیعت وخلافت
پانچواں باب: روحانی تصرفات وکرامات	**چھٹا باب:** تبحر علمی
ساتواں باب: فن تفسیر میں رسوخ	**آٹھواں باب:** فن حدیث میں عبقریت
نواں باب: فقہی بصیرت	**دسواں باب:** عشق رسول، ذوق شعروسخن
گیارھواں باب: علوم وفنون میں عبقریت	**بارھواں باب:** فتاویٰ رضویہ کی ترتیب وتدوین
تیرھواں باب: کنز الایمان کی انفرادیت	**چودھواں باب:** تصنیفی وتالیفی خدمات
پندرھواں باب: نثر ونظم نگاری	**سولھواں باب:** رد بدعات
سترھواں باب: رد وہابیت	**اٹھارھواں باب:** رد قادیانیت
انیسواں باب: حج وزیارت	**بیسواں باب:** علمائے حجاز کی نظر میں
اکیسواں باب: ارباب علم ودانش کی نظر میں	**بائیسواں باب:** اسفار ومشاہدات
تئیسواں باب: تنظیمی وتحریکی خدمات	**چوبیسواں باب:** خلفا، تلامذہ، متوسلین
پچیسواں باب: مکتوبات کے آئینے میں	**چھبیسواں باب:** وصال پر ملال
ستائیسواں باب: مناقب اعلیٰ حضرت	**اٹھائیسواں باب:** اولاد امجاد
انتیسواں باب: اغیار کی غلط فہمیوں کا ازالہ	**تیسواں باب:** اعلیٰحضرت پر لکھی جانے والی کتابیں
اکتیسواں باب: اعلیٰ حضرت پر ڈاکٹریٹ کی تفصیلات	**بتیسواں باب:** نئی جہتیں

اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اپنے معیاری مضامین خاندانی پس منظر، سوانحی خاکہ، سیرت و کردار، بیعت وخلافت اور روحانی تصرفات وکرامات کے علاوہ دیگر عناوین پر فوری طور پر ارسال فرمائیں۔

پتا: مولانا محمد مجاہد حسین حبیبی، سہ ماہی تبلیغ سیرت-۶، تالتلہ لین، کلکتہ ۷۰۰۰۱۴: موبائل نمبر **9830367155**

tableegh.e.seerat@gmail.com/mojahidhabibi@rediffmail.com